پارسا

بشریٰ رحمٰن:

یہ چپ کی وادی۔۔۔۔

اسرار کی چادر اوڑھے، کسی دکھیاری کی مانند۔سرنیہوڑے۔جانے کب سے ایک ٹانگ پر کھڑی اپنے لغزش کا کفارہ ادا کر رہی ہے۔

برف نے اس کے لب سی دیے ہیں۔اور ٹھٹھری ہوئی ہواؤں نے اس کا چہرہ اپنے آنچل میں لپیٹ لیا ہے۔ورنہ اسے لوگ کنواری وادی کہتے تھے۔اس کا حسن کسی کنواری دوشیزہ کے خوابوں کی طرح چاروں کھونٹ بکھرا ہوا تھا۔ مسکراتی تو پھول کھل اٹھتے۔۔۔نظر جھکاتی تو رات ہو جاتی۔۔۔۔۔منہ اٹھاتی تو پہاڑوں پر چمکتا ہوا چاند، جھک کر، اس کے ملیح چہرے کو چوم لیتا۔۔۔۔۔یہ دلوں کی بھیدی ہے۔۔۔۔عشق کے روگی اور بیراگی، یہاں آ کر اسے اپنا دردِ دل سونپ جایا کرتے ہیں۔

یہ صابر وادی ہے۔یہ سب کی چپ چاپ سن لیتی ہے۔۔۔۔۔یہ تم جو گول مٹول سی ڈھلان دیکھ رہے ہو نا۔۔۔۔نہیں نہیں۔۔۔۔۔یہ نشیب نہیں ہے۔۔۔۔۔اسے کھائی نہیں کہہ سکتے۔۔۔۔۔یہ تو وادی کا دل ہے جو کنویں کی مانند گہرا ہے۔

تم اس سے کچھ بھی کہہ لو، اس کے دل میں اتر جائے گا کم ظرف دنیا والوں کی طرح یہ تمہارا بھید کبھی نہیں اگلے گی۔

یہ وادی عاشقوں کی وادی ہے۔۔۔۔

لیکن اس وقت یہ وادی گم سم ہے۔۔۔۔۔سناٹا کان لگا کر سن رہا ہے۔بس سناٹے ہی کو اس دل کے دھڑکنے کی صدا آ رہی ہے۔

یہ جو بے شمار درخت ہیں۔۔۔۔چھتریوں کی طرح، اس پر سائبان بن کر کھڑے رہتے تھے۔یہ برف کی آمد سے پہلے ہی مرجھا گئے ہیں۔جھڑ گئے ہیں۔

یہاں ایک خزاں کا موسم آتا ہے جو حسین بھی ہوتا ہے اور ظالم بھی۔۔۔۔درخت اور پتے شدت احساس سے سرخ ہو جاتے ہیں۔پھر جدائی کے خوف سے زرد۔۔۔۔اور جب فضا بے درد زمانے کی طرح سرد ہو جاتی ہے تو وہ ڈالیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر۔وادی کے دل میں گرنے لگتے ہیں۔۔۔۔کسی مجروح کے آنسو کی طرح۔

پھر برف آتی ہے۔اپنے سفید پاؤں، فضا کی گودی میں جماتی ہوئی۔۔۔۔۔دھیرے دھیرے، ہولے ہولے۔۔۔۔۔کسی زمانہ شناس مشاطہ کی طرح۔۔۔۔اور پھر ساری وادی پر قبضہ کر لیتی ہے۔حتیٰ کہ خود وادی کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ وہ سرد شکنجوں میں جکڑی گئی ہے۔

اجنبی! تم بھنا گئے ہو۔۔۔۔۔بیٹھ جاؤ۔۔۔۔۔ہاں ہاں بیٹھ جاؤ۔

سنو، یہ وادی کچھ کہہ رہی ہے۔وادی کے دل سے آوازیں اٹھ رہی ہیں، یہ برف کا دھواں نہیں ہے۔۔۔۔وادی اجنبیوں کے دامن تھام کر ہمیشہ کچھ کہنے کی کوشش کرتی ہے۔

پوچھتی ہے تم کس کو کھوجنے آئے ہو؟

تم نہ بھی بتاؤ تو وادی جانتی ہے۔۔۔۔ذرا ستاؤ گے۔۔۔۔۔؟برف کے پگھلنے تک۔۔۔۔۔یہاں ایک موسم اور آتا ہے۔برف کے پگھلنے کا موسم۔۔۔۔جب برف پگھلتی ہے تو وادی نیا جنم لیتی ہے۔

ہوائیں چلتی ہیں۔۔۔۔۔ان سے ڈرو نہیں۔۔۔۔۔یہ وادی کے بین ہیں، وادی کسی کو بلاتی ہے۔

کسی سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔

برف کا دل کسی جاں سوز کہاوت سے پگھلنا چاہتا ہے۔۔۔۔۔

ذرا رکو۔۔۔۔۔۔

ذرا سنو۔۔۔۔۔

لاہور چھاؤنی کی اس کشادہ مگر ویران سی سڑک پر تھوڑے تھوڑے سے فاصلے پر کچھ زیر تعمیر مکان نظر آ رہے تھے۔ جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کچھ ہی دنوں میں یہ ایک نئی کالونی بن جائے گی۔۔۔۔۔مگر اس وقت یہ علاقہ سنسان اور غیر آباد نظر آ رہا تھا۔کبھی کبھی کوئی گاڑی گزر جاتی تھی۔۔۔۔۔ورنہ مسلسل کام کرنے والوں کی تھکی تھکی سی آوازیں سکوت کو توڑ رہی تھیں۔ان زیر تعمیر مکانوں سے ذرا پرے، کونے میں ایک کوٹھی کچھ مکمل سی نظر آ رہی تھی۔چھتوں کے بعد، اس پر پلستر بھی ہو گیا تھا۔اب شاید فرش چمکائے جا رہے تھے۔کیونکہ چپس کو رگڑنے والی مشین کی سمع خراش آواز، مسلسل اندر سے آ رہی تھی۔۔۔۔۔اور کمروں کے فرش پر بے تحاشا پانی بہہ بہہ کر باہر آ رہا تھا۔

کوٹھی کے باہر گیٹ کے پاس پانی کا ایک عارضی تالاب بنا ہوا تھا جس میں پکی اینٹیں پڑی تھیں۔قریب ہی چونے

کا ایک ڈرم اور برش پڑے ہوئے تھے۔ دوسرے کونے میں بچی ہوئی ریت، بجری اور سریا پڑا تھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ مکان کو جلد از جلد مکمل کرنے پر سارا زور صرف کیا جا رہا ہے۔

ایک کمرے میں ایک بیگم صاحب، کمر پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑی مسلسل چیخ رہی تھی۔ چیخنے کا انہیں شوق نہیں تھا۔۔۔۔۔ لیکن فرش پر چلنے والی مشین کے شور میں ان کی آواز دب رہی تھی۔ اس لیے ٹھیکیدار کو ہدایت دیتے وقت اتنی اونچی آواز میں بولنا پڑتا تھا کہ اس پر چیخنے کا گمان ہوتا تھا۔

انہیں فرش کا پیٹرن پسند نہیں آیا تھا اس لیے وہ اصرار کر رہی تھیں کہ ڈرائینگ روم اور ڈائننگ روم کا فرش دوبارہ گرا جائے۔

بیگم صاحب! آپ تو وال ٹو وال کارپٹ بچھائیں گی نا؟ ٹھیکیدار نے پوچھا۔

ہاں۔۔۔۔۔ بیگم صاحب تھکے ہوئے لیکن فخریہ انداز میں بولیں۔

تو پھر فرش کو اسی طرح رہنے دیں۔۔۔۔۔ ساری عمر تو ان پر قالین بچھے رہیں گے۔ ان پر رگڑائی کر کے رقم خرچ کرنے کا کیا فائدہ؟

نہیں بھئی۔ وہ تنک کر بولیں، ہمارا ایک اسٹینڈرڈ ہے اور اس کے مطابق ہی ہم نے گھر بنایا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ قالین جھاڑنے کے لیے اٹھائے جائیں تو نیچے سے گھٹیا قسم کا فرش نکل آئے۔ ہماری کوٹھی کا ہر کام فرسٹ کلاس ہونا چاہیے۔ جہاں اتنا پیسہ خرچ کیا ہے، تھوڑا اور سہی۔

جیسے آپ کی خوشی۔۔۔۔۔ ٹھیکیدار نے حلیمی سے کہا۔

بیگم صاحب نے دیواروں پر دی گئی جگہ ہاتھ لگا کر پینٹ کا جائزہ لیا اور بولیں۔ سوکھا نہیں ابھی۔

سوکھ جائے گا جی، دو چار روز میں۔

وہ ڈرائنگ روم میں پہنچیں اور کھڑکی کھول کر باہر جھانکا۔ ساتھ والے پلاٹ پر کچھ لوگ نظر آئے۔ بیگم صاحب نے ذرا آگے ہو کر دیکھا۔ کچھ لوگ فیتے سے زمین کی پیائش کر رہے تھے، کچھ نشان لگا رہے تھے اور دو مزدور کدالیں لیے، کھدائی کے لیے تیار کھڑے تھے۔

لال دین! انہوں نے ٹھیکیدار کو مخاطب کیا۔ یہ زمین بک گئی ہے؟

ہاں جی۔

کس نے لی ہے؟

کوئی ریٹائرڈ بریگیڈئر ہیں۔

کہاں کے رہنے والے ہیں؟

پتہ نہیں جی۔۔۔۔۔ میں بھی آج پہلی دفعہ ہی دیکھ رہا ہوں۔

ہوں۔۔۔۔۔ بیگم صاحب نے غور سے دیکھا۔ ان لوگوں کے درمیان ایک خاتون بھی تھیں جن کے ہاتھ میں مٹھائی کا ایک ڈبہ تھا۔۔۔۔۔

ہاں، یہ گھر بنانے کا مرحلہ ایسا ہی ہوتا ہے۔۔۔۔ انہوں نے دل میں سوچا۔

جب پہلے پہل انہوں نے زمین خریدی تھی تو اس طرح دوسرے تیسرے دن اسے دیکھنے جاتی تھیں۔ روز کسی نئے ٹھیکیدار کو لاتی تھیں اور ہر دفعہ نئے سرے سے سلح مشورہ کرتی تھیں۔ بالآخر انہوں نے ایک آرکیٹیکٹ سے حسب منشا نقشہ بنایا اور کام شروع کرا دیا۔

ایک سال ہو گیا تھا، ان کی کوٹھی کو بنتے ہوئے۔۔۔۔۔ بظاہر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہاتھ میں پیسے ہوں تو آدمی الہ دین کا چراغ لے کر راتوں رات گھر بنوا سکتا ہے مگر جب اس کام میں ہاتھ ڈالو تو پتہ چلتا ہے کہ کیسا جان جوکھم کا کام ہے۔ کبھی اینٹ نہیں ملتی، کبھی سیمنٹ غائب ہو جاتا ہے، کبھی مزدور نخرے کرنے لگتے ہیں۔ ایک گھر بنانے کے لیے سو دکھ جھیلنے پڑتے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن یہ گھر بنانا کتنا ضروری ہوتا ہے۔

اب ان کے میاں کی ریٹائرمنٹ بھی قریب تھی۔ اور وہ چاہتی تھیں کہ جلدی جلدی گھر بنا لیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ لوگ مستقلاً لاہور میں رہنا چاہتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے چھاؤنی میں دو کنال زمین لے لی تھی۔

چوپتے سوچتے وہ باہر آ گئیں۔ ان کی نظر دوبارہ برابر والے پلاٹ کی طرف اٹھ گئی۔ اب وہ خاتون سب کو لڈو بانٹ رہی تھی۔ اسی طرح مٹھائی اور مزدور لے کر آئیں تھی۔ کیسا خوش آئیس مرحلہ ہوتا ہے، وہ۔۔۔۔ مگر جوں جوں مکان بنتا جاتا ہے، پیسہ کم ہوتا جاتا ہے اور ہمت جواب دینے لگتی ہے۔ ان کے میاں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ یہ سر دردی مول نہیں لے سکتے۔ خود میں ہمت ہے تو بنا لو۔۔۔۔۔ اس لیے وہ اپنی ساری ہمت مجتمع کر کے مکان بنوا رہی تھیں۔۔۔۔۔ گو کہ وہ تھک گئی تھیں مگر اظہار نہ کرتی تھیں۔

وہ گیٹ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔ سورج مغرب کی سمت چلا گیا تھا، وہ آنکھوں پر ہاتھ کا چھجہ سا بنا کر، پھر ساتھ

والوں کی طرف دیکھنے لگیں۔ پتہ نہیں کیسے لوگ ہوں گے۔۔۔۔۔ پڑوس اچھا ہو تو وقت اچھا گزر جاتا ہے۔ بلکہ زندگی بھی اچھی گزر جاتی ہے۔ لوگ دعا کرتے ہیں کہ قبر میں بھی نیک ہمسایہ میسر آئے۔

اب پتہ نہیں کون لوگ ہیں۔۔۔۔۔ کیسے ہیں۔ ملنے ملانے پر ہی معلوم ہوگا۔ ان کا جی چاہا کہ ٹہلتی ہوئی ان کی طرف چلی جائیں اور ابھی سے شناسائی کا چکر چلا آئیں۔۔۔۔ مگر پھر انہیں اس میں اپنی سبکی محسوس ہوئی۔ چونکہ وہ پہلے یہاں آئی تھیں اس لیے نوارد خاتون کا فرض تھا کہ وہ خود ان کی جانب آتیں۔

یہ سوچ کر وہ پھر اندر چلی گئیں۔

ایک گھنٹے کے بعد، جب وہ تھکی ہاری اپنی موٹر کی طرف بڑھیں تو انہوں نے دیکھا کہ سڑک کے دوسرے کنارے پر ساتھ والوں کی موٹر کھڑی ہے۔۔۔۔۔ اور مٹھائی تقسیم کرنے والی خاتون بمشکل اپنا بوجھ سنبھالے، بھر بھری زمین میں دھنسے ہوئے پاؤں نکالتی اپنی موٹر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ حتیٰ کہ وہ قریب آ گئیں اور اپنی موٹر کے پاس پہنچ کر انہوں نے پہلی خاتون کی طرف دیکھا۔۔۔۔ پھر دونوں مبہوت ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔

پہلی خاتون جلدی سے ان کے قریب پہنچیں اور حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولیں۔

اللہ یہ تو ہو بیٹا؟

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 2

دوسری خاتون جنہیں ٹیما کہہ کر پکارا گیا تھا، آنکھیں سیکڑے، ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔پھر وہ تیزی سے آگے بڑھیں اور چیخنے والے انداز میں بولیں۔

ارے وحیدہ۔۔۔۔۔۔وحیدہ تم ہو۔۔۔۔۔۔؟

ایک لمحے تک دونوں بازو پھیلائے ہوئے کھڑی رہیں، پھر فلمی انداز میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوگئیں۔

توبہ! کتنے عرصے کے بعد تمہیں دیکھا ہے۔

اندازاً تقریباً نو سال بعد ہم ملے ہیں۔ٹیما بولیں۔

ہاں مجھے یاد ہے۔جب ہماری پوسٹنگ پشاور ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔اس کے بعد ہماری ملاقات نہ سکی تھی۔

ہاں۔۔۔۔۔۔ٹیما بولیں۔پھر غالباً تم لوگ لیبیا چلے گئے تھے؟

ٹھیک کہا تم نے۔۔۔۔۔۔اگر کوئی چند مہینوں کے لیے بھی ملک سے باہر چلا جائے تو لوگ اسے بھول جاتے ہیں۔

یہ بات نہیں۔۔۔۔۔۔ٹیما نے ہنس کر کہی۔زندگی دن بدن مصروف ہوتی جارہی ہے۔کسی کو سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ کون کہاں ہے اور کیا کررہا ہے۔ویسے اچھے لوگ زندگی میں ہمیشہ یاد آتے ہیں۔

اچھا تو یہ پلاٹ تم نے لیا ہے؟وحیدہ بیگم نے اپنے برابر والے پلاٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہاں۔۔۔۔۔۔عرصے سے احسان کے پیچھے پڑی ہوئی تھی لیکن اب ریٹائر ہوکر انہیں خیال آیا ہے۔

کتنی اچھی بات ہے۔ہم پھر اکٹھے ہوجائیں گے۔۔۔۔۔۔وہ باقی زندگی ایک ساتھ گزاریں گے ٹیما نے کہا۔

ہاں واقعی۔۔۔۔۔۔

تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تعلقات ختم ہوجاتے ہیں۔تعلقات کی کشش کبھی نہ کبھی دوبارہ ایک دوسرے کو قریب لے آتی ہے۔ٹیما مسکراتے ہوئے بولیں۔

سچ۔۔۔۔۔۔میں بہت گھبرارہی تھی۔ابھی تو کالونی بھی مکمل نہیں ہوئی۔۔۔۔دعا کرتی تھی کہ کوئی اچھا ہمسایہ مل جائے۔

بھئی، تمہاری تو دعائیں قبول ہونے لگی ہیں۔کچھ ہمارے لیے بھی دعا کرو۔

وحیدہ بیگم، ٹیما کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے بولیں۔تو بہت موٹی ہوگئی ہے ٹیما۔۔۔۔۔۔حالانکہ پوری کالونی میں تو انتہائی اسمارٹ عورت ہوا کرتی تھی۔

وہ زمانہ اور تھا، وحیدہ!

اور تیری ایکسر سائیکل تو ٹرانسفر کے وقت ہر سامان سے پہلے جایا کرتی تھی۔کہاں گئی وہ ایکسر سائیکل۔۔۔۔۔۔

احسان بھائی اس سے بہت چڑا کرتے تھے۔یاد ہے وہ اکثر کہتے تھے کہ ٹیما۔کا بس چلے تو وہ رات کو بھی سائیکل کو مسہری پر لے کر لیٹے۔

ہاں۔۔۔۔۔۔ٹیما اور وحیدہ نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔یاد ہے انہوں نے سائیکل کے ساتھ میرے رومانس کی ایک کہانی بھی جوڑی تھی۔۔۔۔۔۔لیکن میں انہیں چڑانے کے لیے انتہائی ODD وقتوں میں ایکسر سائز کرنے لگتی تھی۔

پر کہاں گئی، وہ تیر پتلی کمر؟ جس کی تو اتنی حفاظت کرتی تھی کہ دو بچوں کے بعد فل اسٹاپ لگا دیا۔

بس دوست! وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔وہ جوانی کا زمانہ تھا۔اب پچھلے پانچ سالوں سے کچھ بیمار بھی رہنے لگی ہوں۔۔۔۔۔۔روہماٹزم کی تکلیف ہوگئی ہے۔اس سے میرا جسم پھولنے لگا ہے۔جوڑوں میں بہت تکلیف رہتی ہے۔قدرے توقف کے بعد ٹیما ہنس کر بولیں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب انسان کو اپنے آپ سے ہار ماننا پڑتی ہے۔اور میرا خیال ہے کہ مجھے مان لینی چاہیے، ہار۔

ہاں۔۔۔۔۔۔وحیدہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔کیا حال ہے تیرے بچوں کا؟ کیسے ہیں؟

ڈیوڈ نے تو خیر سے ایم۔ایس کرلیا ہے۔

اچھا۔۔۔۔۔۔وحیدہ بیگم خوش ہوکر بولیں۔اتنا بڑا ہوگیا ہے، ڈیوڈ!

ارے اسے تو ایم۔ایس۔سی کیے ہوئی بھی دو سال ہوگئے ہیں مگر ابھی تک کوئی ڈھنگ کا جاب نہیں ملا اور نہ ہی وہ ٹک کر کام کرتا ہے۔مجھے تو اس نے پریشان کررکھا ہے۔

تم نے اسے فوج میں کیوں نہیں بھیج دیا۔

تمہیں یاد نہیں کہ وہ تو بچپن ہی میں کہا کرتا تھا، میں فوجی نہیں بنوں گا۔ایف۔ایس۔سی کے بعد تو اس نے بالکل انکار کردیا تھا۔۔۔۔۔۔اس لیے ہم نے مجبور نہیں کیا۔البتہ پیٹر نے جوائن کرلیا ہے۔

اچھا۔۔۔۔۔۔کہاں ہے آجکل پیٹر؟

کا کول میں ٹریننگ لے رہا ہے۔
خوب۔۔۔۔۔۔یہ تم نے بہت اچھا کیا۔
نہیں، میں نے کیا کرنا تھا۔۔۔۔۔۔آج کل کے بچے تو بس اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ان کی نہ مانو تو بغاوت پر اتر آتے ہیں۔
ہاں مگر وقت آنے پر خود سنبھل جاتے ہیں۔وحیدہ بولیں۔
اسی لیے تو میں اور احسان زیادہ دباؤ نہیں ڈالتے۔۔۔۔۔رفتہ رفتہ خود ہی سیٹل ہو جائیں گے۔۔۔۔۔۔تم سناؤ تمہاری بچیوں کا کیا حال ہے؟ مینا کو جیسے ایک دم یاد آ گیا۔
نیک کی تو میں نے شادی کر دی ہے۔
اچھا۔۔۔۔۔اب مینا کے حیران ہونے کی باری تھی۔کب۔۔۔۔۔؟ کہاں۔۔۔۔؟ کس کے ساتھ؟
تین سال ہوئے، اپنے بھانجے کے ساتھ۔۔۔۔۔وہ شارجہ میں ہے اور وہاں اس کا فرنیچر کا کاروبار ہے۔
اچھا کیا۔۔۔۔۔مینا بولیں۔بچیوں کی شادیاں جلد ہی کر دینا چاہیں۔
گھر کا لڑکا تھا۔وہ لوگ بھی زور دے رہے تھے۔دراصل میں بچپن ہی میں ہاں کر بیٹھی تھی۔
بہت اچھا کیا۔۔۔۔۔اللہ مبارک کرے۔
ارے، میں تو ایک عدد نواسے کی نانی بھی بن چکی ہوں۔
ماشاءاللہ۔۔۔۔ماشاءاللہ۔۔۔مینا نے وحیدہ کے مسرور چہرے پر وہ روشنی دیکھی جب پچھلے کئی برسوں میں نظر نہ آئی تھی۔
اللہ نے تمہاری مراد پوری کر دی۔
ہاں۔۔۔۔۔وحیدہ عرفان ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔
اچانک مینا کو احساس ہوا کہ انہوں نے انجانے میں وحیدہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔
وحیدہ بیگم کو آخر وقت تک حسرت رہی تھی کہ ان کے ہاں لڑکا ہو۔۔۔۔۔مگر عجیب اتفاق تھا کہ ان کے ہاں صرف دو لڑکیاں ہی ہوئیں۔۔۔۔۔بچے تو پورے گیارہ ہوئے تھے مگر زندہ صرف دو لڑکیاں ہی رہیں۔
نیک کی پیدائش کے بعد، مسلسل ان کے بچے ضائع ہوتے رہے۔اس پر ستم ظریفی یہ کہ وہ سب لڑکے ہوتے تھے۔ایک لڑکا تو پیدائش کے چند منٹوں بعد فوت ہوا تھا جس کا وحیدہ عرفان کو بہت دکھ ہوا تھا۔۔۔۔۔پھر دس سال بعد، ان کی دوسری لڑکی ہوئی۔
ساری کالونی جانتی تھی کہ وحیدہ عرفان کو لڑکے کی بہت چاہت ہے۔حتیٰ کہ تعویز کرائے وظیفے پڑھے، ہر پیر فقیر سے دعا بھی کرائی لیکن نتیجہ کچھ برآمد نہ ہوا۔دوسری بیٹی چونکہ بہت منتوں اور مرادوں کے بعد پیدا ہوئی تھی۔اس لیے اسے بہت چاہتی تھیں۔پانچ سال تک انہوں نے اسے لڑکوں کے کپڑے پہنائے اور بالوں کے اسٹائل سے بھی لڑکا بنائے رکھا۔۔۔۔۔وہ تو جب اسکول میں داخل کرایا تو سب نے لعن طعن کی کہ لڑکی کے ساتھ یہ ظلم نہ کرو۔لیکن اس کے باوجود وہ گھر میں اسے زیادہ تر پتلون اور شرٹ میں ملبوس رکھتی تھیں۔
دوسری لڑکی کے بعد بھی ان کے چار بچے ضائع ہوئے۔۔۔۔۔پھر انہیں صبر آ گیا۔
اپنی بیٹی کے ہاں پہلا بیٹا ہونے کی یقیناً انہیں خوشی ہوگی۔۔۔۔۔لیکن مینا کو احساس ہوا کہ ابھی اپنی محرومی کا غم، ان کے دل سے نہیں گیا ہے، اس لیے وہ خوش دلی سے موضوع بدل کر بولیں۔
وہ کیا نام ہے، تمہاری دوسری بیٹی کا؟۔۔۔۔۔ہاں، پاری۔۔۔۔۔کیسی ہے، پاری؟
پاری تو میڈیکل کالج میں ہے۔اچھا۔۔۔۔۔مینا حیرت سے بولیں۔تو بیٹی کو ڈاکٹر بنا رہی ہو؟
بھئی، وہی تمہاری والی بات۔۔۔۔۔میں کون ہوتی ہوں۔دخل اندازی کرنے والی۔۔۔۔۔ایف۔ایس۔سی میں ان نے اسکالرشپ لی ہے کہتی تھی کہ میڈیکل کالج میں بآسانی داخلہ مل سکتا ہے تو آپ کیوں میرا چانس مارتی ہیں۔۔۔۔۔اب وہ میڈیکل کے پہلے سال میں ہے۔
یہیں لاہور میں ہے؟
نہیں۔۔۔۔۔ہماری طرف سے اجازت ملنے میں ہی دیر ہو گئی تو اس نے نشتر میڈیکل کالج ملتان میں داخلہ لے لیا۔ویسے داخلہ تو اسے بھی مل جاتا اس کی سہیلیاں ملتان چلی گئیں تو اس نے بھی وہیں جانا پسند کیا۔
اچھا تو آج کل تم تنہا ہو؟
بس بوڑھی، بوڑھا تنہا ہی رہ جاتے ہیں۔
بھائی صاحب کا کیا حال ہے؟
ٹھیک ہیں۔۔۔۔۔وہ تو آج کل فورٹ سینڈیمن میں ہیں۔

اور تم، ان کے آرام کا خیال رکھنے کی بجائے یہاں پھر رہی ہو۔
پھر کہاں رہی ہوں؟ یہاں بھی ان کے لیے مکان ہی نبوا رہی ہوں تا کہ دو سال بعد؟ آرام سے رہ سکیں۔ پھر تو اتنی ہمت بھی نہ ہوگی۔ ویسے انہیں تنہا رہنے کی عادت ہے۔ انہیں اپنے کام سے بہت پیار ہے۔
ہاں، میں جانتی ہوں۔ بیٹا بولیں۔
احسان بھائی ریٹائر ہو گئے کیا؟
انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا کچھ عرصے کے لیے چھٹی لے لی تھی لیکن پھر ریٹائرمنٹ قریب آ گئی۔
تو اب کیا کرتے ہیں؟
یہاں چھاؤنی میں ہی الیکٹریکل اپلائنسز کا ایک بہت بڑا اسٹور کھولا ہے۔ بس خود کو مصروف رکھنے کا بہانہ ہے۔
نہیں بھئی ۔۔۔۔۔۔۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہیے۔ جمع پونجی تو مکان پر لگ جاتی ہے۔
تم ٹھیک کہتی ہو۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 3

دونوں کے چہرے پر پچھلی عمر کا دکھ لد آیا۔تھوڑی دیر تک دونوں خاموش رہیں ۔۔۔۔۔۔پھر وحیدہ عرفان نے سکوت توڑا۔

کب تک شروع کر رہی ہو، اپنا مکان؟

بس نقشہ بنوالیا ہے۔آج بنیادیں کھدوانے آئی تھی۔اسٹیمیٹ بہت زیادہ ہے مگر ہمت کرلی ہے۔

ہو جائے گا انشاء اللہ ۔۔۔۔۔مجھے بھی ایسا لگتا تھا۔اب بھی اس قابل ہو گیا ہے کہ اس میں رہ کر باقی ماندہ بھی بنوالوں۔ہاں، میں بھی سوچ رہی ہوں کہ پہلے دو کمرے بنوالوں پھر اس میں رہ کر سارا گھر مکمل کروالوں۔

بڑا نیک خیال ہے۔اللہ تمہارا آنا مبارک کرے۔گھر جادو سے نہیں بن جاتے۔بڑے صبر آزما انتظار کی ضرورت ہوتی ہے۔شکریہ۔۔۔۔۔۔بیٹا نے کہا۔اسی وقت انہیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ڈبے کا خیال آ گیا۔جلدی سے وحیدہ عرفان کے آگے کرتے ہوئے بولیں۔اوہ!تم بھی منہ میٹھا کرلو۔بس ایک لڈو رہ گیا ہے۔شاید تمہارے ہی نصیب کا تھا۔

اب میرے نصیب میں لڈو کہاں۔۔۔۔۔مگر تمہاری خوشی کے لیے تھوڑا سا چکھے لیتی ہوں۔وحیدہ عرفان نے تھوڑا سا لڈو توڑا۔

کیوں۔۔۔۔۔۔؟بیٹا نے پوچھا۔

وہی شوگر پرابلم۔۔۔۔۔۔

تین سال ہوئے۔۔۔۔۔۔بڑھاپے میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہی ہے۔اگر کچھ نہ ہوتو اسے بڑھاپا کون کہے۔دونو پھیکے سے انداز میں ہنس دیں۔آؤ میرے ساتھ۔۔۔۔۔۔چائے کا ایک کپ پیتے ہیں۔وحیدہ عرفان نے کہا۔یہاں بیٹھے بیٹھے بری طرح تھک گئی ہوں۔

کہاں رہ رہی ہو تم ؟بیٹا نے پوچھا۔

شیر پاؤ پل کے قریب میری ایک کزن رہتی ہے۔آج کل اس کے ہاں ٹھہری ہوئی ہوں۔

بس رنگ وروغن ہو جائے تو یہاں شفٹ ہو جاؤں گی۔تم بھی میرے ساتھ چلو۔

نہیں، آج تو معاف کرو۔احسان میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔جب تم یہاں آ جاؤ گی تو پھر تمہارے ساتھ بیٹھ کر چائے پیا کروں گی۔

اگر گھر میں بیٹھ کر چائے پینا شرط ہے تو وہ میں تمہیں کل ہی پلا دوں گی۔تمہیں پتہ ہے میرا کچن تو بالکل مکمل ہو چکا ہے۔

ہاں میں جانتی ہوں۔بیٹا ہنسیں۔کچن، خوبصورت اور مکمل بنانا، اس وقت بھی تمہاری تمنا تھی۔میں نے وہاں چائے کے برتن بھی رکھ دیے ہیں۔اس وقت تو دیر ہوگئی ہے۔اگر تم کل آؤ گی تو میں تمہیں اپنا گھر بھی دکھاؤں گی۔

ضرور دیکھوں گی۔بیٹا نے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگی۔۔۔۔۔۔پھر وحیدہ عرفان بھی انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے اپنی گاڑی میں جا بیٹھیں۔۔۔۔۔۔کتنا عجیب اور خوبصورت اتفاق ہے کہ بیٹا اگروال سے زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر ملاقات ضرور ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔بیگم وحیدہ عرفان سوچ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔وہ دونوں ایک ہی کالج میں پڑھا کرتی تھیں اور ایک ساتھ ہی بی۔اے کیا تھا۔اس زمانے میں بیٹا ایک معمولی سی اسٹوڈنٹ تھی۔پرسنالٹی بھی کوئی خاص نہیں تھی۔ان لڑکیوں کا علیحدہ گروپ ہوا کرتا تھا اور وحیدہ وقار دوسرے گروپ کی قائد تھی۔وہ چونکہ اپنے کالج کی بیسٹ ایتھلیٹ تھی اس لیے نمایاں تھی اور پورا کالج اسے جانتا تھا۔

وحید کی شادی فوج کے ایک کیپٹن سے ہوگئی تھی۔

ایک شام جب اچانک بیٹا کو اپنے پڑوس میں دیکھا تو حیرت زدہ ہوگئی دونوں اس طرح ملیں جیسے بچپن کی بچھڑی ہوئی سہیلیاں ہوں۔دراصل ماضی ہر ایک کے لیے قیمتی خزانہ ہوتا ہے۔جب لوگ بچپن یا ماضی سے دور ہو جاتے ہیں تو اس وقت کی یادیں قریب آ جاتی ہیں۔شادی کے بعد اگر میکے سے متعلق کوئی ایسی عورت مل جائے جسے اس زمانے میں سخت ناپسند کرتے تھے تو بھی اسے گلے سے لگا لینے کو جا چاہتا ہے۔

بیٹا کا شوہر احسان اگروال، اس وقت میجر تھا۔۔۔۔۔۔مگر بیویوں کی دوستی سے دونوں کے شوہر بھی افسری اور ماتحتی کو نظر انداز کر کے، ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔بہتری یہ ہوئی کہ دونوں انفنٹری میں تھے۔اس لیے دفتری معاملات میں بھی ایک دوسرے کے قریب تھے۔بیٹا اور وحید تو ایک دوسرے کے اس قدر قریب آ گئی تھیں کہ انہیں ''ہنسوں کا جوڑا'' کے نام سے پکارا جانے لگا۔میس میں کوئی ڈنر ہو یا سی۔ایس۔ڈی شاپ میں کوئی نیا اسٹاک آیا ہو، دونوں ساتھ ہی ساتھ رہتیں۔

دونوں ہی ہنس مکھ اور خوش مزاج تھیں۔اس لیے جلد ہی اپنے گرد اپنی ہم ذوق خواتین کو اکٹھا کر لیتیں۔پروگرام

بنائے جاتے ۔۔۔۔جس کو جو چیز بنانا آتی ،وہ، باقیوں کو سکھا دیتی ۔۔۔۔مگر کھانے کے معاملے میں اب تک کسی نے ٹیا اگروال کو مات نہیں کیا تھا ۔وہ غیر ملکی کھانے بھی نہایت عمدگی سے پکا لیتی تھی ۔اس کے والدین کچھ عرصے تک میکسیکو اور ایران میں رہے تھے ۔اس لیے اپنی ممی سے ان ملکوں کے خاص خاص کھانے پکانا سیکھ لئے تھے ۔

وحید عرفان ویسے بھی بہت تیز طرار خاتون تھیں ۔سردیوں میں جب ان کے شوہر اسکیم پر چلے جاتے تو وہ ان لمبی راتوں کو ضائع نہیں کرتی تھیں بلکہ کالونی کی عورتوں کو بلا کر ٹیا سے دوسوتی نمونے سیکھا کرتی تھیں ۔ ہر فوجی کالونی میں ٹیا اگروال ہی نے سب سے پہلے سوتی سینریاں کاڑھ کر اسکرین بنانے کا رواج ڈالا تھا ۔
وہ دوسوتی کے صوفہ کو، ٹی کوزیاں اور بیڈ شیٹس بھی بہت اچھی بناتی تھی ۔
کسی کے ہاں پارٹی ہوتی تو گلاب جامن بنوانے کے لیے فوراً انا کو بلوایا جاتا ۔ جب کاغذ اور کپڑے کے پھول بنانے کا رواج ہوا تو ٹیا ہی سب سے پہلے لاہور میں سیکھ کر گئی ۔۔۔۔۔اور پھر اپنے محلے میں سب خواتین کو سکھانا شروع کر دیئے ۔
زندگی یوں ہی آگے بڑھتی رہی لیکن اس دوران میں سب سے دلچسپ پہلے اتفاقات یہ ہوتے رہے کہ جہاں بھی احسان اگروال کا ٹرانسفر ہوتا ،جلد یا بدیر عرفان اللہ صاحب بھی مع فیملی وہیں پہنچ جاتے اور دونوں مل کر پھر کالونی کو رنگ آمیز کرنے لگتیں ۔
دونوں خاندان کی ترقیاں بھی آگے پیچھے ہوتی رہیں ،تبدیلیاں بھی مختلف جگہوں ہوتی رہیں اور ساتھ ہی ساتھ دو ستیاں بھی پروان چڑھتی رہیں ۔۔۔۔اور کسی نہ کسی موڑ پر آ کر وہ ایک دوسرے سے ملتے رہے ۔
بس ایک بار ایسا ہوا کہ عرفان اللہ صاحب کا ٹرانسفر پشاور ہو گیا اور احسان اگروال کو کھاریاں بھیج دیا گیا ۔ گو دونوں سہیلیوں کو اس سے صدمہ پہنچا تھا لیکن پھر بھی چھٹیوں کے دنوں میں وہ ایک دوسرے کے یہاں چلی جاتیں مگر وہ پہلے جیسا مزہ نہ تھا ۔
پھر تین سال بعد عرفان اللہ صاحب کو لیبیا بھیج دیا گیا ۔۔۔۔احسان اگروال کو ہارٹ اٹیک ہوا تو وہ ملازمت چھوڑ کر لندن چلے گئے ۔ دونوں میاں بیوی دو سال تک وہاں رہے ۔اب انہیں بھی وطن آئے کافی عرصہ ہو چکا تھا ۔

۔۔۔۔اور اب یہ کیسا عجیب میل تھا کہ دونوں نے ساتھ ساتھ زمین خریدی تھی ۔۔۔۔۔اور ساری زندگی کا ساتھ ہو گیا ۔ وحیدہ عرفان کو اس بات سے بے حد خوشی ہو رہی تھی کہ ان کی پیاری سہیلی اب ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی ۔ حالانکہ دونوں میں عقائد کا بعد تھا ۔۔۔۔۔۔لیکن دوستی میں ان باتوں کی پرواہ نہیں کی جاتی ۔ بڑھاپے میں صرف ایسے دوستوں کی ضرورت ہوتی ہے جو آپ کا دکھ درد سن سکیں ۔جن کے پاس آپ کے لیے تھوڑا سا وقت ہو ۔۔۔۔اور ان دونوں کے مسائل بھی ایک سے تھے ۔مختصراً اولادتھی ۔ وقت اچھا گزر جانے کے احساس سے وحیدہ عرفان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔
آج پھر ٹیا اگروال ،وحیدہ عرفان کے گھر آئی تھیں اور دونوں اوپر والے ٹیرس پر بیٹھی چائے پی رہی تھیں ۔
شروع نومبر کے دن تھے ہلکی ہلکی سردی شروع ہو گئی تھی ۔ وحیدہ عرفان کا گھر مکمل ہو چکا تھا ۔آج کل اوپر والے پورشن میں ان کی رہائش تھی اور نچلے حصے کو فرنش کر رہی تھیں ۔ انٹرائیر ڈیکوریشن کا انہیں ہمیشہ سے شوق تھا ۔اس لیے کسی اور سے مدد نہیں لی تھی اور اب انہیں ٹیا اگروال میسر آ گئیں تھیں ۔بات بات میں ان سے مشورے ہو رہے تھے ۔
پچھلے تین مہینوں میں بھی ٹیا اگروال نے ہمت نہیں ہاری تھی ۔ سارے گھر پر چھتیں ڈلوائی تھیں اور اب ان کے سوکھنے کا انتظار کر رہی تھیں ۔ ویسے انہوں نے ایک کام اچھا کیا تھا ذرا دور کونے میں دو سرونٹ کوارٹرز بھی بنوائے تھے ۔آج کل ان کا پلستر ہو رہا تھا ۔ان کے ساتھ ایک باتھ روم اور ایک کچن بھی بنوا لیا تھا ۔ان کا خیال تھا کہ فی الحال وہ ان سرونٹ کوارٹرز میں رہ کر مکان بنواتی رہیں گی اور کرائے کا مکان چھوڑ دیں گی ۔
وحیدہ عرفان نے کئی بار کہا تھا ۔ ٹیا !تم میرے یہاں آ جاؤ بالکل اکیلی ہوں ۔عرفان ملازمت پر ہوتے ہیں ، پاری ہوسٹل میں ہے اور تم بھی صرف میاں بیوی ہو ۔ایک بیڈ روم مجھ سے لے لو اور مزے سے رہو ۔ جب تمہارا گھر مکمل ہو جائے تو چلی جانا ۔
مگر ٹیا نے بڑی انکساری سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ۔ احسان سدا کے بیمار ہیں انکا پرہیزی کھانا پکتا ہے ۔۔۔۔۔اور پھر ہمارے بے شمار رشتے دار ملنے کے لیے آتے رہتے ہیں ۔ ڈیوڈ ان دنوں کراچی گیا ہوا ہے جب وہ آتا ہے تو دوستوں کی فوج جمع رہتی ہے ۔ان کی بیہودگیاں میں برداشت نہیں کر سکتی تم کیسے کرو گی ؟
ارے تو میں کون سا اپنے ساتھ رہنے کہ کہہ رہی ہوں ۔ ادھر والا بیڈ روم تو سارے گھر سے علیحدہ ہے ۔تم وہ لے لو ۔

اس کے زینے ، میں باہر کی طرف نکلوائے دیتی ہوں جس طرح چاہو، رہو۔
ہائے میں صدقے جاؤں ۔ بیٹا اگروال ۔، ان کا ہاتھ تھام کر بولیں ۔ بس اب جت گئی ہوں ۔ زور لگا کر دو کمرے بنوالوں گی ۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ احسان کو آسرا مل جائے تو وہیں ڈھیر ہو کر بیٹھ جاتے ہیں ۔
میں جانتی ہوں ۔ احسان بھائی بہت اچھے ہیں ۔ تم خواہ مخواہ ان پر الزام لگا رہی ہو۔
بیٹا اگروال ان کے یہاں رہنے پر رضامند تو نہیں ہوئیں ۔۔۔۔۔۔ مگر ہر شام کو چائے پینے آجاتی تھیں ۔ کبھی کبھی دوپہر کو آرام کر لیتی تھیں ۔۔۔۔ پھر فون کرنے اور مشورے لینے بھی آجاتی تھیں ۔
کبھی کبھار احسان بھی آجایا کرتے تھے ۔ اب وہ بڑے منکر المزاج اور حلیم الطبع ہو گئے تھے ۔۔۔۔۔ پھر سب مل کر پرانے دنوں کی یاد کیا کرتے تھے ۔
وحیدہ! تمہیں یاد ہیں وہ عارف صاحب ۔۔۔ کرنل عارف؟ ان کی بیوی سمیرا کتنی اچھی تھی ۔
ہاں ۔۔۔۔۔۔۔ ہاں ۔۔۔۔۔۔۔
اس غریب کو کینسر ہو گیا تھا ۔
افوہ ۔۔۔۔۔۔ وحیدہ عرفان بڑے رنج سے بولیں ۔ بہت ہی نفیس اور نیک عورت تھی ۔ بے چاری کو کینسر نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا ۔۔۔۔۔؟ کرنل نے کون سی کسر اٹھا رکھی تھی ۔
یہاں، واقعی ۔۔۔ وحیدہ عرفان بولیں ۔ اس خبیث نے تو فوراً دوسری شادی کر لی ہوگی؟
اور کیا ۔۔۔۔ تیسرے مہینے ہی ایک واہیات سی عورت کو گھر لے آیا تھا ۔
اور بچے ۔۔۔۔۔۔۔؟ وحیدہ عرفان نے حیرت سے پوچھا ۔
بس بچوں کا کچھ مت پوچھو ۔۔۔۔۔ ان کے بچوں کو دیکھ کر مجھے رونا آتا تھا اور ہمیشہ دل میں کہتی کہ او گاڈ کسی بچے کی ماں نہ مرے ۔ باپ نے کبھی پلٹ کر، ان کی خبر نہ لی تو سوتیلی ماں کو وہ کیوں اچھے لگتے ۔ بڑی لڑکی میٹرک میں تھی ۔ اسے اسکول سے اٹھا کر گھر کے کام کاج پر لگا دیا ۔
دوسری لڑکی پانچویں میں تھی اور لڑکا دوسرے میں ۔ کوئی ان بچوں کو اسکول میں نہیں بھیجتا تھا ۔۔۔۔۔ پتہ نہیں اب ان بچوں کا کیا حشر ہوا ہوگا؟

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں ۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 4

ٹینا۔۔۔۔۔۔تمہیں یاد ہے،وہ نسرین احمد۔۔۔۔۔۔۔میجر احمد کی بیوی۔۔۔۔۔۔کس قدر لڑائی ہوا کرتی تھی، دونوں میاں بیوی میں۔۔۔۔۔لگتا تھا کہ بس اب طلاق ہوئی کہ ہوئی، آخر کار ان میں طلاق ہوگئی تھی۔ ٹینا نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اچھا۔۔۔۔۔۔کیسے ہوئی؟ وحیدہ عرفان نے تعجب سے پوچھا

احمد صاحب نے ملازمت چھوڑ دی تھی اور کوئی کاروبار شروع کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔پھر تو کوئی روکنے والا نہ رہا۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے ہی سب سے پہلے انہوں نے نسرین کو طلاق دی اور کسی دوسری عورت سے شادی کر لی۔

افوہ۔۔۔۔۔۔بے چاری نسرین۔۔۔۔۔۔

ویدہ! اس کا بھی قصور تھا۔ زبان بہت چلاتی تھی۔ شوہر کا ذرا سا ادب بھی تو نہیں کیا کرتی تھی۔ احمد کو جس بات پر غصہ آتا تھا وہ یہ تھی کہ مردوں کو بہت لبھایا کرتی تھی۔

نہیں، احمد ویسے بھی شکی مزاج شخص تھا۔ اب دیکھو نا، ہماری سوشل لائف تو ایسی ہی ہوتی ہے۔ ہر ایک سے ہنس کر ملنا پڑتا ہے۔ اگر مرد میں حوصلہ نہیں تو اپنی بیوی کو سرکل ہی میں نہ لائے۔

ویسے عجیب آدمی تھا وہ احمد بھی۔

ارے وہ جو میجر شوکت پر غبن کا ایک کیس بنا تھا، اس کا کیا ہوا؟

ابھی تک چل رہا ہے۔ ٹینا نے ہنس کر کہا۔ ویسے بے چارے کی نوکری جاتی رہی ہے۔

پتہ نہیں۔ ہمارے ساتھ کے سب لوگ کہاں ہوں گے؟

کچھ تو ریٹائر ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔وہ تبریزی صاحب یاد ہیں، جن کی بیگم بہت خوبصورت تھیں۔

ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔۔

وہ اب جنرل ہیں۔

اچھا کبھی ملاقات ہوئی تمہاری؟

نہیں۔۔۔۔۔ہم تو لندن چلے گئے تھے۔۔۔۔۔۔واپس آ کر کسی سے ملنا ہی نہیں ہوا۔ بس گھریلو پریشانیوں نے اس فیلڈ ہی سے نکال دیا۔

پھر تھوڑی خاموشی رہی اور دونوں چائے پیتی رہیں۔

پھر وحیدہ عرفان بولیں۔

یہ ڈیوڈ، کراچی گیا ہے؟

ایک جاب کے سلسلے میں۔ ٹینا اگروال چائے کا گھونٹ لے کر بولیں۔ وہاں اپلائے کیا ہوا تھا۔ کہہ رہا تھا، اچھا جاب ہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ وہ کراچی میں ملازمت کرے اور بے چارے ہم دونوں میاں بیوی اکیلے پڑے رہیں۔ ظاہر ہے جب پیٹر آ جائے گا تو وہ بھی اپنی ملازمت کے سلسلے میں زیادہ تر باہر ہی رہا کرے گا۔۔۔۔۔۔مگر ڈیوڈ کب مانتا ہے۔ اسے چھوٹی موٹی ملازمت تو پسند ہی نہیں۔ بس چاہتا ہے کہ اسے لاٹ صاحب کی نوکری مل جائے۔۔۔۔۔۔پہلے پہل تو ہر جگہ تنخواہ کم ہوتی ہے۔ سہولتیں بھی کم ہوتی ہیں مگر دو چار سال نوکری کرنے کے بعد ہی آدمی کو ساری آسائشیں میسر آتی ہیں۔۔۔۔۔۔مگر وہ تو چاہتا ہے کہ ایک دم ہی بیس ہزار روپے تنخواہ ہو، موٹر بنگلہ ہو۔ بھلا ایسا کبھی ہو سکتا ہے۔ یہاں تو تیس تیس سال گزر جاتے ہیں اور آدمی ماتحت ہی رہتا ہے۔۔۔۔۔۔اور بعض اوقات ماتحت ہی ریٹائر ہو جاتا ہے۔

میرا خیال ہے۔۔۔۔۔۔وحیدہ عرفان آہستہ سے بولیں۔ آج کل سب لڑکوں کا یہی حال ہے۔ میری بہن کا بیٹا بالکل ایسا ہی ہے۔ کسی بڑی ملازمت کے انتظار میں سب موقعے گنوا رہا ہے۔ آخر چھوٹی ملازت بھی ایک دن بڑی بن جاتی ہے۔

لیکن ڈیوڈ کو تو بس ایک ہی جنون ہے۔ باہر بھیج دو، امریکہ بھیج دو۔

ٹینا! یہ صرف ڈیوڈ ہی کا جنون نہیں ہے۔ ہمارے ملک کا ہر شخص اس جنون میں مبتلا ہے میں حیران ہوں کہ یہ وبا کیسے پھیل گئی۔ تعلیم یافتہ لوگوں سے لے کر، نچلے طبقے کے جاہل آدمی تک، سب باہر چلے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔اور تو اور صبح میری جمعدارنی آئی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کا بڑا بیٹا کسی صاحب کے ساتھ دوبئی چلا گیا ہے۔ میرے مالی کے دو بیٹے کویت میں ہیں۔۔۔۔۔۔ذرا اونچی آواز میں بات کروں تو کہتا ہے کہ مجھے نوکری کی ضرورت نہیں۔ اپنے بیٹوں کے پاس چلا جاؤں گا۔ دو چار روز ہوئے، مجھ سے کہہ رہا تھا کہ بیگم صاحب! ابھی تک آپ کے پاس بلیک اینڈ وائٹ ٹی۔وی ہے۔ میرے بچوں نے تو مجھے کلر ٹی۔وی بھیجا ہے۔ اب میں نے ان سے فرمائش کی ہے کہ وی۔سی۔آر بھیجیں۔

رئیلی۔۔۔۔۔! ٹینا اگروال کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ So Sad۔۔۔۔۔۔۔وہ اداسی سے بولیں۔یہ انداز ہو گیا ہے، ان لوگوں کا۔۔۔۔۔تبھی تو گھر گھر میں وی۔سی۔آر اور ڈش انٹینا نظر آرہے ہیں۔

مگر یہ لوگ نہیں جانتے۔۔۔۔۔کہ گھر میں Luxuries لانے کے لیے، ان کے عزیزوں کو کتنے جتن کرنا پڑتے ہیں، لانے کے لیے ان کے عزیزوں کو کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں، کتنا بے عزت ہونا پڑتا ہے اور وہ وہاں کس قسم کی زندگی گزارتے ہیں۔

ہاں۔۔۔۔۔ٹینا بولیں۔ایک بار لندن ائیر پورٹ میں میری ملاقات ایک سڑکیں صاف کرنے والے سے ہو گئی تھی۔میں نے اس سے پوچھا کہ تم، ان ملکوں میں آکر ایسے گندے کام کرتے ہو، سڑکیں اور فلش صاف کرتے ہو، اور یہاں سب تمہیں بری نظر سے دیکھتے ہیں۔۔۔۔۔لیکن تم اپنے ملک میں اتنی شان سے کیوں جاتے ہو؟ وہاں کے لوگوں کو اپنی حقیقت کیوں نہیں بتاتے تاکہ دوسرے غریب لوگ اپنی ماں کے کنگن بیچ کر یہاں آنے کی کوشش نہ کریں۔

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا۔بیگم صاحب! یہ سب بتانے سے ہمارا بھرم ٹوٹ جائے گا۔جب ہم قسطوں پر بے شمار چیزیں خرید کر دو تین سال بعد وطن جاتے ہیں تو ہمارے گھر والے ہمارے ساتھ شہزادوں کا سلوک کرتے ہیں۔ہم انہیں کیسے بتائیں کہ یہاں کیا کرتے ہیں؟

آخر تم لوگوں میں سے کسی کو تو زبان کھولنا پڑے گی۔تو وہ آدمی میں کیوں بنوں؟ کوئی اپنا بھانڈا خود نہیں پھوڑتا۔اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا تھا۔

اب ہم تو کسی کو سمجھانے سے رہے۔وحیدہ عرفان بولیں۔یہاں جو بھی خانساماں آتا ہے جیب میں پاسپورٹ ڈالے ہوئے آتا ہے۔جوں ہی اسے موقع ملتا ہے، بھاگ جاتا ہے اور صاف کہہ جاتا ہے کہ مجھے فلاں آدمی باہر لے جا رہا ہے، اور اب کام پر نہیں آؤں گا۔۔۔۔۔ادھر اخبارات میں آئے دن ایسی خبریں چھپتی ہیں کہ دھوکے سے لوگ دوسرے ملکوں میں لے گئے اور وہاں جا کر بیچ بازار چھوڑ دیا۔

ایسے واقعات سن کر بھی تو لوگ سبق حاصل نہیں کرتے۔کہتے ہیں کہ آپ ہمیں بدظن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

یہ تو ایک بلی، چوہے والی دوڑ ہے۔ساری دنیا اس دوڑ میں شامل ہے مگر اندھا دھند دوڑنا بھی ٹھیک نہیں۔ٹھوکر کھا کر گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

میں نے ڈیوڈ کو بہت سمجھایا کہ ماشاءاللہ جوان ہو، صحت مند ہو، کچھ عرصہ باپ کے ساتھ دکان پر بیٹھو اور محنت سے اس دکان کو اسٹور میں بدل دو۔پھر تمہیں امپورٹ ایکسپورٹ کے سلسلے میں باہر بھیج دیا کروں گی۔بجلی کی چیزیں اور موٹروں کے فاضل پرزوں کا کاروبار شروع کر دینا لیکن وہ کہتا ہے کہ دکاندار بن کر نہیں بیٹھ سکتا۔۔۔۔۔وہ سمجھتا ہے کہ امریکہ میں اس کے لیے کوئی بہت بڑی آسامی خالی ہے۔

UrduPoint.com

تو تم اسے کب تک روکا گی ٹینا؟

ہاں اولاد کو سمجھایا تو جا سکتا ہے، روکا نہیں جا سکتا۔میری ایک کزن جوائس آج کل امریکہ میں ہے۔اس کا بیٹا ڈیوڈ ہی کا ہم عصر ہے۔وہی کہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر آ جاؤ۔

وحیدہ عرفان تھوڑی دیر خاموش رہیں پھر بولیں۔ممکن ہے کراچی والا جاب اسے پسند آ جائے اور وہ یہیں ٹک جائے۔

اسی لیے میں نیں اسے کراچی بھیج دیا ہے۔سوچا امریکہ سے تو کراچی بہتر ہے۔

پیٹر کے خط وغیرہ تو آتے ہوں گے؟

ہاں پیٹر پیارا بچہ ہے۔ He is a Gem۔۔۔۔۔۔اتنی ہمدردی رکھتا ہے ہم دونوں سے۔ہر وقت کہتا ہے کہ پاپا! تم آرام کرو۔تم کو ایک اٹیک ہو چکا ہے۔ڈیوڈ سے کہو وہ دکان سنبھالے۔۔۔۔۔مگر میں پیٹر کو اسی طرح چلنے دوں گی۔۔۔۔۔وہ ٹھیک جا رہا ہے۔ٹینا اگروال قدرے توقف سے بولیں۔تم نے بتایا تھا کہ نیک آ رہی ہے۔

ہاں۔اس کا خط آیا تھا۔میرا خیال ہے، اس کا دوسرا بچہ ہونے والا ہے۔اس نے لکھا تھا کہ آج کل طبیعت بہت خراب رہتی ہے کچھ دنوں کے لیے آ جاؤں۔۔۔۔۔پھر میں نے فون پر بات کی تو پتہ چلا کہ ابھی تیسرا مہینہ ہی ہے۔اس لیے میں نے کہہ دیا ہے کہ ابھی مت آؤ۔ساتویں مہینے میں آ جانا اور پھر چھ مہینے یہاں رہنا۔بچے کی پیدائش کے فوراً بعد عورت اس قابل کہاں رہتی ہے کہ گھر کا سارا کام کر سکے۔

یہ تم نے ٹھیک مشورہ دیا ہے اسے۔

بے چاری مان گئی ہے۔نیک کی عادتیں بہت معصوم ہیں۔ہمیشہ بات مان لیتی ہے۔میں نے پڑھائی چھڑوا کر شادی کر دی تو بے چاری نے سر جھکا دیا۔حالانکہ عرفان کو یہ رشتہ پسند نہ تھا اور وہ ابھی اس کی شادی کرنا بھی نہیں

چاہتے تھے۔ان کا خیال ہے کہ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی جائے۔
چلو اچھا ہے۔۔۔۔۔پاری پر کسر نکال لیں گے۔
اور پاری میری کب سنتی ہے۔باپ کی شہہ ملی ہوئی ہے۔
وحیدہ۔۔۔۔۔۔۔۔!بیٹا اگر وال بولیں۔یہ اولاد بھی کتنی عجیب چیز ہوتی ہے۔
ہاں۔۔۔۔۔وحیدہ عرفان نے ٹھنڈی سانس لے کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔
جب ہم کالج میں پڑھتے تھے تو کتنے مختلف ہوا کرتے تھے۔بیٹا اگر وال یاد کرتے ہوئے بولیں۔ہر وقت والدین کے سر پر سوار رہا کرتے تھے،لڑ لڑ کر اپنی خواہشات منواتے تھے۔جب کوئی چیز نہیں ملتی تھی تو کتنا شور مچاتے تھے۔
ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔
ایسا لگتا تھا کہ ان کی اولاد ہو کر ہم نے انہیں خرید لیا ہے،اب نہیں ہمارے اشارے پر چلنا چاہیے۔
وحیدہ عرفان مسکرا کر رہ گئیں۔
اور میں نے ممی ڈیڈی کی مرضی کے خلاف شادی کی تھی۔ڈیڈی مجھے آگے پڑھانا چاہتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ عورت کا کیریئر ضرور ہونا چاہیے۔۔۔۔۔۔مگر انہی دنوں میری ملاقات احسان سے ہوگئی۔احسان اس وقت لیفٹیننٹ تھے۔۔۔۔۔۔بہت عرصے تک ہمارا رومانس چلتا رہا۔۔۔۔۔اور جب احسان کیپٹن ہوگئے تو ممی نے کسی نہ کسی طرح ڈیڈی کو منا ہی لیا۔ہم کس کس طرح والدین کو مجبور کیا کرتے تھے اور ہمارے والدین کتنے اچھے تھے،کبھی ماتھے پر شکن نہیں لاتے تھے،کبھی ہمیں برا بھلا نہ کہا۔
وہ نیک روحیں تھیں بیٹا!
پر ویدہ! ہم والدین نہیں ہیں۔ہمارے بچے ضد کرتے ہیں تو ہمیں غصہ آجاتا ہے اور ہم سوچتے ہیں کہ یہ ہمارے انداز میں کیوں نہیں سوچتے؟ یہ ہماری مرضی کے مطابق کیوں نہیں ڈھل جاتے؟ ہمیں زعم ہے کہ ان سے زیادہ جانتے ہیں۔
دراصل ہم پڑھے لکھے والدین ہیں۔وحیدہ عرفان طنزاً بولیں۔
ہاں،بس یہاں پر میں ہار جاتی ہوں اور سوچتی ہوں،ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم اپنی اولاد کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور کریں۔
تم ٹھیک کہتی ہو۔
دیکھو نا۔۔۔۔۔۔ہم تو بس،اب بھربھری دیوار کی مانند ہیں۔یہ زمانہ ان کا ہے،یہ دنیا ان کی ہے۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 5

اورتم جانو۔۔۔۔۔۔وحیدہ عرفان بولیں۔ ہر نئے دور کے نئے تقاضے ہوتے ہیں۔
ہاں، ڈئیر۔۔۔ٹینا اگروال نے اپنے بالوں کا جوڑا کھول کر پھر سمیٹنا شروع کر دیا۔
مگر بھئی، والدین اولاد سے کتنی تو تعات وابستہ کر لیتے ہیں۔
یہ قوانین قدرت ہیں، ڈارلنگ۔۔۔۔۔اللہ کا شکر ہے کہ میرے بیٹے خودسر اور آوارہ نہیں۔
ہاں، بہن! اوباش اولاد کا دکھ والدین کو مار ڈالتا ہے۔
کبھی کبھی میں سوچتی ہوں، کاش! میری بھی کوئی لڑکی ہوتی۔
تو کیا ہوتا۔۔۔۔۔۔۔؟
ہائے وحیدہ! لڑکی اپنی ماں کے دکھ سکھ کی ساتھی ہوتی ہے۔ لڑکے تو آخری عمر میں ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔
بالآخر یہ لڑکیاں ہی کام آتی ہیں۔
یہ ضروری تو نہیں۔ مجھے دیکھو، میں سوچا کرتی ہوں، کاش! ہمارا کوئی لڑکا ہوتا تو عرفان اس عمر میں یوں مشقت نہ کر رہے ہوتے۔ لڑکا تو باپ کا بازو بن جاتا ہے۔
ٹینا اگروال بے اختیار ہنسنے لگی۔ وحیدہ! ہم سب پاگل ہیں۔ ہم ہمیشہ اس چیز کی تلاش میں رہتے ہیں جو ہمارے پاس نہیں۔ مگر اس چیز پر قناعت نہیں کر لیتے جو ہمارے پاس ہے۔۔۔۔۔۔کیا لڑکا، کیا لڑکی۔ نیک ہوں، اطاعت شعار ہوں، خدمت گزار ہوں تو اچھے لگتے ہیں۔۔۔۔۔بس اللہ اس عذاب سے بچائے۔
ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو۔ وحیدہ عرفان نے آہستہ سے کہا اور چائے کی ٹرالی ایک طرف کھسکا دی۔
نیچے گاڑی کے رکنے کی آواز آئی تو ٹینا اگروال اٹھ کھڑی ہوئیں۔ میرا خیال، ہے احسان آ گئے ہیں۔ اب میں چلوں۔
کبھی تو احسان بھائی کو ہمارے یہاں بھی دو گھڑی بیٹھنے دیا کرو۔ وحیدہ عرفان انہیں گھورتے ہوئے بولیں۔
اے، گھر بن جانے دو۔ سارا وقت ہی براجمان رہا کریں گے۔
دونوں آگے پیچھے چلتی، نیچے پہنچ گئیں۔
لفافے اور پیکٹ اٹھائے، دو لڑکیاں، نیشنل اسٹیڈیم کے گول چکر سے نکلیں۔ دونوں نے نیلی جینز اور پنجابی کرتے پہن رکھے تھے۔ ایک لڑکی کے بال بے تحاشا لمبے تھے۔۔۔۔۔اور ایک رسی نما دوپٹہ، اس کے گلے میں جھول رہا تھا۔ دوسری لڑکی کے بال کٹے ہوئے تھے اور وہ دوپٹے کی قید سے بھی آزاد تھی۔ دونوں چیونگم چبا رہی تھیں۔
دونوں ایک ادا سے چلتی ہوئی باہر آئیں تو لمبے بالوں والی لڑکی، سڑک کے کنارے ایک سرخ اسکوٹر کو کھڑا دیکھ کر رک گئی اور بولی۔
سونو! آؤ اسکوٹر لے کر بھاگ چلیں۔
گدھی۔۔۔۔۔! سونو نے کہا۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ جس کا اسکوٹر ہے، وہ تمہیں بخش دے گا۔
اسے کیا پتہ چلے گا؟
چلے گا کیوں نہیں۔ یہ اسکوٹر بے آواز تو نہیں ہے۔۔۔۔۔۔اور پھر اس نے چور چور کا شور مچا دیا تو خود تمہارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔۔۔۔۔۔عین ممکن ہے کہ تم یہیں ایکسیڈنٹ کر بیٹھو۔
سونو۔ تمہاری یہ بڑی گندی عادت ہے کہ تم ہمیشہ بد شگونی کی باتیں کرتی ہو۔
اچھا، تو ایسا کرو کہ تم اس اسکوٹر پر بیٹھ جاؤ۔ تاکہ اس کا مالک آئے تو جھٹ تمہیں اپنے دل میں بٹھا لے اور ایسا تصادم ہو جائے جو اکثر ہمارے یہاں ناولوں اور فلموں میں ہوتا ہے۔
تھینکس۔۔۔۔۔! لمبے بالوں والی لڑکی نے سر کے جھٹکے سے بالوں کو لہرایا اور اسکوٹر کے قریب پہنچ گئی۔ سونو! چابی بھی ساتھ لگی ہوئی ہے۔
ہاں آپ کی سہولت کے لیے۔
ذرا بیٹھ کر دیکھتے ہیں۔ اس نے اپنے پیکٹ سونو کو تھما دیئے اور اسکوٹر پر بیٹھ گئی۔
سونو کے آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ پاری! میں آج رکوں گی نہیں۔ تم راستے میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی کر دیتی ہو۔ مجھے روز روز اس طرح تماشا بننا پسند نہیں ہے۔
سونو۔۔۔۔۔او سونو۔۔۔۔۔پاری چلائی۔ بس ایک دفعہ۔۔۔۔۔۔۔ایک دفعہ پیر مار کر اسٹارٹ کروں گی اور پھر بھاگ چلیں گے۔
میں نہیں جانتی۔ سونو بولی۔ جو چاہے کرو۔ میں تو گھر جا رہی ہوں۔
پاری نے اسکوٹر اسٹارٹ بھی نہیں کیا تھا کہ سامنے والی دکان سے ایک نوجوان نکلا۔ اس کے پیچھے ایک اور لڑکا تھا۔

UrduPoint.com

اس کی نظر اپنے سکوٹر پر پڑی تو چونک کر بولا۔
یار یہ میرے اسکوٹر پر کون ہے؟
پاری نے ان دونوں کو اسکوٹر کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ جلدی سے اتری اور تیز تیز قدم اٹھاتی سونو کے پاس پہنچ گئی۔۔۔۔ اور دونوں نے جلدی سے سڑک پار کر لی۔
نالائق لڑکی! اب وہ دونوں تیرے پیچھے آ رہے ہیں۔ سونو پیٹ کر دیکھتے ہوئے بولی۔
چلو بھاگ چلیں۔
کہاں تک بھاگو گی؟ گھر تو ابھی بہت دور ہے۔
تو کیا کر لیں گے، ہمارا؟
جو بھی چاہے کر سکتے ہیں۔ یہ دعوت تم نے خود دی ہے۔
جوتا نکال کر ماروں گی اگر بولے تو۔
جی ہاں تم ان لڑکوں کو اچھی طرح جانتی ہو۔۔۔۔۔۔ وہ پوچھے گا کیا سمجھ کر میرے اسکوٹر پر بیٹھی تھیں۔۔۔۔۔ اور پھر وہ جو جی چاہے سمجھے۔ یہ سب سمجھنے کا تم نے خود ہی اسے موقع دیا ہے۔
سوچتا ہوگا آوارہ لڑکیاں جو لڑکوں کو چھیڑتی پھر رہی ہیں۔
ہم نے لڑکوں کو نہیں اسکوٹر کو چھیڑا ہے۔
ناک ادھر سے پکڑو یا ادھر سے بات تو ایک ہی ہے۔
اچھا اچھا۔۔۔۔۔ اماں بی نہ بنو۔ جلدی جلدی چلو۔ اگلی سڑک پر مڑ جائیں گے۔
اگلی سڑک ہمارے گھر کو تو نہیں جاتی۔
پاگل وہاں آنٹی عائشہ رہتی ہیں نتاشا کی امی۔۔۔۔ تھوڑی دیر کے لیے ان کے گھر چلے جائیں گے۔ اس طرح انہیں ہمارے گھر کا پتہ بھی نہیں چلے گا اور اپنا منہ لے کر چلے جائیں گے۔
اچھا پھر جلدی۔ ان کے اسکوٹر کی آواز قریب آ گئی ہے۔
اسی وقت چوراہے کی لال بتی روشن ہوگئی۔ دنوں نے سائے تائید غیبی جانا اور دوڑ کر سیدھے ہاتھ کی سڑک پر مڑ گئیں۔ چوتھا گھر ہی آنٹی عائشہ کا تھا۔
گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے انہوں نے دیکھا ٹریفک کھل گیا ہے اور اسکوٹر والے ادھر ہی آ رہے تھے۔ دونوں نے قہقہہ لگایا اور بھاگتی ہوئی اندر چلی گئیں۔
توشی۔۔۔۔۔ توشی۔۔۔۔۔ وہ ہنستے ہوئے کسی کو پکار رہی تھیں۔
آنٹی عائشہ ایک دم سامنے آ گئیں۔
کیا ہو گیا ہے لڑکیو، تمہیں۔۔۔۔ اندر آ جاؤ۔
آنٹی! اسلام وعلیکم!
وعلیکم اسلام۔۔۔۔۔۔
توشی کہاں ہے؟
ٹی۔وی دیکھ رہی ہے۔۔۔۔۔۔ مگر تمہیں کیا ہوا ہے؟
بس، آنٹی! کیا بتائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دو لڑکے ہمارے پیچھے لگ گئے تھے۔
اری تم بھی بلائیں ہو، بلائیں۔۔۔۔ آؤ چائے پیو۔ آنٹی عائشہ ہنستے ہوئے بولیں۔
ان کی آواز سن کر توشی بھی آ گئی۔
توش۔۔۔۔۔۔۔ توش۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دونوں ایک ساتھ بولیں۔
ارے، کچھ بتاؤ بھی۔ اور پھر تینوں، بے بات ہی بے معنی انداز میں ہنسنے لگیں۔
آنٹی عائشہ نے چائے کی ٹرالی اپنی طرف کھسکاتے ہوئے تینوں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور سوچنے لگیں کہ اس عمر میں بلاوجہ ہنسی آتی ہے۔۔۔۔ کبھی وہ بھی اس طرح ہنسی کا فوارہ بنی رہتی تھیں۔۔۔۔۔۔ مگر اب۔۔۔۔۔۔ اب تو مہینوں گزر جاتے ہیں۔ ہنسی بھول کر بھی ہونٹوں پر نہیں آتی۔ اتنی مصروفیت۔۔۔۔۔۔ اتنے کام۔۔۔۔۔۔
کام۔۔۔۔۔۔۔ کام۔۔۔۔۔۔۔۔۔ زندگی۔۔۔۔۔۔۔
ان لڑکیوں کو کیا معلوم، زندگی کیا ہے۔۔۔۔۔۔ زندگی تو ایک اندھی سہیلی ہے جس کا ہاتھ تھام کر قدم ملا کر چلنا پڑتا ہے اور جو کسی اونچی نیچی جگہ پر ٹھوکر کھا کر آپ کا ہاتھ چھوٹ جائے تو خود، آپ کی طرف نہیں بڑھ سکتی۔ اندھی سہیلی کا کیا بھروسہ۔۔۔۔۔؟

ساتھ چل رہی ہو تو بھی آپ ہی کو سہارا دینا پڑتا ہے۔
آؤ لڑکیو! چائے پی لو۔
انہوں نے لڑکیوں سے کچھ نہیں کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہی زمانہ ہوتا ہے، بات بے بات ہنسنے کا، بلا جواز رونے کا۔ زمانہ کب ایک سا رہتا ہے۔ بے چاریاں ہنس لیں۔
اسی لیے آنٹی عائشہ، توشی کی سب سہیلیوں کو بہت اچھی لگتی تھیں۔
چائے پینے کے دوران تینوں لڑکیاں کپ شپ کرتی رہیں۔۔۔۔۔۔پھر پاری اٹھ کھڑی ہوئی۔
سونو! پتہ ہے کیا وقت ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔سات بج رہے ہیں اور ہم چار بجے کی گھر سے نکلی ہوئی ہیں۔
آپا بے چاری انتظار کر رہی ہوں گی۔ میں ان سے کہہ کر نکلی تھی کہ پندرہ منٹ میں آجاؤں گی۔
ہائے، پاری! تو تو دودھ کے ڈبے لینے آئی تھی نا، کمبخت ان کا بچہ رو رہا ہوگا۔
کوئی بات نہیں آؤ۔ پاری دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ میں کہہ دوں گی یہاں مارکیٹ میں دودھ کے ڈبے نہیں مل رہے تھے۔ دور سے ڈھونڈ کر لائی ہوں۔
''بھلا پاری نے کبھی ہار مانی ہے'' توشی ہنس کر بولی۔ اس کے پاس ہمیشہ ریڈی میڈ بہانے موجود ہوتے ہیں۔
اونہہ! کسی دن ایسا پھنسے گی کہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا۔
اچھا، اماں بی! پاری ہاتھوں سے اپنے لمبے بالوں کو سنوارتے ہوئے بولی۔ ذرا جھانک کر دیکھو، وہ بندر کی اولادیں کھڑی ہیں یا چلی گئیں۔
خیر، اب تو اتنی حسین بھی نہیں ہے کہ وہ تیرے انتظار میں دست بستہ کھڑے رہتے۔ سونو چڑ کر بولی۔
دیکھ، سونو! تو کئی بار آزما چکی ہے۔
اری، نہ تو ہم نے ان کی شکلیں دیکھیں اور نہ انہیں ہماری صورتیں نظر آئیں۔
صورت کی بات نہیں ہے۔
ہاں دس کلومیٹر سے انہیں تیری سیرت نظر آ گئی ہوگی؟
قسط نمبر ۲
یہ دیکھ رہی ہو، میرے گیسو، لمبے لمبے بال۔ پاری نے ناز سے کہا۔ ہائے جنہیں شاعروں نے کالے ناگ اور ساون کی گھٹائیں کہا ہے۔ چاہے کوئی میری صورت نہ دیکھے لیکن پیچھے سے صرف بالوں ہی کو دیکھ لے تو رک جاتا ہے۔
پھر وہ اپنا سر مٹکنی انداز میں ہلاتے ہوئے بولی۔ ہرگز نہیں۔۔۔۔ایسے آتا ہے جیسے کولی آتی ہے۔
اس پر تینوں بے تحاشا ہنسنے لگیں۔
توشی نے بیرونی دروازہ کھول کر دیکھا۔ باہر گیٹ پر کوئی بھی نہیں تھا۔
پاری کی ایک عادت بہت اچھی ہے۔ توشی بولی، ہمیشہ خوش فہمی میں مبتلا رہتی ہے۔ اس کی زندگی اچھی گزر جائے گی۔
لڑکیو! آنٹی عائشہ، ان تینوں کے قریب آ کر بولیں۔۔۔۔۔۔میں ذرا مارکیٹ تک جا رہی ہوں۔
میرے ساتھ چلو۔ تمہارے گھر کی سڑک پر تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔
آنٹی، زندہ باد! دونوں نے نعرہ لگایا۔ دیکھا آنٹی دور اندیش ہیں۔ پاری بولی۔ انہیں فوراً خیال آیا کہ دونوں جوان اور حسین لڑکیوں کا اس وقت تنہا جانا ٹھیک نہیں ہے، زمانہ خراب ہے۔ سڑکیں اس سے زیادہ خراب۔۔۔۔واپڈا کا بلب سسٹم کمزور ہے اور لڑکیوں کے دل، اس سے زیادہ کمزور ہیں۔
اس پر سونو نے پاری کی کمر پر دھپ لگائی۔ آنٹی ذرا سا مسکرائیں اور تینوں لڑکیاں اپنے انداز میں قہقہے لگانے لگیں۔
انہیں کیا معلوم۔۔۔۔۔۔
ان کو کیا معلوم۔۔۔۔۔آنٹی نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سوچا۔۔۔۔۔۔۔زمانہ کیا ہے۔۔۔۔۔۔اور چلتے چلتے ان سے کیا چھن جائے گا۔۔۔۔۔۔۔کیسی بے وقوفی کی مگر انمول عمر ہوتی ہے یہ۔۔۔۔۔۔جوانی میں بس دو چار قدم ہی آگے نظر آتا ہے۔ دور تک کچھ دکھائی نہیں دیتا۔
توش! تم بھی آجاؤ۔ سونو نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔
نہ جی۔۔۔۔۔وہ کندھے اچکا کر بولی۔ ابھی میرا پروگرام شروع ہونے والا ہے۔
آجاؤ، آجاؤ۔۔۔۔۔پاری کھڑکی میں سے سر نکال کر بولی۔ واپسی میں آنٹی کو دیر ہو جائے گی۔ اتنی خوبصورت عورت کا رات کو ایسی بڑی گاڑی میں تنہا گھر آنا خطرے سے خالی نہیں۔
گدھی۔۔۔۔۔۔۔توش نے اس کے بال کھینچ لیے۔۔۔۔۔۔۔پھر ماں کی طرف دیکھا جو یوں مسکرا رہی تھیں

تمہیں جیسے کچھ چھپا رہی ہوں۔
ممی! کس وقت تک آ جائیں گی؟
ابھی آ جاؤں گی۔
آنٹی عائشہ نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔
پھر بھی۔۔۔۔۔۔۔؟
آدھا گھنٹا تو ضرور لگ جائے گا۔
او۔کے۔۔۔۔۔۔۔۔پھر میں بھی چلتی ہوں۔تو شی، گاڑی کا دروازہ کھول کر آگے اپنی ممی کے پاس بیٹھ گئی۔ان خطرناک۔۔۔۔۔۔۔اور عاقبت نا اندیش لڑکیوں کے ساتھ، میں اپنی ممی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔
آنٹی عائشہ نے اسے موڑ پر ہی اتار دیا۔شام کا اداس اندھیرا آہستہ آہستہ پھیلنے لگا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔سامنے ہی پاری کا گھر نظر آ رہا تھا۔
سونو! میرے ساتھ چلے گی؟ پاری نے گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا۔
جان! اب جانے دے۔آنٹی مجھے ڈراپ کر دیں گی۔تیرے گھر چلے گئی تو کل کی طرح دیر ہو جائے گی۔
تو کیا ہوگا؟
بھیا کو فون کرنا پڑے گا کہ آ کر لے جاؤ۔
تو کر لیں گے۔
جانتی ہو کل انہوں نے میرا کیا حشر کیا تھا؟
یہ بھائی سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔میرا بھائی ہوتا تو اسے مزا چکھا دیتی۔خود تو سارا دن آوارہ گردی کرتے پھرتے ہیں، لیکن بہنوں کو ذرا دیر ہو جائے تو باپ بن جاتے ہیں۔
اچھا، پھر مجھے اجازت دو۔
سونو نے کہا۔
پاری نے اپنے پیکٹ اور لفافے اٹھائے اور گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔
کل آؤ گی نا؟
کل، میں نہیں آؤں گی۔تم آ جانا۔
کوشش کروں گی۔سونو بولی۔
اچھا، بیٹا! آنٹی عائشہ، پاری سے مخاطب ہوئیں۔اب چلی جاؤ گی، نا؟
مجبوراً چلی جاؤں گی۔پاری مسکرائی۔سامنے گھر کا گیٹ نظر آ رہا ہے اور راستہ ناک کی سیدھ میں جا رہا ہے۔۔۔۔بھٹکنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔
آنٹی نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے دل میں کہا۔۔۔۔۔۔بھٹک کر دیکھو زمانہ تمہیں بخشے گا نہیں۔۔۔۔۔یہ تو سیدھی راہ چلنے والوں کو بھی نہیں چھوڑتا۔۔۔۔۔۔
پاری پیکٹ سنبھالتے ہوئے، کمر مٹکاتی اور بال لہراتی اپنے گھر کی طرف بڑھی۔
لیکن ابھی چند قدم ہی بڑھی تھی کہ ٹھٹک گئی۔۔۔۔۔گھر کے گیٹ کے پاس وہی لال رنگ کا اسکوٹر کھڑا تھا۔
ضروری تو نہیں یہ وہی اسکوٹر ہو۔شہر میں بے شمار لوگوں کے پاس لال رنگ کے اسکوٹر ہوں گے۔۔۔۔۔وہ سوچتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتی رہی۔
۔۔۔۔۔۔۔لیکن اس وقت ہمارے یہاں کون آ گیا؟
ہمارے تو کسی واقف کار کے پاس ایسا اسکوٹر نہیں ہے۔
شاید کوئی نیک آپا کا جاننے والا ہو۔۔۔۔۔۔۔
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہی لڑکا اور کسی طرح گھر کا پتہ لگا کر پہنچ گیا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔
مگر کس طرح۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟
کیا فرشتوں نے بتا دیا، اسے؟
اگر ڈھونڈ بھی لیتا تو کیا ضروری تھا کہ وہ، اسکوٹر باہر کھڑا کر کے بے دھڑک گھر میں داخل ہو جاتا۔
خیر ہوگا۔۔۔۔۔۔مجھے پروا نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔صاف مکر جاؤں گی کہ میں نے اسکوٹر کو چھوا تک نہیں۔
مجھ ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔۔لڑکیوں کو بہادر ہونا چاہیے۔۔۔۔۔۔وہ لڑکیاں اور ہوں گی جو لڑکوں سے دب جاتی ہوں گی۔مجھے تو یہ سب بونگے اور الو نظر آتے ہیں۔
وہ گھر کے باہر بالکل قریب پہنچ گئی۔۔۔۔۔۔۔۔پھر ایک طویل سانس لے کر مسکرانے لگی۔

یہ اسکوٹر، اس کے گھر کے پاس نہیں بلکہ آنٹی مینا کے گھر کے قریب کھڑا تھا۔ کیونکہ ان کے گیٹ پر دو کاریں بھی کھڑی تھیں۔۔۔۔۔۔۔تو یہ کوئی آنٹی مینا کا ملنے والا ہوگا۔

وہ گیٹ کھول کر اندر پہنچ گئی۔

نیک آپا بستر پر بیٹھیں تھیں اور ان کا نومولود ان کی گود میں تھا۔

پاری۔۔۔۔۔۔۔امی ایک دم غصے سے بولیں۔ یہ تمہارے آنے کا وقت ہے۔

تو کیا جانے کا وقت ہے؟ پاری نے ہنس کر کہا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 6

خدا کا خوف کرو، پاری! تمہیں چار بجے بھیجا تھا۔ بچے کا دودھ، گرائپ واٹر، دوائیں سب ضروری تھیں۔ زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں آسکتی تھیں۔ دودھ تو بالکل نہیں تھا۔ بچہ رو رو کر ہلکان ہوتا رہا۔ نیک بے چاری اس وقت سے پانی پلا پلا کر بہلا رہی ہے۔

پاری نے سارے پیکٹ نیک آپا کے قریب تپائی پر رکھ دیئے اور بولی۔

سوری آپا۔۔۔۔۔۔۔ ویسے ایک نیم ڈاکٹر ہونے کے ناطے میں آپ کو بتا دوں کے بچے کے لیے ابلا ہوا پانی انتہائی ضروری ہے۔ اچھا کیا جو آپ اسے پلاتی رہیں۔ پھر وہ بچے کی گال کو چھو کر بولی۔ یوں لگتا ہے آپ کا نونہال خوش خصال بالکل اپنی خالہ کی طرح صابر اور شاکر ہے۔ اللہ اس کی عمر دراز کرے اور یہ اپنی خالہ ہی کی طرح خوش اطوار اور آوارگی کا شوقین ہو۔

وحیدہ عرفان نے غصہ سے اپنی بیٹی کو گھورا مگر اس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

پاری اپنی ماں کی گھورتی نظروں کی تاب نہ لا کر سر کھجانے لگی۔۔۔۔ پھر وہ ایک دم پلٹ کر ان سے لپٹ گئی۔

پلیز امی! اس طرح نہ دیکھیں۔

پاری! اب تم بچی نہیں ہو۔ وحیدہ عرفان بدستور اسی لہجے میں بولیں۔ تمہارے ساتھ سونو گئی تھی۔ مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ تم باہر نکلتے ہی سب کچھ بھول جاؤ گی۔

نہیں، امی! اس میں سونو کا قصور نہیں۔ پتہ نہیں، وہ آپ کو اتنی بری کیوں لگتی ہے۔۔۔۔۔ دراصل ہم لوگ آنٹی عائشہ کی طرف چلی گئی تھیں۔

کیوں۔۔۔۔۔۔؟

پاری نے امی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔۔۔۔۔ ان میں اور آنٹی عائشہ میں بہت فرق ہے۔ امی کو اگر اسکوٹر والی بات بتائی تو وہ جذباتی ہو جائیں گی۔ آنٹی عائشہ کی طرف، اسے ایک معمولی شرارت سمجھ کر نظر انداز نہیں کریں گی۔ اس لیے بات بنا کر بولی۔ تو شی نے نوٹس کی کاپی لینا تھی۔ مجھے افسوس ہے امی۔۔۔۔۔ بغیر ارادے کے وہاں بیٹھ گئی کیونکہ عائشہ آنٹی تو چائے پلائے بغیر آنے ہی نہیں دیتیں۔۔۔۔۔ دیکھیں کتنی اچھی ہیں عائشہ آنٹی! یہاں تک کہ چھوڑنے آئی تھیں کہہ رہی تھیں، دیر ہوگئی ہے، پیدل نہ جاؤ۔

عائشہ آئی تھی؟ امی نے جلدی سے پوچھا۔ تو اسے اندر کیوں نہیں بلایا؟

بس جلدی میں تھیں۔ کسی ضروری کام سے جا رہی تھیں کہہ رہی تھیں، امی کو سلام کہہ دینا۔

نیک۔۔۔۔۔ وحیدہ عرفان کھڑی ہوگئیں۔ لاؤ بیٹی! میں ڈبہ کھول کر دودھ بنا کر لاؤں۔ فلاسک میں گرم پانی ہے یا نہیں؟

ابھی خانساماں فلاسک لے گیا تھا، اس سے منگوالیں۔

اتنی دیر خانساماں خود ہی فلاسک لے کر آ گیا۔

وحیدہ عرفان نے سارے پیکٹ کھول کر چیزیں میز پر جما دیں۔

نیک! بچے کو پاری کی گود میں دے دو۔ لے کر بیٹھ جائے گی۔ تم اٹھ کر کپڑے بدل لو۔

میں۔۔۔۔۔ یعنی کہ میں۔۔۔۔۔ پاری جاتے جاتے رک گئی۔۔۔۔۔ پھر گھوم کر بالوں کو لہرایا اور نیک کے قریب آ کر بچے کو غور سے دیکھنے لگی۔۔۔۔۔ پھر اس کے گالوں کو انگلی سے چھوتے ہوئے بولی۔ چھی۔۔۔۔۔ مجھے اتنے چھوٹے بچے سے گھن آتی ہے۔ اوئی آپا! آپ نے کس طرح اس بوٹی کو اٹھا رکھا ہے، توبہ۔۔۔۔۔ توبہ۔۔۔۔۔

جب تمہارے بچے ہو جائیں گے سب سمجھ آ جائے گی۔ نیک مسکرا کر بولی۔

آخ تھو۔۔۔۔ توبہ، توبہ! میں تو کبھی بچے پیدا نہیں کروں گی۔ مجھے ایسے لوتھڑوں سے نفرت ہے۔

تو تم ڈاکٹر کس لیے بن رہی ہو؟ ڈاکٹروں کا تو دن رات یہی کام ہوتا ہے کہ دوسروں کے بچے پیدا کروائیں۔

ہاں۔۔۔۔۔ ہے تو یہ گندا کام۔۔۔۔۔ مگر مجبوری ہے لیکن ضروری نہیں کہ میں بھی گائنی کی طرف ہی جاؤں۔ میں اپنے لیے دوسرے شعبے کا انتخاب کرلوں گی اور تھوڑے عرصے کے لیے یہ سب برداشت کرلوں گی۔

پاری! بچے کو لے لو، اس سے۔ وحیدہ عرفان غصہ سے بولیں۔ دوپہر سے بستر پر بیٹھی بیٹھی وہ بے چاری جڑ گئی ہے۔

پاری! تمہارے پیشے کا تقاضا ہے کہ تم بچوں سے پیار کرو۔ نیک نے کہا۔

میں ڈاکٹر ہوں، آیا تو نہیں۔ آخر ڈاکٹر اور آیا میں کچھ فرق ہونا چاہیے۔

یاد رکھو، پاری! تم اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے کبھی ڈاکٹر نہیں بن سکتیں۔

وحیدہ عرفان بولیں

ڈاکٹر بننے سے پہلے انسان بننا۔۔۔۔۔ضروری ہے بلکہ ڈاکٹر، انسانیت کا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں۔
یعنی اگر میں غلیظ کیڑے جیسے بچے کو اٹھالوں تو انسان کہلائی جاسکتی ہوں۔اف خدایا! کتنا بڑا ظلم ہے۔انسانیت کے ٹھیکیداروں نے اپنی پسند کے اصول بنا رکھے ہیں۔دہائی ہے دہائی۔
پاری۔۔۔۔۔۔!وحیدہ عرفان گرجیں۔
پاری دوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔
چلی گئی، کم بخت!
وحیدہ عرفان دانت پیس کر بولیں۔
امی! آپ اس طرح نہ بگڑا کریں۔نیک نے بچے کو کمبل میں لپیٹ کر کاٹ میں لٹا دیا۔آپ کے ہر وقت ٹوکتے رہنے سے وہ گستاخ ہوگئی ہے۔
وہ تو پیدائشی گستاخ ہے۔اوپر سے تیرے باپ کے بے جا لاڈ پیار نے اسے بالکل ماہی منڈا بنا دیا ہے۔
پھر بھی آپ اپنا لہجہ نرم رکھا کریں۔اس عمر میں لڑکیاں اور لڑکے منہ پھٹ ہو جاتے ہیں۔
تم کیوں نہیں ہوئی تھیں؟وحیدہ عرفان نے پلٹ کر پوچھا۔
شاید، یہ اپنے اپنے مزاج کی بات ہے۔پاری کی ساری عادتیں اپنے باپ پر ہیں اور پھر وہ سے ٹوکتے نہیں۔۔۔۔۔۔بلکہ الٹی شہ دیتے ہیں۔
امی! ٹھیک ہو جائے گی۔بس، آپ اسے ڈانٹنا ڈپٹنا چھوڑ دیں۔پلیز! نیک نے لجاجت سے کہا تو وحیدہ عرفان خاموش ہو کر اپنے کام میں مصروف ہوگئیں۔
تھوڑی دیر بعد وہ فیڈر میں دودھ بنا لائیں اور بچے کو کاٹ میں سے اٹھاتے ہوئے بولیں۔جاؤ تم کپڑے بدل لو، میں اسے دودھ پلاتی ہوں، آج تمہیں ڈاکٹر کے ہاں بھی جانا تھا'' آج نہیں کل'' نیک غسل خانے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔
پاری نے اپنے کمرے میں سے جھانک کر دیکھا۔اس کی امی، نومولود کو فیڈر سے دودھ پلا رہی تھیں۔
اسے افسوس ہونے لگا، ناحق امی کا موڈ خراب کر دیا۔۔۔۔۔نہ جانے، وہ ایسا کیوں کرتی تھی۔جب بھی امی اسے کوئی نصیحت کرنے لگتیں تو وہ مذاق میں ٹال جاتی تھی۔۔۔۔۔۔ویسے وہ امی کا بہت احترام کرتی تھی، ان سے محبت کرتی تھی۔بس ان کی ہر وقت کی روک ٹوک پر اس کی زبان میں خارش ہونے لگتی تھی لیکن اس کی امی تو مزاج اور شوخی سے کوسوں دور تھیں۔۔۔۔۔بھئی، اگر اپنی ماں بہنوں سے مذاق نہ کیا جائے تو اور کس سے کریں۔
امی کی ساری سہیلیوں میں، اسے بیا آنٹی اور عائشہ آنٹی بہت پسند تھیں۔عائشہ آنٹی تو اتنی سوبر تھیں کہ بس ہر بات پر دھیرے دھیرے مسکراتیں رہتی تھیں کبھی اونچی آواز میں بات نہ کرتی تھیں۔۔۔۔۔۔
اور بیا آنٹی تو اتنی زندہ دل تھیں کہ لڑکیوں میں لڑکی بن جاتی تھیں۔انہیں فطرتاً لڑکیاں بہت پسند تھیں۔حتیٰ کہ وہ لڑکیوں کو اکٹھا کر کے، انگریزی رسالوں میں پڑھے ہوئے تمام گندے جوکس اور لطیفے بھی سنا دیتی تھیں۔
۔۔۔۔۔۔۔اور آج اس نے پھر امی کو غصہ دلایا تھا۔
ابھی پرسوں ہی تو وہ، ہوسٹل سے آئی تھی۔۔۔۔۔۔۔دس دن کی چھٹیاں تھیں۔امی نے ایک مہینہ پہلے اسے خط لکھا تھا کہ نیک آپا کے یہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوا ہے۔نیک آپا گزشتہ چار مہینوں سے پاکستان آئی ہوئی تھیں۔اس لیے ان سے ملنے کو بھی بہت جی چاہ رہا تھا۔۔۔۔نیک آپا واقعی اپنے نام کی طرح نیک ہیں۔۔۔۔۔۔اس نے سوچا، امی کو کتنا جلدی لبھا لیتی ہیں، کتنے ٹھنڈے دل کی ہیں۔۔۔۔۔۔کاش! وہ بھی ان کی طرح بن سکتی۔۔۔۔۔۔۔ہر ایک سے نرم لہجے میں بات کرتی ہیں کچھ بھی کہہ لو برا نہیں مانتیں۔۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں، اللہ میاں نے نیک آپا کو کس مٹی سے بنایا ہے؟ کاش! اس مٹی کی ایک چٹکی میرے حصے میں بھی آجاتی۔
پرسوں جب وہ آئی تھی تو آتے ہی امی سے پوچھ کر بیا کے گھر چلی گئی تھی۔وہ صوفے پر بیٹھی، اپنے پاؤں کے ناخن تراش رہی تھیں۔۔۔۔۔۔اتنی زور سے ڈرایا کہ ان کی جان نکلتے نکلے رہ گئی۔نیل کٹر ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا، پر بیا آنٹی نے ذرا بھی برا نہیں منایا۔۔۔۔۔۔جھٹ اٹھ کر اسے گلے لگا لیا۔
سور۔۔۔۔۔۔یہ تو ہے، پاری! یہ کہہ کہ اس کا منہ چوم لیا۔
جس دن سے بیا آنٹی اپنے نئے گھر منتقل ہوئی تھیں پاری کی ان سے یہ دوسری ملاقات تھی۔۔۔۔۔ورنہ اسے تو بچپن کا کوئی واقعہ یاد نہیں تھا۔۔۔۔۔ہاں امی کی زبانی ہمیشہ ان کے بارے میں سنتی رہتی تھی۔پہلی بار جب وہ چھٹیوں میں آئی تھی تو پیٹر بھی آیا ہوا تھا۔پیٹر کے ساتھ اس کا بچپن گزرا تھا۔دونوں مل کر سب بچوں سے الگ تھلگ ہو کر کھیلا کرتے تھے۔اسے ہلکا ہلکا یاد تھا۔ان دنوں میں بھی وہ زیادہ تر بیا آنٹی کے یہاں رہتی تھی۔شام کو ان کے لان میں بیڈمنٹن کھیلا کرتی تھی اور آنٹی سے لطیفے سنا کرتی تھی۔

ابھی تو اسے آئے ہوئے تیسرا ہی دن تھا۔ نیک آپا کی وجہ سے گھر کی مصروفیت بڑھ گئی تھی۔ اکثر لوگ آئے رہتے تھے۔ وہ کل بھی مُنا آنٹی کے ہاں نہیں جا سکتی تھی۔۔۔۔۔۔ اور آج بھی کوئی موقع نہ تھا۔

نیک آپا کے منے کو نہ اٹھا کر اس نے امی کو ناراض کر دیا تھا۔ اس وقت گھر سے نکلنے کا مطلب تھا کہ امی کے غضب کو دعوت دی جائے۔ کتنی بوریت ہو رہی تھی۔

مُنا آنٹی کے گھر میں تو ان کے رشتے داروں کا میلا سا لگا رہتا تھا۔ آج بھی دو کاریں کھڑی ہوئیں تھیں۔۔۔۔۔ لیکن وہ اسکوٹر کس کا تھا۔۔۔۔؟

اوہو! امی سے تو پوچھ ہی نہ سکی۔ اگر ذرا تمیز سے بات کرتی تو اب تک پوچھ چکی ہوتی کہ کوئی ہمارے گھر آیا تھا یا مُنا آنٹی کا مہمان تھا۔

اور اگر وہ اسکوٹر مُنا آنٹی کے کسی مہمان کا ہوتا تو وہ چھلانگ لگا کر وہاں پہنچ جاتی۔

دونوں گھروں کے درمیان کوئی دیوار نہیں تھی۔ صرف ایک باڑ تھی جو ابھی بچپنے میں تھی۔ درمیان میں آنے جانے کے لیے ایک کشادہ روش تھی۔

۔۔۔۔۔۔ لیکن اس وقت تو خاموش رہنے میں ہی عافیت تھی۔

پاری منگنگ کا تھیلا گھماتی، اپنے اسی لاابالی انداز میں گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔ اور وہ اپنے لال اسکوٹر کو دھکیلتا ہوا اسے گیٹ سے باہر لا رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹکراتے ٹکراتے بچے۔۔۔۔۔ ایسے موقعوں پر پاری چوکنے والی نہیں تھی۔ ایسی گوہر افشانی کرتی کہ موصوف چاروں شانے چت نظر آتے۔

مگر لال رنگ کے اسکوٹر نے اسے بوکھلا دیا۔۔۔۔۔۔ ایک لمحے کے لیے وہ خوفزدہ سی بھی ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔

لیکن جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا اور تحقیر آمیز انداز میں اسکوٹر والے کو دیکھا۔

اسکوٹر چلانے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔

وہ لمبا تڑنگا، صحت مند اور سانولا سا نوجوان تھا۔ موٹی موٹی نشیلی آنکھیں اور ان میں سرخ ڈورے۔ پھولی ہوئی ناک۔۔۔۔۔ اور موٹے موٹے ہونٹ۔ چہرے پر چمک تھی اور انداز میں جوانی کا غرور تھا۔

سکھا دیجیے، آدابِ محترمہ!

میں نے خدمتِ خلق کا ادارہ نہیں کھول رکھا ہے۔

کھول لیجیے۔۔۔۔۔۔ آخر اندرکس خوشی میں جا رہی ہیں؟ یوں لگتا ہے جیسے کسی ادارے کے لیے چندا مانگنے جا رہی ہوں۔

کیا۔۔۔۔۔۔۔۔؟

وہ غرائی۔ کس بات سے لگتا ہے؟

آپ کے چہرے سے؟

زیادہ قیافہ شناس بننے کی کوشش مت کیجیے اور اپنی راہ لیں۔

پاری کو اطمینان ہو گیا کہ یہ وہ اسکوٹر والا نہیں ہے۔

وہ اندر کی طرف بڑھی تو وہ بھی اسکوٹر کھڑا کر کے اس کے قریب پہنچ گیا۔

سنیے۔۔۔۔۔۔؟

فرمائیے۔۔۔۔۔۔۔ پاری پھنکار کر رک گئی۔

آپ کو اسکوٹر چرانے کا شوق ہے یا چلانے کا؟

کیا مطلب۔۔۔۔۔۔؟ پاری کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

اچھا۔۔۔۔۔۔ تو لمبے بالوں والی وہ آفت آپ ہیں۔ پرسوں شام میں، آپ کو ساری چھاؤنی میں تلاش کرتا رہا۔ اس سے تو اچھا ہے کہ آپ بلدیہ میں ملازمت کر لیں۔

بات بدلنے کی کوشش مت کریں۔ جب تک آپ بتائیں گی نہیں میں آپ کو اندر نہیں جانے دوں گا۔

میں مُنا آنٹی کو آواز دے کر بلا لوں گی اور آپ کو جوتے لگوا ؤں گی۔

پاری نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور ہنس پڑی۔ ارے، آپ۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔۔ کیا میں جوکر ہو؟ وہ غصے سے بولا۔

کیا آپ کو اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی ہے؟

پاری نے شوخی سے کہا۔

خوش فہمی میں تو آپ جیسی لڑکیاں مبتلا رہتی ہیں۔ جو منہ اٹھائے گھر میں گھس جاتی ہیں۔

یہ میری آنٹی کا گھر ہے سنا؟

UrduPoint.com

او، جی۔۔۔۔۔آنٹی کی اس بھانجی کو آج سے پہلے تو ہم نے نہیں دیکھا۔
اپنی آوارگیوں سے فرصت ملے، جب نا۔۔۔۔۔پچھلے سال کراچی جا کر بیٹھ گئے تھے اور کہہ دیا کہ ملازمت کر رہا ہوں۔۔۔۔۔اور ویسے ہی جھک مارتے رہے۔
ارے۔۔۔۔۔۔۔!اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پاری کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔۔۔اور جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑ لی۔جب تک اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گی، کلائی نہیں چھوڑوں گا۔
مسٹر ڈیوڈ!میری کلائی چھوڑ دیں۔پاری نے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑا لی۔
پلیز۔۔۔۔۔۔۔۔بتا دیں۔آپ کون ہیں اور میرا نام کس طرح جانتی ہیں؟
وہ گھر دیکھ رہے ہیں۔پاری نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔
ہاں، آنٹی ویدہ کا گھر ہے۔
جی۔۔۔۔۔۔۔پاری نے برا سا منہ بنالیا۔میں ان ہی آنٹی ویدہ کی بیٹی ہوں۔
تت۔۔۔۔۔۔۔۔تم پاری ہو؟
وہ حیرت سے بولا۔
جی۔۔۔۔۔۔۔۔پاری اطمینان سے بولی۔
تعجب ہے۔تمہارے بارے میں تو ممی سے بہت کچھ سن رکھا تھا لیکن میں تمہیں پہچان ہی نہ سکا۔
نزدیک کی نظر کمزور ہے تمہاری۔
بھئی تم ہوسٹل میں رہتی ہو، نا۔
اور تم بھی تو ہمیشہ آوارہ گردی کرتے رہتے ہو۔
اچھا۔۔۔۔۔۔تو ممی نے تمہیں سب کچھ بتایا ہے۔
مینا آنٹی تو مجھ سے کوئی بات چھپاتی نہیں۔
بس، اب ممی مجھے گھر گھر بدنام کرتی پھریں گی۔
جناب!شہرت ہو رہی ہے، آپ کی۔
پاری اندر جاتے ہوئے بولی۔
ڈیوڈ جلدی سے اپنے اسکوٹر کی طرف لپکا اور اسے پورچ میں کھڑا کر کے اندر کی طرف بھاگا۔
اب کون کافر باہر جا سکتا ہے، ممی!وہ ماں کے پاس پہنچ کر بولا۔پاری بھی وہیں موجود تھی۔تو یہ ہے، وہ چڑیل، پاری۔۔۔۔۔۔۔جس کا آپ اکثر ذکر کرتی تھیں۔
ہاں بھئی۔تم نیک، پیٹر، پاری۔۔۔۔۔۔۔تم سب کا بچپن ایک ساتھ گزرا ہے۔
مگر مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔
ڈیوڈ نے کہا۔
تمہارا قصور نہیں۔پاری، مینا آنٹی کے پہلو میں بیٹھ گئی۔جوانی ہے ہی، ایسی چیز۔۔۔۔۔۔اپنے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر7

ممی! یہ تو بہت تیز ہے۔ڈیوڈ بھی وہیں بیٹھ گیا۔آنٹی وحیدہ کی بیٹی تو ہرگز نہیں لگتی۔

اور کیا تمہاری بیٹی لگتی ہوں۔

پاری نے ایسے مضحکہ انداز میں کہا کہ ڈیوڈ شرمندہ سا ہو گیا۔۔۔۔۔اور بٹیا آنٹی کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

یہ لڑکی تو آفت کی پرکالہ ہے وہ اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولیں۔اس کے منہ لگنے کی کوشش نہ کرنا، ڈیوڈ۔

بڑی بڑی لڑکیوں کو ٹھیک کر چکا ہوں میں۔۔۔۔۔۔۔جو سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھیں۔

اچھا۔۔۔۔۔۔پاری مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔۔۔۔۔۔۔۔اور اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگی۔ویسے بائی دا۔وے، تم میں ایسی کون سی بات ہے، ذرا میں بھی تو دیکھوں۔۔۔۔۔۔۔ایک دم چغد، بے وقوف اور احمق دکھائی دیتے ہو، بلکہ موتق بھی۔۔۔۔۔۔۔

ممی۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ چیخا۔اسے منع کر دیں۔چہیتی ہو گی تو آپ کی۔میں لڑکیوں کی زبان درازی پسند نہیں کرتا۔

تو پھر آپ تشریف لے جائیں۔پاری جلدی سے بولی۔میں، کچھ دیر اپنی پیاری آنٹی کے پاس بیٹھنے کو آئی ہوں۔

اچانک بٹیا آنٹی اٹھ کھڑی ہوئیں۔میں ذرا ہنڈیا دیکھ آؤں۔چولہے پر رکھ آئی تھی۔

جلدی جائیں۔

پاری بولی۔

مجھے بھی کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے۔

آنٹی چلی گئیں تو پاری، ڈیوڈ کی طرف منہ کر کے سرگوشیانہ انداز میں بولی۔کہیں تمہارا دل تو نہیں جل رہا۔۔۔۔

یہ بو کیسی ہے؟

ڈیوڈ، اسے بڑی دلچسپ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔پاری! خدا کی قسم! بڑی لاجواب چیز ہو، تم!

اچھا۔۔۔۔۔!

ہاں۔۔۔۔۔۔۔اور میں نے آج تک تم جیسی بولڈ لڑکی نہیں دیکھی۔

ذرا حساب کر کے بتانا، اب تک تم کتنی ہزار لڑکیوں سے مل چکے ہو؟ ہائے! بے چارے مرد۔۔۔۔۔ہمیشہ احساس برتری کا۔۔۔۔۔۔شکار رہتے ہیں۔دیکھو پاری! ڈیوڈ سنجیدگی سے بولا۔جھگڑا ختم کرو۔آؤ ہم دونوں دوستی کر لیتے ہیں۔اس نے اپنا مضبوط ہاتھ آگے بڑھایا۔یوں اتنے قریب رہ کر دشمنی نہیں چلے گی۔۔۔۔۔۔میرا تو ویسے بھی گھر میں دل نہیں لگتا۔یہاں کوئی اچھا دوست ہی نہیں ہے۔اس لیے بھاگ جاتا ہوں، دوستی کر لو۔پھر میں تمہیں اسکوٹر پر سیر کرایا کروں گا۔

سچ۔۔۔۔۔۔؟ پاری نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔یہ کام کی بات کی ہے۔تم نے۔اچھا اب، بتا دو۔۔۔۔۔۔پرسوں شام، تم میرے اسکوٹر پر بیٹھی تھیں نا؟

ہاں۔۔۔۔۔۔۔

پھر بھاگ کیوں گئی تھیں؟

میری سہیلی بزدل ہے اس نے کہا کہ میں مصیبت میں پھنس جاؤں گی۔

میں نے تمہارا پیچھا کیا تھا مگر تم آگے جا کر روپوش ہو گئیں۔مجھے بس تمہارے لمبے لمبے بال یاد رہ گئے۔

یہ بال ہر ایک کو یاد رہ جاتے ہیں۔

بڑا زعم ہے ان پر؟

کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔۔؟

اگر پرسوں تم اسکوٹر پر بیٹھی رہتیں تو بھی ہماری دوستی ہو جاتی۔کیسا عجیب اتفاق ہے، ایک سال ہو گیا ہے۔اس گھر میں آئے ہوئے مگر تم سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔

گزشتہ چھٹیوں میں پیٹر سے ملاقات ہو گئی تھی۔

اچھا۔اب میرے ساتھ چلتی ہو؟

کہاں۔۔۔۔۔۔۔؟

میں ذرا اسٹیڈیم تک جا رہا ہوں۔تمہیں کون کھلاؤں گا۔

اگر میرے امی کو پتہ چل گیا تو؟

ان سے اجازت لے کر چلیں گے۔

ایسا غضب نہ کرنا۔۔۔۔۔آج کل وہ ویسے بھی مجھ سے چڑی ہوئی ہیں۔تم ایسا کرو۔اکیلے چلے جاؤ۔شام کو تھوڑی دیر کے لیے مجھے اسکوٹر دے دینا۔میں خود سیر کر آؤں گی۔

اتنے میں ٹیپا آنٹی بھی آ گئیں۔
ممی! میں ذرا پاری کو اپنے ساتھ لے جاؤں؟
لے جاؤ۔ممی نے لاپرواہی سے کہا۔
نہ بابا! امی سے ڈانٹ کون کھائے گا۔
پاری جلدی سے بولی۔
ارے، کچھ نہیں کہتی ویدہ۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ تمہارا بھائی ہی تو ہے۔
یہ بات نہیں آنٹی! امی کو ویسے بھی میری آوارہ گردی کی عادت سخت ناپسند ہے۔
انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا اور ہم چلے آئیں گے۔
ڈیوڈ جلدی سے بولا۔
ہاں، ہاں۔۔۔۔۔۔۔ چلے جاؤ! آنٹی نے محبت سے کہا۔اگر تمہیں کوئی بلانے آیا تو میں کہہ دوں گی، میرا کام کر رہی ہے، ابھی تھوڑی دیر میں آجائے گی۔
پھر ٹھیک ہے۔ پاری کھڑی ہوگئی۔
دونوں باہر آئے۔ڈیوڈ نے اسکوٹر اسٹارٹ کی اور پاری اچھل کر پیچھے بیٹھ گئی۔جب ڈیوڈ نے اسکوٹر گیٹ سے باہر نکالا تو پاری نے کنکھیوں سے اپنے گھر کی طرف دیکھا۔سامنے کوئی نہیں تھا۔
مجھے پکڑ کر بیٹھو۔۔۔۔۔۔میں تیز چلاتا ہوں۔ڈیوڈ نے اسکوٹر کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔
پاری کے لمبے لمبے خوبصورت بال تیزی سے اڑنے لگے۔تب پاری کو احساس ہوا کہ ڈیوڈ وحشیانہ حد تک اسکوٹر تیز چلاتا ہے۔اسٹیڈیم کے قریب رک کر، ڈیوڈ نے کچھ سامان خریدا۔اتنے میں پاری نے اپنے بال سمیٹ لیے اور انہیں اس طرح ایک بل دے دیا، جیسے ریشم کے لچھے کو لپیٹتے ہیں۔
چلیں ڈیوڈ قریب آ کر بولا۔
تم بہت تیز چلاتے ہو۔دیکھو میرے سب بال بکھر گئے ہیں۔نہ بابا! میں تمہارے ساتھ پھر نہیں آؤں گی۔
یہ تمہارے بالوں کا قصور ہے یا میرا۔۔۔۔۔۔۔آنے سے پہلے انہیں باندھ لیا ہوتا۔
اب مجھے کیا معلوم تھا۔۔۔۔۔۔میں تو آنٹی سے ملنے کے لیے آئی تھی۔
آئندہ میرے ساتھ آؤ تو جوڑا باندھ لینا۔ویسے مجھے تمہارے یہ بال بہت پسند ہیں۔
اچھا، اب چلو۔۔۔۔۔۔۔باتیں نہ بناؤ۔
دو منٹ ٹھہرو۔ میں ایک سگریٹ پی لوں۔
کہیں امی کو نہ پتہ چل جائے۔وہ دیکھو سامنے لوگ ہمیں کیسی عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔
اسی لیے تو رکا ہوا ہوں۔
کیوں۔۔۔۔۔۔؟
یہ سب مجھ پر رشک کر رہے ہیں کہ ایک حسین لڑکی میرے ساتھ ہے۔
جانے کیوں، پاری کو یہ بات بہت اچھی لگی مگر بڑی بے نیازی سے ''اونہہ'' کہہ کر رہ گئی۔
بس، لڑکوں کو تو ایک ہی بیماری ہے۔شو آف کرنے کی۔
جی ہاں۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ ہنس کر بولا۔دیکھنا، آج میں ساری چھاؤنی کو رشک وحسد میں مبتلا کروں گا۔
کیا مطلب ہے، تمہارا۔۔۔۔۔۔۔۔؟
تمہیں سب اڈوں پر لے جاؤں گا۔
ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔! ہاں، یار! ڈیوڈ شرارت سے مسکرایا۔میرے ساتھ کوئی لڑکی جاتی ہی نہیں۔حالانکہ دیکھو، میں کتنا ہینڈسم ہوں۔یہ بات نہیں۔پاری بولی۔دراصل تمہاری جیب خالی ہوتی ہے۔اس لیے لڑکیاں تمہیں لفٹ نہیں کرواتیں۔کون کہتا ہے کہ میری جیب خالی ہوتی ہے۔ممی سے روزانہ ایک سو روپے لیتا ہوں اور ڈیڈی سے الگ لیتا ہوں۔کبھی کبھی دو چار مہینے سروس کر لینے سے کافی رقم اکٹھی ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔۔مگر کوشش کے باوجود کوئی لڑکی نہیں پھنستی۔تو اپنی دانست میں آج تم نے پھنسا لیا، شرم کرو۔نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔میری توبہ! ڈیوڈ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ایسا تو میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا۔تمہیں کیا معلوم کہ ہمارے گھر والے ویدہ آنٹی اور انکل عرفان کو کس حد تک پسند کرتے ہیں اور ہم ان کا کتنا احترام کرتے ہیں۔تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ڈیڈی اور انکل عرفان کی کتنی پرانی دوستی ہے۔ہم سب کی پیدائش سے بھی پہلے کی۔

©۔جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 8

ہاں میں جانتی ہوں۔پاری نے کہا۔ہمارے تعلقات تو رشتے داروں سے بھی بڑھ کر ہیں۔
تو پھر میں اپنے دل میں ایسا گھٹیا خیال کیسے لا سکتا ہوں۔
ارے۔۔۔۔۔۔۔۔میں تو مذاق کر رہی تھی۔
تم کیا کہہ رہے تھے؟
میں ذرا شو آف کرانا چاہتا ہوں۔آج تمہیں اسکوٹر پر بٹھا کر سارے دوستوں کو دکھاؤں گا۔
نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔
کوئی فرق نہیں پڑے گا پندرہ منٹ اور لگ جائیں گے۔
لیکن اس میں تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟
میرے سب دوست جل جائیں گے کہ اسے اتنی حسین لڑکی کہاں سے مل گئی۔کل کو جب ان کے پاس جاؤں گا تو سب بے چینی سے پوچھیں گے۔کون تھی؟ کہاں سے ملی؟ کیسے تعلقات جا رہے ہیں؟وغیرہ وغیرہ
تو تم جواب میں کیا کہو گے؟
اب ساری باتیں تمہیں تو نہیں بتائی جا سکتیں۔
اچھا۔۔۔۔۔۔۔میں، آنٹی سے شکایت کر دوں گی۔
کر دینا شکایت۔۔۔۔۔۔۔۔یہ میری زندگی کا مسئلہ ہے۔میں خود اسے حل کروں گا۔
جھوٹ موٹ کی رومانی داستان سنا کر، تمہیں کیا مزا آئے گا۔
ہائے ظالم! تجھے خبر ہی نہیں، میرے دوست کس قدر حسد کریں گے۔
دوبارہ تو میں، تمہارے ساتھ آؤں گی نہیں۔انہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم جھوٹے ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔آج کی بات کرو۔، ایک بار وہ مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیں، ان کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔چھ ماہ تک انہیں من گھڑت قصے سناتا رہوں گا۔
نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔میں تمہاری اس فضول کہانی کا کردار نہیں بن سکتی۔
پارو۔۔۔۔۔۔۔۔!
ڈیوڈ نے اسے گھورا۔
ڈیوڈ کا پارو کہنا، اسے بہت اچھا لگا۔
دیکھو، میں زبردستی تمہیں اسکوٹر پر بٹھا لوں گا اور تمہارا لحاظ بھی نہیں کروں گا۔سیدھی طرح بیٹھ جاؤ۔گھر میں تم نے میرے ساتھ دوستی کا وعدہ کیا تھا لیکن اب لڑکیوں کی طرح شک اور نخرے کرنے لگی ہو۔
اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔اگر دوستی کا واسطہ دیتے ہو تو میں ضرور تمہارے ساتھ بیٹھ جاؤں گی۔
شاباش۔۔۔۔۔۔۔۔!
پاری پھر لپک کر اسکوٹر پر بیٹھ گئی۔
ڈرامہ مکمل کرنا ہوگا۔ڈیوڈ اسکوٹر آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔
کیا مطلب۔۔۔۔۔۔۔؟
میری کمر میں دونوں بازو ڈال کر، میرے ساتھ چپک کر بیٹھ جاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔اور مسلسل ہنس ہنس کر باتیں کیے جاؤ۔
واہ! کوئی زبردستی ہے؟
نہیں نہیں، پاری! اچھی بچی!
تمہاری بے وقوفی پر مجھے ہنسی آ رہی ہے، ڈیوڈ!
چلو بیوقوفی پر ہنستی رہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
اور ڈیوڈ نے ایسے ایسے انداز میں اسکوٹر چلایا۔۔۔۔۔۔۔۔کہ پاری ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی لیکن اس سے چمٹی بیٹھی رہی۔۔۔۔۔۔۔اس کے لمبے لمبے بال پھر کھل گئے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور تیز ہوا میں یوں لہرا رہے تھے۔جیسے کوئی الہڑ دوشیزہ کے رخ پر اپنا سیاہ آنچل پھیلائے کھڑی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ، پاری کو اپنے سب دوستوں کے اڈوں پر لے گیا۔کہیں ایک لمحے کے لیے رکا اور کہیں رک کر چند باتیں کیں ۔۔۔۔۔۔۔کسی کو صرف جھلک دکھائی، کسی کو ٹکر ماری۔آدھے گھنٹے تک وہ گھومتا رہا اور پاری چیختی رہی۔بالآخر اس نے گھر کا رخ کیا۔
آنٹی۔۔۔۔۔۔!پاری نے گھر میں داخل ہوتے ہی ہانک لگائی۔

آنٹی جلدی سے کچن سے نکل آئیں۔
امی کی طرف سے کوئی بلانے تو نہیں آیا تھا؟
خانساماں آیا تھا۔
پھر آپ نے کیا کہا؟
میں نے کہہ دیا، کہ اس اسٹیج کا ایک نمونہ بنوا رہی ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد بھیج دوں گی۔
کتنی دیر ہوئی؟
آدھا گھنٹا ہی ہوا ہے۔
اللہ! تیرا شکر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب میں جاؤں؟
ذرا شکل تو دیکھو۔ آنٹی نے کہا۔ بال الجھے ہوئے ہیں، چہرا سرخ ہو رہا ہے۔ تمہاری ماں سمجھے گی، کشتی لڑ کر آرہی ہو پہلے منہ دھو کر کنگھی کر لو۔
ٹھیک ہے، آنٹی! پاری نے جلدی سے غسل خانے میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور کنگھی اٹھا کر باہر آگئی۔
آنٹی۔ یہ ڈیوڈ گدھا ہے۔ آج اس نے میرے ساتھ بڑا برا سلوک کیا ہے۔ پاری بال سلجھاتے ہوئے بولی۔
کیوں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔؟ آنٹی نے استفہامیہ نظروں سے ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔
یہ جھوٹ بول رہی ہے، ممی! بڑے پیار سے لے کر گیا تھا۔ آئس کریم بھی کھلائی تھی۔۔۔۔۔۔اب یہ تو ظلم ہے۔۔۔۔۔۔۔کہ اتنی خوبصورت لڑکی، میرے ساتھ ہو اور میں دوستوں کے سامنے شو آف نہ کروں۔
واقعی بڑے گدھے ہو، تم! آنٹی نے ہنستے ہوئے کہا۔
ممی! ایسے موقعے کبھی کبھار ملتے ہیں۔۔۔۔۔۔آج کے بعد باہر نکلا کروں گا تو سب دوست مجھے جھک جھک کر سلام کریں گے۔
ڈیوڈ بولا۔
آنٹی۔۔۔۔۔۔!پاری نے احتجاج کیا۔
پاگل ہے یہ تو۔ آنٹی بدستور ہنس رہی تھیں۔
دیکھو پاری۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ بولا۔ ہفتے عشرے میں اس طرح ایک آدھ چکر میرے ساتھ لگایا کرو۔۔۔۔۔۔ جو کمیشن مانگو گی میں دینے کے لیے تیار ہوں۔
اب تو ترسو گے بچو! میرے پاس بیٹھنے کو بھی۔۔۔۔۔۔وہ تو آج میں آنٹی کہ کہنے پر چلی گئی تھی۔
اچھا، اگر میں اپنا اسکوٹر تمہیں چلانے کے لیے دے دیا کروں تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟
ہاں۔۔۔۔۔۔۔پاری سوچنے کے انداز میں بولی۔۔۔۔۔۔۔یہ کچھ معقول پیش کش ہے، سوچوں گی۔
اسی وقت باہر بیل ہوئی پھر خانساماں کی آواز سنائی دی۔
چھوٹی بی بی کے مہمان آئے ہیں، بیگم صاحب بلا رہی ہیں۔
اوہ۔۔۔۔۔۔۔۔!پاری ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی بل تو جلال تو۔۔۔۔۔۔۔۔او۔کے آنٹی!
پھر کب آؤ گی؟
ڈیوڈ اس کے پیچھے لپکا۔
جب دل چاہے گا۔ پاری، اس کا جواب سنے بغیر کمرے سے نکل گئی۔
پاری۔۔۔۔۔۔۔۔او پاری۔۔۔۔۔۔۔۔!
ڈیوڈ نے اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔مگر وہ کہاں سننے والی تھی۔ اسکوٹر، اس کے ہاتھ آگیا تھا۔۔۔۔۔۔۔اور یوں لگ رہا تھا جیسے آج وہ ہوا دوش پر سوار ہو کر ساری دنیا کو روندتی ہوئی گزر جائے گی۔
اب ڈیوڈ اور پاری کی دوستی گہری ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔اگر پاری کو بازار جانا ہوتا تو عام طور پر ڈیوڈ کا ہی اسکوٹر استعمال کرتی تھی۔ وحیدہ عرفان کو بھی اس پر اعتراض نہیں تھا۔ دونوں گھر، ایک دوسرے کے لیے بہت قریب تھے۔ ویسے بھی ڈیوڈ صاف ستھرا لڑکا تھا اور انہیں پسند تھا۔
چونکہ ان کے گھر میں کوئی مرد نہیں تھا اس لیے اکثر باہر کے کام ڈیوڈ کر دیا کرتا تھا۔ بجلی کے بل جمع کروا آتا، ٹی۔وی کا لائسنس بنوا دیتا۔ سوئی گیس اور پانی کے کاغذات بھی وہی جمع کرواتا۔ کبھی کبھی آنٹی وحیدہ کے ساتھ بنک میں بھی چلا جاتا۔
یوں تو آنٹی وحیدہ کے پاس کار تھی مگر وہ زیادہ تر گیراج میں بند رہتی تھی۔ پہلے ایک ڈرائیور رکھا تھا پندرہ سو روپے ماہوار تنخواہ اور پندرہ سو روپے ہی ہر مہینے گاڑی پر خرچ کر دیتا تھا۔ پٹرول کا تو حساب ہی نہ پوچھو۔۔۔۔۔۔بس انہوں نے ڈرائیور کی چھٹی کرا دی اور گاڑی کو گیراج میں بند کر دیا۔

ہاں کبھی پاری چھٹیوں میں گھر آتی تو گاڑی کا زنگ اترنے لگتا۔۔۔۔یا پھر آنٹی ویدہ کو خود کہیں دور جانا ہو تو ایک دن پہلے ڈیوڈ سے کہہ دیتیں۔

ٹینا اگروال کے پاس بھی ایک سوزوکی وین تھی مگر وہ زیادہ تر احسان صاحب کے ساتھ تصرف میں رہتی تھی۔ڈیوڈ نے اپنا اسکوٹر لے رکھا تھا۔ویسے ڈیوڈ ایک ایسا مخلص نوجوان تھا جو ہر وقت ہر ایک کی خدمت کے لیے تیار رہتا تھا۔ابھی پرسوں ہی کی بات ہے۔آنٹی ویدہ کی بیٹی نیک کو واپس شارجہ جانا تھا۔ٹکٹ اور سیٹ کی کنفرمیشن کے علاوہ ڈیوڈ خود اسے جہاز پر سوار کرا کے آیا تھا۔سامان ذرا زیادہ تھا لیکن اپنے دوست کی معرفت یونہی نکلوا دیا تھا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 9

ڈیوڈ! ایسا نوجوان نہیں تھا جس سے کسی کو کوئی شکایت ہوتی۔ سوائے اس کے ذرا لاابالی اور غیر مستقل مزاج تھا۔
کوئی کام بھی یکسوئی سے نہیں کر سکتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور ملازمت سے تو فوراً اس کا دل بھر جاتا تھا۔
بس ممی! بڑے فضول اور گھٹیا سے لوگ ہیں۔ میں ان کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔
یہ کہہ کر وہ ملازمت چھوڑ دیتا، ہیٹا آنٹی لعن طعن اور طنز و تشنیع کی قائل نہ تھیں۔۔۔۔۔۔۔پھر وہ دو چار مہینے ملازمت کر کے، اپنا پانچ چھ مہینوں کا خرچ نکال لیتا تھا۔
پاری کو سب مردانہ کام کرنے میں مزا آتا تھا۔ بڑی ریش ڈرائیونگ کرتی۔ بغیر دوپٹے کے بازار میں نکل جاتی۔۔۔۔۔۔اور پھر اسکوٹر پر فراٹے بھرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کی خاطر، اس نے ڈیوڈ سے دوستی کی تھی۔
دن میں ایک بار تو ضرور کسی نہ کسی بہانے ڈیوڈ کا اسکوٹر لے جاتی تھی۔ شروع شروع میں تو ڈیوڈ یہی سمجھتا رہا کہ ایک دو دن کی بات ہے، پاری جلد ہی ہار مان لے گی یا پھر اپنے گھر کے سامنے والی سڑک پر اسکوٹر چلا کر اپنا شوق پورا کر لیا کرے گی۔۔۔۔۔۔مگر پہلے روز ہی پاری اسکوٹر پر بیٹھ کر عادی مجرم کی طرح رفو چکر ہوگئی تو ڈیوڈ دیکھتا ہی رہ گیا۔۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ذرا ہی دیر بعد کوئی حادثہ کر کے آجائے گی۔
مگر ایک گھنٹے بعد جب وہ لوٹی تو اسے کے ساتھ سونو بھی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔اور دونوں بے تحاشہ ہنس رہی تھیں۔
پاری شکل وصورت کے لحاظ سے کافی قبول صورت لڑکی تھی مگر اس کے لمبے لمبے بالوں نے اس کی شخصیت میں چار چاند لگا دیئے تھے۔۔۔۔۔۔۔جنہیں وہ کھلا رکھتی تھی اور ہر وقت ادھر ادھر جھٹکتی رہتی تھی۔
لیکن سونو اس کی ضد تھی۔۔۔۔۔۔۔اس کے بال لڑکوں کی طرح کٹے ہوئے تھے۔ عام طور پر پتلون پہنتی تھی اور دوپٹہ تو بالکل نہیں لیتی تھی۔۔۔۔۔۔پاری کے ساتھ چلتی ہوئی تو بالکل لڑکا لگتی تھی۔
اسمارٹ ضرور تھی اتنی خوبصورت نہ تھی۔

پاری!۔۔۔۔۔۔تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ، اس کے قریب آکر بولا۔
اور تمہیں غصہ آیا ہوگا کہ جان نکالنے کا حق تو ملک الموت کے بعد مردوں کے پاس ہے، ہے نا؟
ذلیل۔۔۔۔۔۔۔وہ ہنس کر بولا۔ خطرناک تیز چلاتی ہو۔
جس طرح اس کی زبان چلتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔سونو نے ٹکڑا لگایا تو وہ بلاؤں کے درمیان گھبرا گیا۔
یہ مسٹر کون ہیں؟
ڈیوڈ، سونو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
پاری نے کہا۔
ڈیوڈ، سونو کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس پڑا۔ حلیہ تو بالکل مسٹروں والا ہے۔
یہ میری سہیلی ہے، سونو!
پاری نے تعارف کرا دیا۔
ہاؤ آر یو سر؟
ڈیوڈ نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔
سونو کب چوکنے والی تھی۔ اس نے بھی جلدی ہاتھ بڑھا دیا۔
آئی ایم فائن سر۔۔۔۔۔تھینکیو!
واہ ادائیں بھی لڑکوں والی ہیں۔
ڈیوڈ جھوم کر بولا۔
سونو نے جلدی اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔
ایک سیکنڈ سے زیادہ یہ نازک اور ملائم ہاتھ کسی کھردرے ہاتھ میں نہیں رہ سکتا۔
جوڈو کراٹے تو سیکھ رکھی ہوگی؟
ڈیوڈ نے پوچھا۔
نہیں۔۔۔۔۔۔سونو اسکوٹر سے اتر آئی۔
جوڈو کراٹے کا کام یہ اپنی آنکھوں سے لیتی ہے۔
پاری بولی۔
اسی وقت سونو نے اپنی سیاہ عینک اتار لی۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے دیکھا اس کی آنکھیں بے حد حسین تھیں۔
اور وہی کام تم اپنے بالوں سے لیتی ہو، ہے نا؟ سونو نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
ڈیوڈ چکرا کر رہ گیا۔ دو حسین لڑکیاں اسے گھیرے کھڑی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اردو پوائنٹ
UrduPoint.com

اچھا، پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ بتاؤ۔ ڈیوڈ بولا۔ کیل کانٹوں سے لیس یہ دو نفری فوج کہاں پر چھاپہ مار کر آ رہی ہے؟

تم نے کہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ پانچ منٹ تک آ رہی ہوں۔ گھنٹہ بھر کہاں غائب رہیں۔

بھئی، اس روز شام کو جب میں تمہارا اسکوٹر اڑانے کی سوچ رہی تھی تو یہی خاتون میرے ساتھ تھی اور انہوں نے بے حد بزدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔ اور آج میں اپنی جیت کی روداد سب سے پہلے انہیں ہی سنانے گئی تھی۔۔۔۔۔۔ اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ تم آنٹی بینا کے فرزند ہو اور ہمارے پڑوسی بھی ہو۔ اس لیے، اسے اپنے ساتھ لے آئی تا کہ اس لمبے آدمی کا دیدار کر لے جس کی عقل ٹخنوں میں ہے۔

پاری۔۔۔۔۔۔۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری سہیلی کے ساتھ خاموش ہو جاؤں گا۔ مجھے ٹھگنی لڑکیوں سے نمٹنا خوب آتا ہے۔ آج کے بعد تم میرے اسکوٹر کو ہاتھ تو لگا کر دیکھو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چالان ہو گیا تو میرا اسکوٹر بھی ضبط کرا آؤ گی۔

پاری کا چالان نہیں ہو سکتا۔ سونو ایک آنکھ بند کر کے مسکرائی۔ پاری کا چالان کرنے والا شاید ابھی پیدا بھی نہیں ہوا۔

اس پر تینوں ہنس پڑے۔

ایک تجویز ہے۔ پاری ایک دم بولی۔ کیوں نہ ہم تینوں کسی جگہ چل کر آئس کریم کھائیں۔

ہاں، یہ ٹھیک ہے۔

ڈیوڈ بولا۔

مگر ہم تینوں جائیں گے کہاں۔

سونو نے پوچھا۔

اس کی تم فکر ہی نہ کرو۔ اس اسکوٹر کا حوصلہ بہت بڑا ہے۔ تم جیسی کئی حسینوں کو گود میں بٹھا سکتا ہے۔

اس روز کے بعد سے سونو بھی ان کے گروہ میں شامل ہو گئی۔

پاری کو اسکوٹر دیتے وقت، ڈیوڈ ہمیشہ تاکید کرتا۔ پاری پلیز! تیز نہ چلانا اور زیادہ دور نہ جانا۔ جہاں ٹریفک کا کوئی سپاہی نظر آئے، واپس آ جانا۔

پاری ''ہاں ہاں'' کرتی نظروں سے غائب ہو جاتی اور واپسی میں سونو یا توشی ساتھ ہوتی۔

اس وقت بھی ڈیوڈ اسے پکارتا ہی رہ گیا تھا لیکن وہ پچھلی گلی سے مین روڈ پر آ گئی اور توشی کے گھر جا کر ہی اسکوٹر روکا۔ ہارن دیا تو توشی باہر آ گئی۔

ہائے، پاری! تم ہو۔ وہ خوشی سے چلائی۔

سیر کرو گی؟

ضرور کروں گی۔

تو آ جاؤ پھر، جلدی سے۔

مجھے چھوڑ کر بھی جاؤ گی نا؟

ضرور، ڈیئر!

کون ہے توشی؟ آواز سن کر آنٹی عائشہ بھی باہر آ گئیں۔

ہیلو، آنٹی!

پاری بولی۔

ہیلو، پاری! کہاں سے آ رہی ہو اور کہاں کے ارادے ہیں؟

ایک لڑکے سے اسکوٹر چھین کے لائی ہوں۔ توشی کو ایک چکر لگوا کر چھوڑ جاؤں گی۔

پاری! تم اب بڑی ہو گئی ہو۔ عائشہ آنٹی دبے لہجے میں بولیں۔

کیا بڑے ہو جانے سے چھینا جھپٹی کی عادت ختم ہو جاتی ہے؟ وہ ہنسی۔ ابھی تو مجھے پتہ نہیں کیا کیا چھیننا ہے، اس پاپی دنیا سے؟

ہاں۔۔۔۔۔۔۔ عائشہ آنٹی دھیرے سے مسکرا دیں۔

جوانی کا لہو گرم ہوتا ہے۔ جوانی میں صرف چھین لینے کو دل چاہتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ اور اس چھینا جھپٹی ہی میں کوئی شے کھٹ سے گر جاتی ہے۔ پھر زندگی ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لینے کی مہلت نہیں دیتی۔

اے پاری! اس دفعہ گرمیوں کی چھٹیاں کیا گھر کے اندر بیٹھ کر ہی گزارو گی۔ ڈیوڈ، پاری کو دیکھتے ہی لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

شش۔۔۔۔۔۔۔ چپ رہو۔ پاری نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔

UrduPoint.com

کیوں ۔۔۔۔۔۔۔؟

ہمارے ہاں یہاں کچھ خطرناک قسم کے مہمان آئے ہوئے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔اور امی نے وارننگ دی ہے کہ اگر کود پھاند کی تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔

اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔کون ہیں۔وہ حضرت؟

بھئی،میری پھوپھی صفیہ اوران کے صاحبزادے غزالی،فیصل آباد سے آئے ہوئے ہیں۔

پر دکھوے کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔؟

ہاں کوئی ایسا ہی معاملہ ہے۔ہر چھٹیوں میں باقاعدہ آتے ہیں۔

تمہاری طرف سے ۔۔۔۔۔پاری ہنسنے لگی۔بھئی،انہیں تو میری طرف سے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہیں پڑتی۔

کیوں ۔۔۔۔۔۔بالکل ہی گئے گزرے ہیں،کیا؟

نہیں ۔۔۔۔۔۔پاری نے کہا۔اچھے خاصے ہیں،بلکہ کافی اسمارٹ ہیں،تیس ہزار روپے ماہانہ کماتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔یعنی کماؤ پوت ہیں۔

تمہارا کیا خیال ہے؟

مجھے تو یہ شادی کا بندھن ہی پسند نہیں۔

صاحبزادے کیا فرماتے ہیں؟

بس،ہونٹوں پر چپ کا تالا لگائے بیٹھے ہیں۔

اگر تم کہو تو میں اس کا دل ٹٹولوں؟

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 10

نہیں۔۔۔۔۔۔اس کی ضرورت نہیں۔پاری کندھے اچکا کر بولی۔ایک نہ ایک دن تو پھوٹیں گے ہی۔

اس سلسلے میں، میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟

میں کسی سے مدد لینے کی قائل نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔۔اور پھر تم جیسے بدنیت انسان سے۔

ڈیوڈ نے قہقہہ لگایا۔ہائے گاڈ! پاری۔۔۔۔۔۔تمہارا کوئی کام کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ویسے تم ہو بھی بلا۔۔۔۔۔کوئی لڑکا تمہارے سامنے منہ نہیں کھول سکتا۔رعب حسن اور تمہاری کج ادائیوں سے ڈر جاتا ہوگا۔

اونہہ! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تھروٹ پینٹ ہاتھ میں لے کر ہر لڑکے کا منہ کھلوایا کروں؟

ہاں یہ طریقہ بھی اچھا ہے۔۔۔۔۔۔تمہارا وقار بھی قائم رہے گا اور غریب کا منہ بھی کھل جائے گا۔ورنہ تم اپنے سامنے کسی کو بولنے کا موقع ہی کب دیتی ہو۔

مجھے بزدل عاشق اچھے نہیں لگتے،ڈیوڈ! پاری اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔لڑکوں کو بہادر اور منہ پھٹ ہونا چاہیے۔وہ کسی لڑکی کو دیکھ کر نروس کیوں ہو جاتے ہیں۔

میرے متعلق کیا خیال ہے؟

ڈیوڈ نے جھک کر رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

پاری نے ہاتھ پکڑی ہوئی کتاب،ڈیوڈ کے کندھے پر زور سے دے ماری۔

اب کمینہ پن دکھانے کی کوشش نہ کرو۔

اوہو۔۔۔ایک تو تم لڑکیاں کس قدر جلد خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔میرا مطلب یہ تھا کہ کیسا لڑکا ہوں۔۔۔۔۔۔۔تمہاری لغت میں مجھے بزدل کہتے ہیں یا بولڈ۔۔۔۔۔۔۔؟ کل مجھے بھی تم جیسی لڑکی کا سامنا کرنا ہوگا۔

اچھا۔۔۔۔۔۔پاری رک رک کر بولی۔ڈیوڈ۔۔۔۔۔تم ایک بولڈ آدمی ہو Aggressive اور Possessive ۔۔۔۔۔خاموش رہنے والے مرد مجھے منافق لگتے ہیں اور منافق لوگوں سے مجھے ڈر لگتا ہے۔

سچ کہتا ہوں،پاری! تمہارے سامنے کوئی مرد بول نہیں سکتا۔

تو پھر میں،اسے کیسے قبول کر لوں؟

شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔

لیکن کچھ ایسا بھی ہوتا ہے جو شادی سے پہلے ٹھیک ہونا چاہیے۔

مثلاً کیا۔۔۔۔۔؟ مجھے بتاؤ۔۔۔۔۔تاکہ میں بھی کچھ سیکھنے کی کوشش کروں۔ایسا نہ ہو کہ کل کو میری منگیتر بھی ایسا کوئی۔۔۔۔۔سوال اٹھائے۔

نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔تمہاری منگیتر ایسا سوال نہیں اٹھا سکتی۔تم بڑے اسمارٹ آدمی ہو چالاک ہو اور عیار بھی۔

ڈیوڈ ہنسنے لگا۔یہ مذمت یا ستائش؟

دونوں۔۔۔۔۔۔پاری بھی ہنسنے لگی۔

دو دن میری صحبت میں چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔تمہارے شہزادے گلفام کو سب کچھ سکھا دوں گا۔

وہ تو ابھی اپنی امی کے گھٹنے سے لگے بیٹھے ہیں۔

اور آنٹی ویدہ کیا کہتی ہیں؟

ان کا تو بس نہیں چلتا کہ مجھے کسی کے پلے باندھ دیں۔

تمہاری ڈیڈی کب آئیں گے؟

اگلے ہفتے۔۔۔۔۔۔

اس وقت تک یہ لوگ رہیں گے؟

جی ہاں۔۔۔۔۔پھوپھی صفیہ تو کسی مشن پر آئی معلوم ہوتی ہیں۔

امیدوار کا کیا نام بتایا تھا تم نے؟

غزالی۔۔۔۔۔۔۔

اگر تمہارے ڈیڈی مان گئے تو۔۔۔۔۔۔۔؟

ظاہر ہے،ان کی ایک ہی بہن ہیں،وہ انکار کر ہی نہیں سکتے۔

تو تم ذرا اپنے آئیڈلز کم کر دو۔

میں تو اسی طرح رہوں گی۔اسی کو بدلنا پڑے گا۔

کیا تمہارا کسی اور طرف رجحان ہے؟
توبہ کرو۔ پاری ہنس کر بولی۔ میں ان فضول باتوں کی قائل نہیں ہوں۔
میرا تعارف تو کراؤ، اس سے!
آج شام کو آجانا۔
تمہارے طوطے کو توپ چلانا سکھادوں گا۔
توپ، اس طوطے سے نہیں چلے گی۔
پاری نے ہنس کر کہا۔
آج شام کو آؤں؟
آجانا۔۔۔۔۔۔ ویسے روز آجایا کرو۔ ایک آدھ تاش کی بازی بھی ہو جایا کرے گی۔
ڈیوڈ! گھر میں داخل ہوا تو پاری جلدی سے بولی۔
ڈیوڈ! تم ہمارے ساتھ چل رہے ہو، پکچر دیکھنے۔
کس نے کہا ہے؟
وہ حیرت سے بولا۔
میں نے کہا ہے۔
مگر بھئی کون کون جا رہا ہے؟ کب جا رہا ہے اور کیوں جا رہا ہے؟
آؤ، بیٹھو، ڈیوڈ! غزالی کھڑا ہو گیا۔
پچھلے ایک ہفتے سے ڈیوڈ، باقاعدہ ویدہ آنٹی کے گھر آ رہا تھا۔ غزالی سے اس کا باقاعدہ تعارف ہو چکا تھا بلکہ وہ دونوں کافی حد تک بے تکلف بھی ہو گئے تھے۔۔۔۔۔ ڈیوڈ آجاتا تو پاری بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتی۔ کبھی کیرم کھیلا جاتا، کبھی لوڈو ہوتی اور کبھی تاش کی بازی جمتی۔ غزالی ڈیوڈ کو پسند آیا تھا۔ اس لیے اس نے پاری سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہاں کہہ دو۔۔۔۔۔ بس، ذرا کم گو تھا اور کم گوئی عیب نہیں ہوتی۔
وہ بے چارا بولتا بھی کیسے؟ پاری اسے ایک لمحے کو بھی بولنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔۔۔۔۔ اور وہ موقع کی تلاش میں رہتا تھا۔ جب گھر میں موقع نہیں ملا تو اس نے پاری سے کہا۔ چلو، فلم دیکھنے چلتے ہیں۔
مجھے سینما ہال میں فلم دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔
پاری نے جواب دیا۔
تو آپ کہاں دیکھنا پسند کرتی ہیں؟
میری سہیلیوں کے گھر میں وی۔ سی۔ آر ہیں۔ جب کوئی نئی فلم آتی ہے تو میں، ان کے ہاں جا کر دیکھ آتی ہوں۔
مجھے وی۔ سی۔ آر پر فلمیں دیکھنا پسند نہیں۔ غزالی نے آہستہ سے کہا۔ جہاں اتنے لوگ بول رہے ہیں اور ڈسٹرب کر رہے ہوں، وہاں فلم دیکھنے کا ماحول نہیں ہوتا۔
ہاں، مائی ڈیئر کزن۔۔۔۔۔ پاری نے دل ہی دل میں کہا۔ آپ فلم تھوڑی دیکھیں گے۔ آپ کو تو رومانی فضا درکار ہے۔ تین دن سے بے چارا نتیں کر رہا تھا اور آج امی نے بھی کہہ دیا تھا۔
پاری! تم غزالی کو لے جاؤ نا۔۔۔۔۔ بے چارا جب سے آیا ہے، کمرے میں بند ہو کر رہ گیا ہے تم اسے فلم دکھا لاؤ۔
یہ مائیں بھی بعض اوقات مشاطاؤں کا کردار بڑی خوبی سے ادا کرتی ہیں۔۔۔۔۔ پاری نے سوچا۔
دراصل غزالی، انہیں پسند آ گیا ہے۔۔۔۔۔ اور وہ اپنی سرکش لونڈیا کو اس کے ساتھ باندھنا چاہتی ہیں اور جان بوجھ کر موقع فراہم کر رہی ہیں۔۔۔۔۔ سمجھ رہی ہیں کہ اس طرح راستہ بن جائے گا۔۔۔۔۔ بھلا اس ڈرامے کی کیا ضرورت ہے؟ صاف کہہ دیں کہ بھئی غزالی سے تمہاری شادی ضرور کرنا ہے۔۔۔۔۔ تو شاید میں مان جاؤں۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی سے تو شادی کرنا ہی ہے تو پھر پھوپھی جان اور امی جان کو مشکور کیوں نہ کر لیا جائے۔
مگر وہ اپنی عادت کے ہاتھوں مجبور تھی۔ ان بزرگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح رام کیا جائے۔۔۔۔۔ اور پاری کو بے چارے غزالی پر ترس آ رہا تھا۔۔۔۔۔ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہہ نہیں پاتا تھا۔۔۔۔۔ یہ الو میرا شوہر بن کر کس طرح رہے گا۔۔۔۔؟ اس نے کئی بار سوچا۔ جب میرے ساتھ تنہا ہوتا تو سارے جسم پر لرزا طاری ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ اوپر سے وہ دو چار ایسے جملے کس دیتی کہ اس غریب کو پسینے چھوٹ جاتے۔ اور وہ مزید بات کرنے کے قابل نہ رہتا۔
فلم کے لیے اس نے نہ جانے کیسے ڈرتے ڈرتے کہہ دیا تھا۔ اور امی نے سن لیا تھا۔

پاری نے جونہی ڈیوڈ کو آتے دیکھا تو فوراً اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔۔۔۔۔۔پھر غزالی کی طرف دیکھا۔اس کے چہرے پر لاچارگی پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے کہہ رہا ہو، خدا کے لیے اسے ساتھ مت لے جانا۔۔۔۔۔۔ایک بار، میرے ساتھ تنہا چلی چلو۔میں عمر بھر تمہارا غلام بنا رہوں گا۔۔۔

مگر پاری نے شرارت سے منہ پھیر لیا اور ڈیوڈ سے بولی۔

پلازا میں The Massage چل رہی ہے۔غزالی کو بہت شوق ہے، فلم دیکھنے کا۔چل رہے ہو ہمارے ساتھ؟

اگر غزالی بھائی میری موجودگی کو پسند کریں تو ضرور چلوں گا۔نیکی اور پوچھ پوچھ۔۔۔۔۔۔ضرور چلیں، جی غزالی جلدی سے بولا۔آپ کی موجودگی ہمارے لیے خوشی کا باعث ہوگی۔

پتہ نہیں ہوگی یا نہیں ہوگی۔پاری نے کہا۔ڈیوڈ ایک اچھا پارٹنر نہیں ہے۔بہت بور کرتا ہے۔۔۔۔۔مگر خیر، آپ نے اسے دعوت دی ہے تو میں کہہ سکتی ہوں۔۔۔۔۔۔جاؤ ڈیوڈ! تم آنٹی مینا سے بات کر کے آؤ۔اتنی دیر میں، میں بھی تیار ہو جاتی ہوں۔

ڈیوڈ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پاری کو اس کے لمبے بالوں سے پکڑ کر اتنے چکر دے کہ اس کی چیخیں نکل جائیں۔۔۔۔۔پہلے مجھے دعوت دی جب وہ غریب بھی رضا مند ہو گیا تو خود ہی میری ذات کی نفی کر دی ۔۔۔۔۔۔۔۔مگر افسوس! غزالی کے سامنے وہ پاری کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا، اس صورت میں جبکہ اسے معلوم تھا کہ غزالی پاری کا ہونے والا شوہر ہے۔

ڈیوڈ پانچ منٹ میں آنے کا کہہ کر گیا تو پاری بھی تیار ہونے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اس نے پرنٹڈ ساڑھی پہنی اور لمبے بالوں کا جوڑا، اس طرح سر پر باندھ لیا جیسے پگڑی باندھتے ہیں۔وحیدہ عرفان نے آج اسے خواتین والی سج دھج میں دیکھا تو بہت خوش ہوئیں۔ورنہ عموماً اسے نیم مردانہ لباس میں دیکھ کر انہیں غصہ آجاتا تھا۔

UrduPoint.com

تینوں باہر آگئے۔پارے کے ہاتھ میں گاڑی کی چابی تھی۔

ڈرائیونگ کون کرے گا؟

ڈیوڈ نے پوچھا۔

میں کروں گی۔

یہ تو بڑا چیلنج ہے، دو مردوں کے لیے۔۔۔۔۔۔۔ان کے ہوتے ہوئے تم ڈرائیونگ کرو۔

بس۔۔۔۔۔۔۔بس۔۔۔۔۔۔دقیانوس بننے کی کوشش نہ کرو۔پاری نے منہ بنالیا۔میں نے اکثر دیکھا ہے، اگر کوئی عورت ڈرائیونگ کر رہی ہو تو مرد، اسے بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں لیکن اگر اپنے گھر کی عورت کے ہاتھ میں چابی ہو تو برداشت نہیں کر سکتے۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 11

غضب خدا کا۔ یہ کیا کہہ رہی ہو، سوچا بھی ہے؟
کس کے گھر کی عورت ہو تم؟
ابھی تو صرف اپنے گھر کی ہوں۔
پاری نے مڑ کر اگلا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔
اس نے دیکھا دونوں تذبذب کے عالم میں کھڑے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی گاڑی کا دروازہ کھولنے میں پہل نہیں کر رہا تھا۔
پاری نے سر نیچے کر کے شرارت سے ڈیوڈ کو دیکھا۔۔۔۔۔۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔ غزالی آپ آگے آجایئے۔
ڈیوڈ پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔۔۔۔۔۔ اور شیشے میں پاری کو اس طرح گھورا جیسے کہہ رہا ہو۔۔۔۔۔ ہوں، میں تمہیں مزا چکھاؤں گا۔
جب گاڑی سینما کے پارکنگ لان پر رکی تو غزالی جلدی سے اترتے ہوئے بولا۔
میں ٹکٹیں لے کر آتا ہوں۔
نہیں، غزالی بھائی! یہ میرا فرض ہے۔ میں آپ دونوں کو لایا ہوں۔
ٹھہر جاؤ۔۔۔۔۔۔ اچانک پاری نے اس طرح بلند آواز میں کہا جیسے انگریزی فلموں کی ہیروئن، ہاتھ میں ریوالور لیے، ہاتھ اٹھانے کا حکم دیتی ہے۔
دونوں کے قدم رک گئے۔
ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش نہ کریں۔ ذرا بکنگ والی کھڑکیوں کی طرف بھی دیکھ لیں۔
دونوں نے دیکھا۔ بے تحاشا رش تھا۔ گیٹ تک لمبی قطاریں بنی ہوئی تھیں۔۔۔۔۔۔ جب کہ عورتوں والی کھڑکی پر صرف چار، پانچ عورتیں کھڑی تھیں۔
اب آیا عقل شریف میں؟
یہ فریضہ بھی مجھے ہی سرانجام دینا پڑے گا۔
دونوں بے بسی سے ہنس دیئے۔
پاری ٹھپ ٹھپ کرتی گئی اور دو منٹ میں ٹکٹیں لے کر آگئی اور تینوں گاڑی لاک کر کے اوپر چلے گئے۔
اتفاق سے انہیں کونے والی سیٹیں ملیں۔۔۔۔۔ وہاں بھی یہی مسئلہ درپیش تھا کہ کون کہاں بیٹھے۔۔۔۔۔ پاری نے یہاں بھی ذہانت سے کام لیا۔ وہ خود ہی درمیان والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ غزالی ایک طرف اور دوسری طرف ڈیوڈ بیٹھ گیا۔
ڈیوڈ اور پاری، ایک دوسرے کو کچوکے لگاتے رہے مگر غزالی صرف مسکراتا رہا۔۔۔۔۔۔ اسے پاری کے اس قدر قریب بیٹھنا ہی بہت اچھا لگ رہا تھا۔
فلم شروع ہوئی تو سناٹا چھا گیا۔ پورا ماحول متحرک روشنی میں ڈوب گیا۔
ابھی آدھا گھنٹا ہی گزرا ہوگا کہ پاری نے محسوس کیا کہ غزالی نے اپنا ہاتھ، اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اتفاق سے اس وقت اس کا ہاتھ کرسی کے ہتھے پر رکھا ہوا تھا۔
اسے غزالی کی اس جرات پر بڑی حیرت ہوئی۔۔۔۔۔۔ وہ اس طرح بے تکلفی سے بیٹھی تھی کہ غزالی کو اس کی طرف دیکھنے کی ہمت بھی نہ پڑتی۔
لمحہ بھر وہ سن سی بیٹھی رہی۔
اس نے سوچا۔۔۔۔۔۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ کہیں غزالی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے۔۔۔۔۔۔ اس لیے اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ بلکہ ذرا سا پرے سرک کر بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔ اور سوچنے لگی کہ اس حوصلہ شکنی کے بعد، غزالی اب کوئی جرات نہیں کر سکے گا۔۔۔۔۔۔ اور مجھ سے آنکھ ملا کر بات بھی کرے گا۔ ویسے ہی اس بے چارے کی جان ہوا ہوئی رہتی ہے۔ پتہ نہیں اتنی جرات اس نے کیسے کر لی؟ اچھا کیا میں نے، اس سے ہاتھ چھڑا لیا۔۔۔۔۔ اور پھر اسے کیا حق ہے کہ میرا ہاتھ پکڑے؟ کون سا میں اس کی محبت میں مری جا رہی ہوں۔
اگر شادی ہو جائے تو خیر دوسری بات ہے۔
تھوڑی دیر بعد، وہ بے فکر ہو کر فلم دیکھنے لگی۔۔۔۔۔۔ وہ گود میں ہاتھ رکھے بڑی محویت کے ساتھ فلم کے دلدوز مناظر دیکھ رہی تھی۔ اچانک اسے محسوس ہوا جیسے ایک گرم تپتا ہوا شکنجہ آیا ہے۔ اور اس کے ہاتھ کو دبوچ لیا ہے۔

جب اس کے اوسان ٹھیک ہوئے تو معلوم ہوا کے اس کا ہاتھ، غزالی کے ہاتھ میں ہے ۔۔۔۔۔۔اور اب اس کا ہاتھ گود میں نہیں ، بلکہ غزالی کی گود میں ہے ۔

اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی ۔ اس نے کافی دیر زور لگایا مگر اس طرح نہیں کہ اس زور آزمائی کو ڈیوڈ بھی محسوس کر لے ۔۔۔۔۔ اپنے طور پر وقفے وقفے سے وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی رہتی ۔۔۔۔ مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ مرد کی گرفت کیا ہوتی ہے ۔۔۔ غزالی کے ہاتھوں کا دباؤ کہہ رہا تھا کہ اب وہ ہاتھ نہیں چھڑا سکتی ۔

پاری کو الجھن ہونے لگی ۔ ساری محویت ٹوٹ گئی ۔۔۔۔۔۔ غصہ بھی آ رہا تھا اور دھڑکنیں بھی تیز ہو گئی تھیں لیکن سچویشن ایسی تھی کہ نہ تو وہ غصے کا اظہار کر سکتی تھی اور نہ ہی اٹھ کر باہر جا سکتی تھی ۔۔۔۔ دوسری طرف ڈیوڈ بیٹھا ہوا تھا جو شکرے کی سی نظر رکھتا تھا اگر اسے پتہ چل جاتا تو اس کا جینا دوبھر کر دیتا ۔

پاری عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی ۔

پھر اسے محسوس ہوا کہ غزالی اپنے ہاتھوں سے وہ کچھ کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو وہ زبان سے نہیں کہہ سکتا ۔۔۔۔۔ یہ جان کر پاری کو حیرت ہوئی کہ ہاتھوں کی بھی زبان ہوتی ہے ۔۔۔۔۔ اور وہ مرد چپ چاپ اور سادھو سے نظر آتے ہیں، کتنے منہ زور جذبے رکھتے ہیں ۔

اس ایک لمحے میں پاری نے عورت بن کر غزالی کے بارے میں سوچا ۔

اب تک وہ زندگی کے بارے میں مرد بن کر سوچتی رہی تھی ۔ بچپن ہی سے عادت تھی ۔ آج ایک لمحے کے لیے عورت بنی تو اسے محسوس ہوا کہ اسے غزالی کی یہ حرکت زیادہ بری نہیں لگی ہے ۔ گو غزالی نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کی مدافعت روک کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ مرد ہے اور اس سے زیادہ قوی ہے ۔

پھر پاری کا ہاتھ غزالی کے ہاتھ میں رہا تھا ۔ وہ کسماتی رہی لیکن احتجاج نہ کر سکی ۔

فلم ختم ہوئی تو تینوں نیچے آ گئے ۔

خلاف عادت پاری بالکل خاموش تھی ۔ ویسے ان دونوں پر تو فلم کا اثر تھا لیکن پاری پر دوسرا ہی اثر تھا ۔ وہ فلم ڈھنگ سے دیکھ ہی نہیں سکی تھی ۔

جوں ہی تینوں گاڑی کے قریب پہنچے ۔ غزالی نے آگے بڑھ کر پاری کے آگے ہاتھ پھیلا دیا ۔ چابی مجھے دے دو ۔

پاری پوچھنا چاہتی تھی کون ہوتے ہو، چابی مانگنے والے؟ میں تمہیں لے کر آئی ہوں تو خود ہی لے کر بھی جاؤں گی ۔۔۔۔ مگر جب اس کی نظر، غزالی کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر پڑی تو لوٹ نہ سکی ۔

پتہ نہیں اس کے ہاتھ میں کیا بات تھی کہ وہ اس کی ہتھیلی کو غور سے دیکھنے لگی ۔۔۔۔ تھوڑی دیر قبل، اسی ہاتھ نے اس کے حضور کی گستاخی کی تھی ۔۔۔۔۔ مگر وہ کتنی بے بس ہے کہ اس کے ہاتھ کو گستاخی کی سزا نہیں دے سکتی ۔

اس نے خاموشی سے، چابی غزالی کے ہاتھ پر رکھ دی ۔

غزالی نے پہلے گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر، پاری کو بیٹھنے کا اشارہ کیا جب وہ بیٹھ گئی تو اس نے ڈیوڈ کے لیے پچھلا دروازہ کھولا اور گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا ۔

کار اسٹارٹ ہو گئی ۔۔۔۔۔ صرف اتنا سا لمس، مرد کو جگا کر، اس کی تمام قوتوں کو بیدار کر دیتا ہے ۔

پاری حیران تھی ۔۔۔۔۔۔ کہ غزالی نے جب تک اسے چھوا نہیں تھا ایک سہما ہوا چوہا نظر آتا تھا ۔۔۔۔۔۔ اور اب انتہائی دلیر اور بے باقی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا ۔۔۔۔۔ اور ساتھ ہی خوب چہک بھی رہا تھا ۔

کیا محبت میں اتنی طاقت ہے؟ اس نے کنکھیوں سے غزالی کی جانب دیکھا ۔

بھئی! مجھے تو آج یوں محسوس ہو رہا ہے ۔۔۔۔۔ جیسے کباب میں ہڈی بن گیا ہوں ۔ ڈیوڈ بولا ۔ جادوئی انداز میں سیٹیں بدل گئی ہیں ۔۔۔۔ اور پراسرار انداز میں مسکراہٹوں کے تبادلے ہو رہے ہیں ۔

ڈیوڈ ۔۔۔۔ تم ہمیشہ بے تکی بات کرتے ہو ۔ پاری نے ایک دم چور کی داڑھی میں تنکا والا انداز اختیار کیا ۔

نہیں، مسٹر ڈیوڈ ایک بہترین دوست ہیں ۔ مجھے ان کی طبیعت بہت پسند آئی ہے ۔ غزالی نے نرم لہجہ میں کہا ۔

شکریہ غزالی ۔۔۔۔۔ دراصل اچھے لوگوں کو صرف اچھے لوگ ہی پہچان سکتے ہیں ۔ چلیں، کہیں چل کر کچھ کھاتے ہیں ۔ غزالی مسرور انداز میں بولا ۔

ہاں، یہ تجویز ٹھیک ہے ۔ ڈیوڈ نے جلدی سے تائید کی ۔

مگر دیر ہو جائے گی ۔۔۔۔۔ امی پریشان ہوں گی ۔

پاری نے کہا ۔

جب آپ آدھی آدھی رات تک اپنی سہیلیوں کے ہاں بیٹھی رہتی ہیں، تب آپ کی امی پریشان نہیں ہوتیں ۔

ڈیوڈ آنکھیں نکال کر بولا ۔

بھی، میں ہمیشہ بتا کر جاتی ہوں۔

اب بھی انہیں معلوم ہے کہ تم، دو ذمے دار افراد کے ساتھ ہو۔

پاری خاموش ہوگئی۔ اس نے ڈیوڈ سے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔۔۔۔۔۔۔پھر تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رک گئی۔

گھر آتے آتے، رات کے گیارہ بج گئے۔ پاری چاہتی تھی جب وہ گھر میں داخل ہو تو اس کی امی پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جائیں۔ تیز تیز سوال کریں، کچھ برا بھلا کہیں۔۔۔۔۔۔مگر آج انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ پاری، پرس جھلاتی ہوئی ٹی۔وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ ارادتاً تھوڑی دیر کے لیے امی کے پاس رک گئی۔ ان کے ساتھ ہی صفیہ پھوپھو بیٹھی ہوئی تھیں۔ پھوپھو تو اسے دیکھتے ہی نہال ہو جاتی تھی۔ آج امی کی نگاہوں میں بھی تجسس اور تلخی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔یہ دونوں پھر ٹی۔وی دیکھنے لگیں۔

پاری کے پیچھے، غزالی اور ڈیوڈ داخل ہوئے۔

ہیلو، آنٹی۔۔۔۔ڈیوڈ حسب عادت ادھر ادھر کی ہانک کر سب کو ہنسانے لگا۔ غزالی نے ایک مناسب سیٹ ڈھونڈی اور ٹی۔وی کے سامنے بیٹھ گیا۔

پاری نے چاروں طرف دیکھا۔۔۔۔۔اور پھر ایک دم اس کا اپنے کمرے میں جانے کو دل چاہا۔

پاری کو جاتے دیکھ کر، ڈیوڈ نے بھی اجازت چاہی۔

بیٹھو بیٹے! وحیدہ عرفان نے محبت سے کہا۔

بس، آنٹی! اب چلوں گا۔ ممی انتظار کر رہی ہوں گی۔ پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔

کھانا کھا کے جاؤ، بیٹے!

آنٹی، کھانا تو ہمیں آج غزالی بھائی نے کھلا دیا ہے۔

اچھا۔۔۔۔۔وحیدہ عرفان نے گردن گھما کر غزالی کی طرف یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں شاباش! بڑے جیالے نکلے تم!

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 12

پکچر کے بعد، غزالی بھائی ہمیں زبردستی ایک چائنیز ریستوران میں لے گئے تھے۔ اسی لیے تو دیر ہوگئی۔
اور وحیدہ عرفان نے اس طرح سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہوں ایسے موقعوں پر بچوں کو لیٹ ہو جانا چاہیے۔
ڈیوڈ! ابھی تک کھڑا تھا۔ اس نے دوبارہ اجازت چاہی۔۔۔۔۔۔۔۔ اور سب کو سلام کر کے اپنے گھر چلا گیا۔
پاری نے اپنے کمرے میں جا کر، اندر سے دروازہ بند کر لیا۔
پہلے کپڑے بدلے اور پھر ایک چھوٹے سے کیسٹ ریکارڈر پر ایک ٹیپ چڑھا کر، بستر پر دراز ہوگئی۔
اڑتی چڑیا کو غلیل مارنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ ہمیشہ نشانہ خطا ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ وہ اڑتی چڑیا ضرور بنی تھی مگر غمالی کے ہاتھ میں غلیل نہ تھی پھر بھی وہ، اس کا نشانہ باندھتا پھر رہا تھا۔ اگر وہ زخمی ہو جاتی تو پھڑک کر نیچے گر جاتی۔۔۔۔۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔۔۔۔۔۔ جبکہ وہ ایسے ہی کسی حادثے کی تمنائی تھی۔ وہ اصل گھوڑے کی مانند نہیں تھی جسے بچپن سے سدھایا جاتا ہے اور اس کی باگیں کسی بھی مالک کے ہاتھ میں پکڑا دی جاتی ہیں وہ تو سرکش گھوڑا تھی کہ سواری کے لیے اسے تسخیر کرنے میں بسا اوقات ہنٹر بھی چلانا پڑتے ہیں زخم بھی کھانا پڑتے ہیں مگر اپنی قوت مدافعت کو آزمانا بڑا کارنامہ ہے۔
یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ ایک لڑکی تمہارے پاس آ کر بیٹھ جائے اور تم اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ یہ تو کوئی بھی لڑکا کر سکتا ہے۔ جبکہ ایک ذمہ دار آفیسر تھا۔ تقریباً تیس سال کی عمر ہوگی، اس کی۔ اس میں خود اعتمادی اور پختگی کا ہونا ضروری ہے اتنا بڑا آدمی ہو کر ایسی چھچھوری حرکت۔۔۔۔۔۔
مگر دیکھنا یہ ہے کہ حرکت کوئی سی بھی ہو اس کے پیچھے کون سے عوامل کام کر رہے ہیں۔۔۔۔۔؟
حالانکہ لڑکیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ جذباتی ہوتی ہیں۔ یہ آج کل کے لڑکے بھی ذرا ذرا سی بات پر جذباتی ہو جاتے ہیں۔
اور پھر تھوڑی دیر بعد پاری نے کروٹ بدلی اور دوسری طرح سوچنا شروع کر دیا۔ غزالی نے ایسی کوئی بری حرکت نہیں کی تھی۔ وہ جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، اس کے آگے اظہار تمنا کا حق رکھتا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے زبان سے اقرار نہ کیا کسی اور طریقے سے کر دیا۔۔۔۔۔ مگر پاری کو تو اظہار محبت گھن گرج کے ساتھ پسند تھا۔ ایسی شرمیلی اور گھٹی گھٹی محبت کی وہ قائل نہ تھی۔
مرا اپنا استحقاق اور طاقت استعمال کرے، حتیٰ کہ لڑکی کا دل و دماغ بدل جائے۔۔۔۔۔ بہر حال، غزالی اچھا آدمی ہے۔ اگر ماں باپ نے شادی کر بھی دی تو کیا۔۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔ آخر ایک دن کسی نہ کسی سے تو شادی کرنا ہی ہے۔
صبح، پاری دیر تک سوتی رہی پھر اٹھی اور ناشتہ کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔ یہ شرم نہیں تھی اور نہ ہی نفرت۔۔۔۔۔ مگر غزالی کا سامنہ نہیں کرنا چاہتی یا شاید غزالی کے چہرے پر فتح مندی کے اجالے نہیں دیکھنا چاہتی کیونکہ عام طور پر یہ مرد سمجھتے ہیں کہ ہر لڑکی گویا انہی کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ذرا آگے بڑھ کر اس پر ہاتھ رکھ دیں تو سر جھکا لے گی۔
اور اگر وہ سر اٹھا بھی دے تو کس برتے پر؟ اس کے سامنے تو کوئی دوسرا راستہ ہی نہ تھا۔
وہ پیٹھ موڑے کھڑی، اپنی بک شلف میں سے کتابیں نکال نکال کر دیکھ رہی تھی کہ ایک دم اس کے کمرے میں دروازہ کھلا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو غزالی اندر آ رہا تھا۔۔۔۔۔ مگر اندر آ کر بھی وہ دروازے کے پاس کھڑا رہا۔
پاری کا دل دھڑک اٹھا لیکن اس نے منہ پھیر لیا۔۔۔۔۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ سوالیہ نشان بن کر، اس کی طرف دیکھتی رہے یا اسے اذن تکلم دے یا اپنے چہرے پر کوئی ایسا تاثر لائے، جس کی وجہ سے غزالی جرات اور بے باکی سے کام لے۔ وہ ویسے بھی غزالی کی محبت کا امتحان لینا چاہتی تھی۔
اس کے اس طرح منہ موڑ کر کھڑے ہونے سے غزالی بوکھلا گیا۔
کھنکھار کر رکتے ہوئے بولا۔ مجھے کوئی اچھی سی کتاب دے دو، پڑھنے کے لیے۔
انتہائی بے وقوفی! پاری نے سوچا۔ یہی لمحہ تھا جب یہ اچانک مجھ سے مجھی کو مانگ سکتا تھا۔ مگر میرے پاس تو ساری میڈیکل کی کتابیں ہیں۔ یہ کہہ کر پاری نے اپنا رخ اس کی طرف پھیر لیا۔
جب کبھی تمہارا پڑھنے کو دل چاہتا ہے تو کیا پڑھتی ہو؟
یہ شغل ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اسکول یا کالج سے فارغ ہو چکے ہوں۔ ہمیں تو کبھی کتابوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ کسی اور کتاب کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔
اب پاری نے نگاہیں براہ راست غزالی کے چہرے پر ٹکا دیں۔ وہ بے پرواہ ہوگئی تھی اور غزالی زیادہ بوکھلا گیا تھا۔
جب تم پڑھ پڑھ کر تھک جاتی ہو تو کیا کرتی ہو؟

بستر پر لیٹ کر کیسٹ سنا کرتی ہوں۔
اچھا۔ اچھا۔۔۔۔۔وہ مسکرایا۔ مجھے بھی موسیقی سے لگاؤ ہے۔
پاری نے منہ موڑ لیا۔ اس کی طرف پیٹھ کر کے یوں کھڑی ہوگئی جیسے کوئی انتہائی ضروری کتاب ڈھونڈ رہی ہو۔
بڑے سستے ہتھکنڈے ہیں۔ پاری نے سوچا۔۔۔۔اب یہ اپنی پسند، میری پسند کے ساتھ ملانے کی کوشش کرے گا۔
حالانکہ۔۔۔۔۔۔
پھر اسے غصہ آنے لگا۔۔۔۔اس کے لمبے لمبے بال، اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ کس قدر بے وقوف آدمی ہے۔ اس نے دل میں سوچا۔
قریب بھی نہیں آسکتا۔ میرے بالوں کو چھو کر قسم بھی نہیں کھا سکتا۔ بے تاب بھی نہیں ہوسکتا۔ حوصلے کا خود پہن کر دور کھڑا ہے۔ محبت کا حوصلے سے کیا تعلق خود پہن کر محبت نہیں کی جاسکتی، جنگ لڑی جاسکتی ہے۔۔۔۔اتنا بھی نہیں جانتا۔
ذرا قریب تو آ کے کھڑا ہوتا۔۔۔۔۔ مجھے میرے بالوں سے جکڑ کر بے بس تو کرتا مجھے خونخوار نظروں کے شکنجے میں کس کے صاف بتا دیتا۔۔۔۔کہ لے جاؤں گا، یہاں سے اٹھا کے۔۔۔۔۔۔
افوہ۔۔۔۔۔۔۔
اس کا دل چاہ رہا تھا۔۔۔۔کہ ساری موٹی موٹی کتابیں اٹھا کے اس کے سر پر دے مارے۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ عاشق اتنے بزدل کیوں ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کی طرح سوچتے اور ڈرتے رہ جاتے ہیں۔
نالائق۔۔۔۔۔۔۔۔۔
ہلکے۔۔۔۔۔
مڑ کر دیکھا تو غزالی جا چکا تھا۔
بس۔۔۔۔۔۔۔۔
پاری کو بے حد غصہ آ گیا۔
اسی وقت وحیدہ عرفان کمرے میں داخل ہوئیں اور پاری کو غور سے دیکھ کر بولیں۔
میں تم سے ایک ضروری بات کہنے آئی ہوں۔
جی۔۔۔۔۔۔۔۔ پاری نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب رکھ دی۔
آج تمہاری پھوپھو صفیہ جا رہی ہیں۔
پھر وہ رک گئیں۔
تو میں نے کب انہیں جانے سے روکا ہے؟
وحیدہ عرفان نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔۔۔۔۔۔ تھوڑی دیر چپ رہیں پھر بولیں۔ وہ کافی عرصے سے غزالی کے لیے کہہ رہی ہیں یعنی تمہارا رشتہ مانگ رہی ہیں۔
میں بھی کافی عرصے سے سن رہی ہوں۔ پاری نے دل ہی دل میں کہا۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر ماں کے سامنے خاموش کھڑی رہی۔ یہ مائیں ایسے سوچنے کا موقع دیتی ہیں، جب سوچنے کی بجائے غصہ آنے لگتا ہے۔
میں نے اس مرتبہ۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ رکتے رکتے بولیں۔ اپنی رضامندی دے دی ہے۔
گویا میری نہیں، آپ اپنی شادی کر رہی ہیں۔ پاری کا دل چاہا کہ بے اختیار کہہ دے۔ اس نے بمشکل اپنے آپ کو روکا۔ ماں کو غصہ دلانے کا موقع نہیں تھا۔
کیا مطلب؟
اس نے جز بز ہو کر پوچھا۔
تمہارے ابو سے بھی بات ہوگئی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ تمہاری شادی غزالی سے کریں گے۔
مگر ابھی تو میرے دو سال باقی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ اور میں، ڈاکٹر بنے بغیر شادی نہیں کروں گی۔ پاری نے رومانسی آواز میں کہا۔
آہستہ بولو۔۔۔۔۔۔۔۔ وحیدہ عرفان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ باہر تمہاری پھوپھی بیٹھی ہیں۔
تمہیں امتحان دینے کا موقع دیا جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔ میں صرف یہ بتانے آئی تھی کہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔
جی۔۔۔۔۔۔۔۔ پاری نے ایک ٹھنڈی سانس لی، فیصلے خود کرتے ہیں اور خوشیاں بھی خود ہی مناتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر نہ جانے ہمیں کیوں سنانے کے لیے آجاتے ہیں۔
آج صفیہ پھوپھو جا رہی تھیں۔ بار بار پاری کو بلا کر پیار کرتیں ماتھا چومتیں اور سینے سے لگا لیتیں۔ صفیہ پھوپھو،

عرفان اللہ کی اکلوتی بہن تھیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ یوں تو ان کے دو بڑے بھائی امان اللہ اور ظفر اللہ بھی تھے مگر وہ عرفان اللہ کو بہت چاہتی تھیں ۔ ہمیشہ اپنا ہر مسئلہ لے کر ان کے پاس آتی تھیں ۔ ان کے شوہر، کافی عرصہ ہوا، فوت ہو گئے تھے تب سے بھائی نے اپنی بہن کے سر پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

اب وہ محبت کے اس رشتے کو اور گہرا کرنا چاہتی تھیں ۔ پتہ نہیں انہیں اپنے بھائی سے زیادہ محبت تھی یا اپنے اکلوتے سپوت سے والہانہ عشق تھا، دونوں کے درمیان پاری آجاتی تھی ۔ پاری کی عادت اور شکل وصورت اپنے ابا سے ملتی تھی مگر صفیہ پھوپھو تو اس گھر سے اپنے روابط زیادہ گہرے اور مضبوط کرنا چاہتی تھیں ۔ یہ اور بات ہے کہ غزالی نے بھی اسے پسند کر لیا تھا ۔ پہلے صفیہ پھوپھو نے نیک پر نظر رکھی ہوئی تھی مگر وحیدہ عرفان نے جلدی ہی اسے اپنے بھانجے سے بیاہ دیا تو صفیہ پھوپھو کی نگاہ آپ ہی آپ پاری کی جانب اٹھ گئی ۔ پاری اور غزالی کی عمروں میں کافی فرق تھا مگر خاندان میں صرف اچھے لڑکے دیکھے جاتے ہیں ۔

غزالی بڑا اچھا، دھیما اور فرمانبردار لڑکا تھا ۔ بیوہ ماں کی کاوشوں کی اس نے لاج رکھ لی تھی ۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تھا ۔ دیکھنے میں خوبرو تھا ۔ اس میں کوئی ایسی خامی نہیں تھی کہ وحیدہ عرفان اس میں کیڑے ڈال کر اسے مسترد کر دیتیں اور نہ ہی وحیدہ عرفان اپنے سسرالی رشتے داروں سے خواہ مخواہ کا بیر رکھتی تھیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر صفیہ پھوپھو بڑی نیک تھیں ۔ جوانی ہی میں تہجد گزار ہو گئی تھیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ مہینوں، ان کے گھر رہتیں تھیں مگر کسی بات پر ناک بھوں نہیں چڑھاتی تھیں اور نہ بھائی کے کان بھرتی تھیں ۔

بس، اٹھتے بیٹھتے اپنی شوخ وچنچل بھتیجی پر نثار ہوتی رہتیں کبھی کبھی وحیدہ عرفان غصہ میں کہہ دیتیں ۔

پتہ نہیں اس لڑکی کو کب عقل آئے گی، صفیہ؟ میں تو اس کی حرکتوں سے عاجز آ گئی ہوں ۔ تو صفیہ پھوپھو مسکرا کر، اس کے لمبے لمبے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگتیں ۔ اور آنکھوں میں محبت کے چراغ جلا کر کہتیں ۔

سب ٹھیک ہو جائے گا، اس عمر میں لاڈلی بیٹیاں اسی طرح بے پرواہو جاتی ہیں ۔ اپنے گھر کی ہو گی تو ساری ذمہ داریوں کا ہوش آ جائے گا ۔ اس پر پاری کا دل بل کر کباب ہو جاتا ۔

کس قدر چالاک اور عیار ہوتے ہیں یہ بزرگ ۔۔۔۔۔۔۔۔ سر پہ ہاتھ پھیر رہے ہوں یا نظروں سے تول رہے ہوں، اپنا پیغام دینے سے باز نہیں آتے ۔ گویا پھوپھو کا خیال ہے کہ جب وہ مجھے بیاہ کر لے جائیں گے ٹھیک ہو جاؤں گی ۔

مگر مجھ میں خرابی کیا ہے ؟ میں تو بالکل ٹھیک ہوں، انسان ہوں اور زندہ انسان کی طرح رہتی ہوں ۔۔۔۔۔۔۔۔ میں منافقت نہیں کرتی ۔ جو بہت سی لڑکیوں کا خاصا ہے ۔ بزرگوں کو دیکھتی ہیں تو پھر سر پر دوپٹہ لیتی ہیں، یوں جھک کر چلنے لگتی ہیں جیسے فرش پر ان کا بندہ گر گیا ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔

آخر کیوں ۔۔۔۔۔۔۔۔؟

میں منافق نہیں ہوں ۔ دوپٹہ اوڑھنے کو دل نہیں چاہتا تو نہیں اوڑھتی ۔۔۔۔۔۔۔۔ جینز پہننے کو دل چاہتا ہے، پہن لیتی ہوں ۔ اگر یہ لباس میری کسی پھوپھی، چچی یا ممانی کو برا لگتا ہے تو بلا سے، لگا کرے، اب عام لڑکیوں کی طرح میں تو یہ نہیں کر سکتی کہ جب اعتراض کرنے والے رشتے دار گھر آئیں تو میں سب فیشن ایبل ملبوسات اٹھا کر الماریوں میں بند کر دوں اور ان کو دکھانے کے لیے نمازیں پڑھنا شروع کر دوں ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ تو منافقت ہے، بھئی ۔۔۔۔۔۔۔۔ میں سب کچھ کر سکتی ہوں مگر منافقت نہیں کر سکتی ۔

مجھے گھر کے کاموں سے بالکل دلچسپی نہیں ۔ دنیا میں کروڑوں عورتیں پیدا کی گئی ہیں جو صرف باورچی خانوں کو سنبھالتی اور بچوں کو پالتی ہیں ۔ آخر ہر عورت کے بارے میں یہ کیوں سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ صرف کھانا پکانے اور بچے پیدا کرنے کے لیے دنیا میں بھیجی گئی ہیں ۔

وحیدہ عرفان چلاتی رہ جائیں ۔ کوئی کام اس کے ذمے لگا کر وہ کبھی مطمئن نہیں ہوتیں تھیں ۔ باورچی خانے میں گھسنے سے تو اسے ازلی بیر تھا ۔ اگر کبھی خانساماں چھٹی پر چلا جاتا تو وہ صاف کہہ دیتی ۔

امی ! میں سارے گھر میں جھاڑوں لگا دوں گی، کپڑے استری کر دوں گی ، آپ کی نٹنگ کر دوں گی ۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر خدارا، کھانا نہ پکوائیں مجھ سے ۔

اس بات سے وحیدہ عرفان بہت پریشان رہتی تھیں ۔ عورت خواہ ڈاکٹر ہو، پروفیسر ہو یا انجینئر، گھر داری تو اسے بہر حال آنا چاہیے ۔۔۔۔۔۔۔۔ اس زمانے میں جبکہ عورتوں سے خود باہر کی ذمے داریاں سنبھال لی ہیں اور مردوں کے مقابل آ کھڑی ہوئی ہیں تو بھی انہیں گھر سے کہاں چھٹی مل گئی ہے ۔ گھر کی تمام ذمہ داریاں، اب بھی ان عورتوں کے کندھوں پر ہیں اور ان کے شوہر بڑبڑاتے نظر آتے ہیں ۔ وہ چاہتے ہیں کہ عورت دفتر یا اسپتال میں کام کرنے کے باوجود گھر کی دیکھ بھال کرے، کھانا پکائے اور بچوں کو سنبھالے ۔

وہ بڑی سادگی سے صفیہ پھوپھو کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیتی اور وحیدہ عرفان دل مسوس کر رہ جاتیں اور

جب وہ معذرت طلب نظروں سے صفیہ پھوپھو کی طرف دیکھتیں تو صفیہ پھوپھو بڑی آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ کہتیں۔

اسے برا بھلا نہ کہا کرو حمیدہ! کیا خبر، اس کے نصیب میں یہ سب کام نہ ہوں ضروری تو نہیں کہ ہر عورت ہی چولہا چوکا کرے۔۔۔۔۔۔۔۔اور پھر آرزومندی کراہ کے ساتھ کہتیں۔ہم کس لیے ہیں؟ جب تک جیتے ہیں کچھ نہ کچھ تو کرتے ہی رہیں گے، ان بچوں کو ہنسنے کھیلنے کی مکمل آزادی ہونا چاہیے۔

اس وقت پاری کا دل چاہتا کہ وہ صاف کہہ دے۔۔۔۔۔۔۔۔پھوپھو جان! کسی خوش فہمی میں نہ رہیے گا۔مجھے، آپ کے فرزند ارجمند سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میں تو آگ ہوں، آگ۔۔۔۔۔۔۔۔شرارہ ہوں، شعلہ ہوں۔ جس کے دامن میں گروں گی اسے جلا کر بھسم کر دوں گی۔اپنے اکلوتے بچے کی خیر منایئے۔۔۔۔۔۔۔۔مگر وہ، امی کے خوف سے کچھ بھی نہ کہتی اور اٹھلاتی ہوئی اٹھ جاتی۔

غزالی ایک ایسا شہتیر تھا جو اس کر سر پر لٹک رہا تھا وہ جانتی تھا، کسی دن یہ شہتیر اس کے سر پر آگرے گا پھر سارے راستے۔۔۔۔۔۔۔۔مسدود ہو جائیں گے۔

کیا وہ غزالی کو ناپسند کرتی ہے؟

اس نے اپنے دل سے کئی بار پوچھا تھا۔

نہیں تو۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے دل نے ہمیشہ جواب میں کہا تھا۔

پھر وہ اچھا کیوں نہیں لگتا؟۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے نام پر دل میں ہلچل کیوں نہیں ہوتی؟ اور سامنے آتا ہے تو قوس قزح کے سارے رنگ آنکھوں میں کیوں نہیں ناچتے؟

آخر کار شتہ تو ہے بھی بڑا رومانٹک۔۔۔۔۔۔۔۔ایک عرصے سے وہ خاموش نظروں کی کمند ڈالے بیٹھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔کب سے وہ اس کے سامنے اس کا مذاق اڑاتی چلی آرہی ہے۔

شاید اس لیے کہ کوئی چیز اسے بن مانگے مل رہی تھی۔وہ کوشش سے حاصل کرنا چاہتی تھی یا چھین لینے کی قائل تھی اور غزالی اسے کسی محنت، کسی کاوش کے بغیر مل رہا تھا۔

اس نے بہت غور کیا۔غزالی میں کوئی خرابی نہیں تھی۔دیکھنے میں ٹھیک ٹھاک تھا۔شاید شادی سے پہلے ایسا ہی ہوتا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔وہ جذباتی سا آگ لگانے والا تعلق شادی کے بعد پیدا ہوتا ہوگا۔

خیر، جب امی نے یہ سنا دیا کہ اس کی شادی غزالی سے کرنے کا فیصلہ ہو گیا ہے تو پھر اس نے بھی اسے اللہ کی مرضی کہہ کر قبول کر لیا۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے سوا اور کرتی بھی کیا۔

شوخ و چنچل تو ضرور تھی، تھوڑی تھوڑی باغی بھی تھی، ہر لڑکے سے بے تکلف ہو جاتی تھی۔دراصل لڑکوں کو وہ یہ بتانا چاہتی تھی کہ وہ ایک روایتی لڑکی نہیں ہے ڈرنے اور جھجکنے والی۔۔۔۔۔۔۔۔نہ کسی کے رعب میں آئے گی۔

مگر فلرٹ قسم کی لڑکی نہیں تھی۔نہ کسی پر بے اختیار اس کا دل آیا تھا۔اس لیے اس نے سوچا کہ صفیہ پھوپھو کا لڑکا ہی سہی۔

اور ابھی تو بیچ میں دو سال تھے۔دو سال میں ایک پودا پروان چڑھ سکتا ہے۔تو غزالی کی محبت دل میں پیدا کیوں نہیں ہو سکتی؟

اس کا امکان تو ہے، اس نے دل میں کہا۔

جس دن سے وہ لوگ پکچر دیکھ کر آئے تھے، غزالی کے رویے میں خاصی تبدیلی آگئی تھی۔بڑے وقار سے مسکراتا اور بڑی معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا کرتا تھا۔کبھی کبھی اس کے کمرے میں بھی آجاتا تھا۔گو اس دن کے بعد سے اس نے کوئی اچھی حرکت نہیں کی تھی مگر ایک قدم آگے بڑھ کر، اس نے بتا دیا تھا کہ میں، تمہارا ہاتھ پکڑ سکتا ہوں، تمہارا شوہر بن سکتا ہوں اور محبت کے خوبصورت جذبوں سے لبریز ہوں۔

اور اب تو وہ اس کا مذاق بھی نہیں اڑانا چاہتی تھی۔اتنا اسے معلوم تھا کہ ان رشتوں میں بہت سی باریکیاں مدنظر رکھتے ہیں جن کا اثر آنے والی زندگی پر پڑتا ہے۔

اگر اسے غزالی سے دھواں دار قسم کی محبت ہو جاتی تو پھر۔۔۔۔۔۔۔۔مسکراتے وقت ان کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلتیں رنگ بار بار سرخ ہو جاتا۔۔۔۔۔۔۔۔اور جب کبھی دروازے کی اوٹ سے نکل آتا تو اس کا دل دھک دھک کرنے لگتا۔

اسی لیے تو وہ سب کے سامنے اس کیساتھ بحث کر لیتی تھی اور جب وہ۔۔۔۔۔۔۔۔کمرے میں آکر بیٹھتا تو اس کے سامنے صوفے پر نیم دراز ہو کر خوب گپ شپ لگا لیتی۔اسے اپنی پسند کے گانے سناتی اور بس۔۔۔۔۔۔۔۔اور بس۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ سوچتی۔۔۔۔۔۔۔۔

پتہ،نہیں وہ کیا چاہتی تھی؟

خیر۔۔۔۔۔۔۔۔اب صفیہ پھوپھو کا بار بار اس سے لپٹنا، اسے برا نہیں لگتا تھا اور اس بار صفیہ پھوپھو کی محبت جو اچھل اچھل کر بیکراں ہو رہی تھی تو اس کی وجہ تھی۔

ابو نے صاف کہہ دیا تھا۔

پاری،تمہاری ہے، جب چاہو، لے جانا۔کیا روز روز منہ بنا کر آ جاتی ہو؟

نہیں بھائی! میں اس کی کوئی خوشی ختم نہیں کرنا چاہتی مجھے تو بس شگن دے دو۔شادی میں اس وقت کر دوں گی جب ۔۔۔۔۔۔۔۔وہ ڈاکٹر کا امتحان دے لے گی۔

امتحان تو شادی کے بعد بھی دیا جا سکتا ہے۔کرنل عرفان نے کہا۔

نہیں بھائی! صفیہ پھوپھو نے سوچتے ہوئے کہا۔شادی کے بعد اور بکھیڑے شروع ہو جاتے ہیں،کوئی بات نہیں صرف دو سال ہی کی تو بات ہے۔

دراصل صفیہ پھوپھو پاری کی طبیعت کو بڑی اچھی طرح سمجھ گئی تھیں اور جانتی تھیں کہ اگر اس کی پڑھائی چھڑوا کر شادی کر دی گئی تو وہ ساری زندگی انہیں معاف نہیں کرے گی۔یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے بیٹے کی زندگی اجیرن کر دے۔ادھر یہ بھی جانتی تھیں کہ غزالی بڑا ضدی ہے۔حالانکہ بظاہر وہ بہت کم گو اور سعادت مند نظر آتا تھا لیکن ضروری نہیں کہ شادی کے بعد پاری کو تعلیم جاری رکھنے کی اجازت دے دے۔

صفیہ پھوپھو دور اندیش تھیں۔وہ زندگی میں ہر قدم سمجھ کر اٹھانے کی قائل تھیں۔اس لیے بھائی سے بولیں۔

مارچ اپریل میں جب بہار کی چھٹیاں ہوں گی میں آ کر شگن لے لوں گی۔

بات طے ہو گئی تھی۔اس لیے جاتے جاتے وہ بار بار پاری کا ماتھا چوم رہی تھیں۔سینے سے لگا رہی تھیں۔ایسے میں پاری بھی بڑی سعادت مند بچی بننے کی کوشش کر رہی تھی،ان کی مدد کر رہی تھی۔ان کا سامان بندھوا رہی تھی۔

انہوں نے جاتے جاتے پاری سے کہا، مجھے خط لکھا کرو گی نا؟

جی۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے گردن ہلا دی۔اسے یقین تھا کہ وہ کبھی انہیں خط نہیں لکھے گی۔پھر وہ آخری بار اسے سینے سے لگا کر باہر نکل گئیں۔

آج پاری کو باہر نکل کر انہیں خدا حافظ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔اندر ہی اندر کھڑی رہی۔زمین کی طرف دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ ایک دم دروازہ کھلا۔۔۔۔۔۔۔اور غزالی کمرے میں داخل ہوا۔حالانکہ وہ سب کے ساتھ باہر جا چکا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔اور آج تو کرنل عرفان اللہ خود انہیں اسٹیشن چھوڑنے جا رہے تھے۔

پاری۔۔۔۔۔۔۔۔وہ اس کے قریب آ کر مسکرایا۔

اس کی مسکراہٹ بڑی پیاری تھی۔

پاری نے نظر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر دیکھتی رہ گئی۔

غزالی نے اس کے کندھے پر اپنا گرم اور مضبوط ہاتھ رکھ دیا اور مسکرا کر بولا۔

کبھی کبھی اگر خط لکھ دیا کروں تو جواب دو گی؟

پاری نے نظریں جھکا لیں۔

اسے جلدی تھی اس لیے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔تم ملتان کب جا رہی ہو؟

اگلے ہفتے۔۔۔۔۔۔۔۔میرے بھی چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں۔

میں ملتان کا ایک چکر لگا لوں؟

ابھی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔پاری جلدی سے بولی۔

کیوں۔۔۔۔۔۔۔۔؟

اسکینڈل بن جائے گا ہوسٹل میں۔

غزالی خوش دلی سے مسکرایا۔جیسے کہہ رہا ہو بننے دو، بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ میری خاطر تم ساری دنیا میں بدنام ہو جاؤ۔بچہ بچہ تمہیں میرے نام سے تنگ کرے۔

اچھا پھر میں دسمبر کی چھٹیوں میں لاہور آؤں گا۔بے وقوف۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے دل میں سوچا۔

بزدل بھی۔۔۔۔۔۔۔۔میں تو یونہی دل میں کہہ رہی تھی کہ اسکینڈل بن جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔آ کر تو دیکھتے۔،ہر لڑکی اپنا چاہنے والا،لوگوں کو دکھا کر خوشی محسوس کرتی ہے۔

غزالی نے ایک بھرپور نگاہ پاری کے چہرے پر ڈالی اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 13

مغرب کی نماز کے بعد جب وہ وحیدہ عرفان برآمدے میں بچھی چٹائیاں اور سفید چادریں اکٹھی کروا رہی تھیں تو مُنا اگروال آ گئیں۔

اب فارغ ہوئی ہو؟ وہ ایزی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

ہاں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وحیدہ عرفان بولیں۔عصر کے وقت سب مولویوں کو بلایا تھا مگر کھانا کھلاتے دیر ہوگئی۔ پہلے انہوں نے کلام پاک ختم کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر نماز پڑھی اور کھانا کھا کر گئے ہیں۔لاؤ کوئی کام ہو تو میں کروا دوں۔

اب تو کوئی کام نہیں مُنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہر سال ختم کرانے کے بعد میں سارا کھانا یتیم خانے میں بھجوا دیتی ہوں۔

بہت اچھا کرتی ہو۔

ویسے تو نذر و نیاز کا تبرک ہمسایوں کے گھر ضرور بھیجنا چاہیے مگر تم نے دیکھا ہوگا، ان ماڈرن کالونیوں میں اب لوگوں کا رہن سہن بدل گیا ہے۔لوگ ان باتوں کے قائل نہیں رہے۔ان کے ہاں کچھ بھیجا جائے تو بڑی حقارت سے نوکروں کو کھلا دیتے ہیں۔

اصل میں وحیدہ! یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں مرغن کھانے کھاتے ہیں اور ہر روز ان کی میز پر کئی کھانے چنے ہوتے ہیں ان کی نیت اور پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔

لیکن مُنا! میں تو سمجھتی ہوں، کبھی کبھی ہمسایوں کے ہاں کچھ پکا کر بھیجنے سے محبت اور شناسائی بڑھتی ہے۔

بہن! یہ اس زمانے کی بات ہے جب مہنگائی اتنی زیادہ نہیں تھی۔اب تو کوئی ڈر کے مارے کسی کے گھر سے اچار تک نہیں مانگتا۔

مہنگائی کے علاوہ ایک اور بھی وجہ ہے، مُنا! لوگوں میں نخرہ بہت آ گیا ہے۔ہر آدمی معیار کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ جب لوگ کسی کالونی میں آ کر آباد ہوتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ ان کا گھر اور ان کی رہائش ساری کالونی سے اعلیٰ ترین ہو، گھر میں یہ بھی ہو، وہ بھی ہو بازاروں میں آئے دن نئی نئی چیزیں اور آرائشی سامان آ جاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لوگ اپنا اسٹیٹس بلند کرنے کے لیے جدید طرز کا سامان خرید لیتے ہیں۔اب یہی دیکھو کہ ہمارے ملک میں وی۔سی آر کی لعنت آ گئی ہے۔لوگوں نے ڈش انٹینا اور وی۔سی۔آر کو اسٹیٹس سمبل بنا لیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر کالونی کے کسی ایک گھر میں کیبل ہو تو باقی لوگ، اسے بڑی رشک آمیز نظروں سے دیکھتے ہیں۔ان کی منتیں کر کے ان کے گھر فلمیں دیکھتے ہیں اور دل ہی دل میں خواہش کرتے ہیں کہ جلد از جلد وہ بھی کسی طرح ان کے معیار کو پہنچیں۔اب یہ پیسہ وہ کسی طرح بھی حاصل کریں۔خرچ کی کسی نہ کسی مد پر تو زد پڑے ہی گی نا؟

ہاں، یہ تو لازمی ہے۔

اسی لیے لوگوں نے خلوص دل سے ایک دوسرے کے ساتھ ملنا بند کر دیا ہے۔گھر میں مہمان آ جائیں تو ان کے ماتھے پر بل پڑ جاتے ہیں۔تواضع کرنے سے ان کی جان جاتی ہے۔یہ سمجھتے ہیں جو پیسہ ان مہمانوں پر یا ان کی تواضع پر خرچ کرنا ہے اس سے ہم اپنے گھر کی کوئی چیز خرید کر اپنے آپ کو زیادہ امیر کیوں نہ ظاہر کریں۔

ہاں، وحیدہ! تم ٹھیک کہتی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہمارے زمانے میں یہ بلائیں نہیں تھیں۔سادہ سے گھر ہوتے تھے گھر میں مہمان آ جاتے تھے تو کتنی خوشی ہوتی تھی۔کبھی کسی کا تردد نہیں ہوتا تھا۔تنخواہیں بھی کم تھیں۔ہنس ہنس کر سب خرچ کرتے تھے۔اپنی حیثیت کے مطابق مہمانوں کی تواضع بھی کرتے تھے۔

خیر مہمان کی تواضع کرنا تو اب آؤٹ آف ڈیٹ ہوگیا ہے۔اللہ بھلا کرے کوکا کولا جیسی چیزیں ایجاد کرنے والوں کا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بس ایک بوتل پیش کی اور سلام کیا۔

ویسے بھی وحیدہ! لوگ اب اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں۔یہ کر لیں وہ کر لیں، یہ خریدیں، وہ بنا لیں۔ان باتوں میں انہیں کسی سے ملنے ملانے کا ہوش ہی نہیں رہتا۔والدین کے قریب نہیں جاتے۔بہن بھائیوں کا حال نہیں پوچھتے۔مُنا نے ٹھنڈی سانس لی۔

اور جس عزیز کا گھر ان کے معیار کے مطابق نہ ہو تو اسے اپنا رشتے دار ہی نہیں کہتے۔وحیدہ عرفان ہنسنے لگیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کی ہنسی میں دکھ کے عناصر زیادہ تھے۔

مُنا! جب میں یہاں کالونی میں کسی کے گھر جاتی ہوں؟ تو ان کے سجے ہوئے چمکدار گھروں کو دیکھ کر میرا دل رونے لگتا ہے۔میں سوچتی ہوں، انہی گھروں نے ہمیں ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے۔پہلے بڑے شوق سے ہم گھر بناتے ہیں پھر خون پسینہ ایک کر کے اسے نوادرات سے سجاتے ہیں اور باقی زندگی ان کی رکھوالی میں ضائع کر دیتے ہیں۔ہر صبح اٹھنا جھاڑ پونچھ کرنا، ایک ایک چیز کا دھیان رکھنا، بچوں کو ان چیزوں سے دور رکھنا اسی بکھیڑے میں شام ہو جاتی ہے اور یہ بھی خیال نہیں آتا کہ ہمسائے میں کوئی بیمار تھا، کہیں موت ہوگئی ہے، جائیں پرسہ دے آئیں

وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں ان باتوں پر بہت کڑھتی ہوں۔
کڑھا نہ کرو۔ بیٹا نے لاپرواہی سے کہا۔ہم نے اپنا زمانہ گزار لیا ہے۔اب تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔یہ تھوڑا وقت ہمیں ہنسی خوشی گزار لینا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہم اس نئے زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتے۔
مگر یہاں کوئی اپنے سجے سجائے گھروندوں سے باہر نہیں نکلتا۔اسی لیے تو کسی نہ کسی کے گھر کا پتہ پوچھو تو وہ دوسرے کا منہ دیکھنے لگتا ہے۔
اس زمانے میں گھر انسانوں سے نہیں نمبروں اور بلاکوں سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔وہ زمانہ گیا جب اسٹیشن پر اترتے ہی آپ کسی شخصیت کا نام لیتے تھے اور تانگے والا آپ کو وہاں پہنچا دیتا تھا۔
ویدہ! آبادی بھی تو کس قدر بڑھ گئی ہے اور اس کے ساتھ مہنگائی کا بڑھنا بھی ضروری تھا۔
ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ دونوں تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئیں۔
وحیدہ عرفان نے ساری سفید چادریں لپیٹ کر میز کے اوپر رکھ دی تھیں۔
پلیٹ میں گری ہوئی اگربتی کی راکھ جھاڑی اور پلیٹ بھی اٹھا کر اوپر رکھ دی۔
پھر آ کر بیٹا اگروال کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔
تم ہر سال میاں جی کا ختم کراتی ہو؟
ان کے اور بھی بیٹے ہیں۔مگر عرفان کہتے ہیں کہ میں جب تک زندہ ہوں ان کے نام پر ختم کراتا رہوں گا۔
بڑی اچھی بات ہے، بیٹا نے کہا۔
وہ یہاں نہ بھی ہوں میں کلام پاک کا ختم کروا کے غرباء میں کھانا تقسیم کر دیتی ہوں۔کل ان کا فون آیا تھا۔کہ وہ نہیں آسکیں گے تو میں نے آج ختم کرا دیا۔
تم یہ اچھا کرتی ہو کہ کھانا غریبوں میں تقسیم کر دیتی ہو۔بیٹا اگروال بولیں۔
بھئی امیر تو روز ہی پلاؤ قورمے کھاتے ہیں۔ہمیں خیرات کی چیزیں تقسیم کر دینا چاہئیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہت سے لوگ ختم کراتے ہیں۔تو بس اپنے دوست احباب کو بلا کر کھانا کھلا دیتے ہیں۔میں دو چار ہمسایوں کو تو ضرور بلا لیتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ثواب میں شامل ہو جاتے ہیں۔آج بھی ایک دیگ میں نے ادھر کی جھونپڑیوں میں بھجوا دی ہے اور دیگیں ملازم یتیم خانے میں لے گئے ہیں۔
واقعی ایسا ہی کرنا چاہیے۔بیٹا اگروال نے کہا اور پاؤں اٹھا کر کرسی پر رکھ لیے۔
غلام رسول۔۔۔۔۔۔۔۔۔!وحیدہ عرفان نے ملازم کو پکارا۔چائے بنا لاؤ۔
پھر بیٹا کی طرف دیکھ کر بولیں۔میں بھی تھک گئی ہوں۔اب اتنا کام نہیں ہوتا، پاری یہاں ہوتو بہت کام کروا دیتی ہے۔اب اس کو بھی ہوسٹل جانا تھا۔
بڈھوں کو بیساکھیوں کے ساتھ چلنے کی عادت ہوتی ہے۔بیٹا اگروال نے ہنس کر کہا اور بیساکھی انہیں اپنے بچوں ہی کی اچھی لگتی ہے۔
اس پر دونوں ہنسنے لگیں۔
غلام رسول چائے لے آیا۔وحیدہ عرفان نے چائے بنائی۔ایک پیالی بیٹا کو دی اور دوسری خود لے لی۔
دونوں خاموشی سے چائے پینے لگیں۔
چائے پیتے بیٹا تمہارے سسر بڑے اچھے تھے۔
ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔وحیدہ عرفان نے اداسی سے کہا۔مجھ سے تو بہت محبت کرتے تھے۔
عام طور پر بزرگوں میں اتنی لچک نہیں ہوتی جتنی میاں جی میں تھی مگر پتہ نہیں کیوں مجھے ان سے بہت ڈر لگتا تھا۔بیٹا نے خالی پیالی رکھ دی۔
ایسے ہی تمہارے دل میں ڈر بیٹھ گیا تھا۔
نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔یاد ہے ایک دن جب ہم سب مغرب کے وقت بیٹھے تاش کھیل رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے تو وہ کس طرح لاٹھی ٹیکتے ہوئے اندر آ گئے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور کتنے غضب ناک انداز میں ڈانٹا تھا۔بس اس دن سے میں ان سے ڈرنے لگی تھی، تمہارے گھر آنے سے پہلے اچھی طرح دوپٹہ اوڑھا کرتی تھی اور ادھر ادھر دیکھ کر تسلی کرتی تھی کہ آس پاس کہیں میاں جی تو نہیں۔
اس دن ہمارا ہی قصور تھا، بیٹا۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ چنڈال سعدیہ آئی ہوئی تھی نا۔۔۔۔۔۔۔۔۔بڑے گندے لطیفے سنایا کرتی تھی اور پھر تمہیں معلوم ہے، ہمارے ساتھ ایک اور خاتون ہوا کرتی تھی۔وہ بڑے بے ہودہ انداز میں قہقہے لگایا کرتی تھی اور اس طرح ہنسنے پر میاں جی کو بڑا غصہ آتا تھا۔
ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں جانتی ہوں۔اس کی ہنسی تو احسان کو بھی بری لگتی تھی۔پر وہ کیسا بے خبری کا زمانہ تھا بوڑھی

ٹیپا اگروال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی آنکھوں میں ماضی کے چراغ جلنے لگے۔
میاں جی آخر وقت تک تمہارے پاس رہے؟
ٹیپا نے پوچھا۔
ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ عرفان سے بہت پیار کرتے تھے۔ ہاں اس نے میٹرک کا امتحان دیا تھا۔
کافی عرصہ جیے۔
نوے سال کی عمر تھی۔ جب وہ فوت ہوئے۔
خوش قسمت تھے۔ اپنے بچوں کو پھلتے پھولتے دیکھ گئے۔
ہاں، واقعی۔۔۔۔۔۔۔۔۔وحیدہ عرفان نے آہستہ سے کہا۔ پتہ نہیں وہ خوشیاں ہمارے مقدر میں ہیں یا نہیں جو انہوں نے دیکھی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔در اصل وہ نیک لوگ تھے۔ زندگی بھر جہاد کرتے تھے، اپنے نفس کے خلاف، زمانے کے شر کے خلاف۔ اس لیے ان کی عمریں بھی لمبی تھیں۔ کبھی کوئی جسمانی عارضہ لاحق نہ ہوا۔ اپنی طبعی عمر پوری کی اور چلے گئے۔
تمہارا کیا خیال ہے! ٹیپا نے آنکھیں سکوڑ کر پوچھا۔ ہر گھر کو ایسے بزرگ کی ضرورت ہوتی ہے۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 14

ہاں جانی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔وحیدہ عرفان نے بھی خالی پیالی میز پر رکھ دی۔پچھلے زمانے کے بزرگ ایک ادارہ ہوتے تھے ایک مدرسہ ہوتے تھے اور بچوں کا ڈر ہوتا تھا۔اب دیکھتے دیکھتے بچے بے دید اور نڈر ہو گئے ہیں۔ بزرگوں کو ایک فالتو چیز سمجھنے لگتے ہیں۔جب تک میاں جی زندہ رہے،عرفان کو آنکھ اٹھا کر ان سے بات کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

شاید اس میں ہماری تربیت کا کھوٹ بھی شامل ہو،بیٹا اگروال نے کہا۔

اسی وقت ان کے گھر سے ملازم آ گیا اور بولا۔

جی کوئی بیگم صاحب آپ سے ملنے آئی ہیں۔

اچھا میں چلتی ہوں۔

یہ کہہ کر بیٹا اگروال اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے گھر کی طرف چل دیں۔

وحیدہ عرفان وہیں بیٹھی رہ گئیں۔

شام گہری اور سیاہ ہو گئی تھی۔پتہ نہیں شام کے ان لمحوں میں ایسے کیوں محسوس ہوتا ہے جیسے کہیں سے دھواں سا اٹھ رہا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔حالانکہ یہ صاف ستھری کالونی تھی۔ہر گھر میں گیس یا بجلی کے چولہے تھے کہیں سے بھی دھواں اٹھنے کا امکان نہیں تھا۔

مگر پھر بھی انہوں نے اردگرد دیکھا تو یوں محسوس ہوا جیسے فضا میلی میلی سی ہو،اداس اداس سی اور مغموم ہو۔

کچھ جل رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

کہیں سے دھواں اٹھ رہا ہے۔

تب ان کی سمجھ میں آیا کہ شام تو بڑھاپے کی علامت ہے،اختتام کی نشانی ہے،اس لیے شام ہوتے ہی دل اداس ہو جاتا ہے۔

شاید ان کا دل اداس تھا۔

ان کی اپنی زندگی کی شام اتر آئی تھی۔

یہ شام زندگی میں ضرور آتی ہے،زندگی کا سفر ہی ایسا ہے کہ صبح پر شروع ہوتا ہے اور شام پر ختم ہو جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔بچپن صبح کی مانند مقدس پاک اور دل آویز ہوتا ہے۔ایک غیر محسوس خوشبو ہر سمت سے آتی ہے۔ جس طرح نومولود کے جسم سے ایک آسمانی خوشبو آتی ہے۔

دوپہر کی طرح کڑکڑاتی ہوئی،غل مچاتی ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔حدت اور شدت سے لبریز۔۔۔۔۔۔۔۔جوشیلی، گرم۔۔۔۔۔۔۔۔چکا چوند۔۔۔۔۔۔۔۔روشن روشن۔۔۔۔۔۔۔۔

بس وہی ایک مختصر عرصہ حیات۔۔۔۔۔۔۔۔جس طرح پانی مٹھی میں قید نہیں ہو سکتا،اسی طرح جوانی عمر کی کتاب میں تروتازہ پھولوں کی طرح نہیں رہ سکتی۔یہ پھول مرجھاتے ہیں،سوکھ جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔پھر ایک وقت آتا ہے کہ عمر عزیز کی کتاب میں سے ان پھولوں کی خوشبو بھی اڑ جاتی ہے۔

جس طرح بڑھاپے میں سر کے بال جھڑ جاتے ہیں،دانت جواب دے جاتے ہیں،بینائی کمزور ہو جاتی ہے، خواہشوں کا دریا سوکھ جاتا ہے،تندی اور تیزی ختم ہو جاتی ہے۔

سب کچھ آپ ہی آپ ہو جاتا ہے۔یہی نظام قدرت ہے۔

اگر صبح کے بعد شام آئے۔۔۔۔۔۔۔۔جوانی کا عروج بڑھائے جیسے زوال کی طرف دھکا نہ دے تو کون دنیا سے جانا چاہے گا؟

اس جنجال بھری دنیا سے جانے کو کسی کا بھی دل نہیں چاہتا۔۔۔۔۔۔۔۔مگر بڑھاپا رضامند ہو جاتا ہے۔بڑھاپے کا اگلا پڑاؤ موت ہے۔

یہ دنیا جوانوں کی دنیا ہے۔

یہ نوخیز اور نوجوان کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیتی ہے۔اسی لیے تو بڑی عمر کے بزرگ کسی کی دلچسپی کا سامان نہیں ہوتے۔۔۔۔۔۔۔۔پھر وہ چلے جانے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔

جس طرح میاں جی چلے گئے۔

ایک دن وہ بھی چلی جائیں گی۔

جب گھر کا کوئی بزرگ جاتا ہے تو جاتے جاتے وہ ایک اشارہ چھوڑ جاتا ہے کہ میرے بعد بھی یہ راستہ کھلا رہے گا۔

پھر وحیدہ عرفان کو اپنے بچپن اور جوانی کے تمام تر دن یاد آنے لگے۔

ان کا بچپن کوئی ایسا انوکھا یا نرالا نہیں تھا،نہ ہی یاد رکھنے کے قابل تھا۔البتہ شادی کے بعد کا زمانہ خوبصورت اور سنہرا

زمانہ تھا۔

وہ لوگ ملازمت کے سلسلے میں جگہ جگہ گھوما کرتے تھے۔

انہیں سہیلیاں بنانے کا بہت شوق تھا۔عرفان اللہ ان کی کسی بات پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔

البتہ میاں جی ہمیشہ ہر سفر میں ان کے ساتھ رہے۔

میاں جی بڑے سخت گیر بزرگ تھے۔انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت بہت اچھے انداز میں کی تھی۔سارے بچے ان کی بہت عزت کرتے تھے۔

میاں جی چاہتے کہ عورتیں شرم و حیا کے ساتھ گھروں میں رہیں، اونچی آواز میں نہ بولیں اور گھروں میں بیٹھ کر تعمیری کام کریں۔

سارا دن وہ فلسفے اور فقہ کی کتابیں پڑھتے تھے۔اکثر جمعے کو روزہ رکھتے تھے۔بہت کم کھاتے تھے، بہت کم سوتے تھے۔

وہ کہتے تھے کہ دو عادتیں انسان کو سیاہ کر دیتی ہیں، زیادہ کھانا اور زیادہ سونا۔۔۔۔۔۔۔۔اسی لیے جب وہ گھر میں کسی کو دن چڑھتے سوتا دیکھتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔تو ان پر غیض و غضب طاری ہو جاتا تھا۔

کبھی کبھی جب میس یا کلب میں کوئی ڈنر ہوتا تو وحیدہ اور عرفان دیر سے آتے اور صبح دیر سے اٹھتے تو میاں جی اپنی لاٹھی برآمدے کے فرش پر زور زور سے مارا کرتے۔

وہ جہاں کہیں بھی جاتے ان کے عقیدت مندوں کا ایک حلقہ سا بن جاتا۔اس میں ہر عمر ہر طبقے کے لوگ ہوتے گھر میں ملازمین اردلی اور تمام تر یونٹ کے سپاہی جمعے کے روز ان کے پاس آ کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔میاں جی زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے اور نہ ہی لیکچر دینے کے قائل تھے مگر ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔

وہ فوجیوں سے کہا کرتے تھے۔

تم خوش قسمت ہو۔تمہیں اللہ کی زمین پر گھومنے پھرنے کا موقع ملتا ہے۔اس بات سے آزردہ نہ رہا کرو کہ تم ہمیشہ گھروں سے باہر رہتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔تم بہتے پانی کی طرح اور بہتا پانی ہمیشہ پاک و صاف ہوتا ہے۔

کبھی کبھی جب لوگ ان سے طرح طرح کے سوال پوچھتے۔۔۔۔۔۔۔۔اور کہتے کہ ہم اللہ کے پسندیدہ بندے کس طرح بن سکتے ہیں؟ تو وہ کہا کرتے۔۔۔۔۔۔۔۔جو محبوب خلائق ہوتا ہے وہی اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔مگر نادانو! تمہیں تو محبوب خلائق بننے کا طریقہ ہی نہیں آتا۔

دیکھو۔۔۔۔۔۔۔۔ایک صوفی بزرگ تھے، وہ اللہ کے محبوب بندوں میں سے تھے اور دنیا کی خارداری کو پار کر کے انہیں برگزیدہ انسان کا درجہ ملا تھا۔وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے اگر تمہیں محبوب خلائق ہونے کی آرزو ہے تو تین باتوں سے پرہیز کرو۔اول تو یہ کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگو۔۔۔۔۔۔۔۔دوم کبھی کسی کو برا مت کہو۔۔۔۔۔۔۔۔سوم کسی کے ساتھ مہمان مت جاؤ۔

UrduPoint.com

بیگم وحیدہ عرفان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔پتہ نہیں کیوں یہ دنیا کی رسم ہے کہ جب تک کوئی زندہ ہے خواہ وہ کوئی بزرگ ہو یا چھوٹا۔۔۔۔۔۔۔۔کوئی اس کی بات پر کان نہیں دھرتا۔۔۔۔۔۔۔۔لوگ اسے ناکارہ بے وقوف یا مجنون کہتے ہیں لیکن اس کے چلے جانے کے بعد اس کی کہی ہوئی باتیں صدائے بازگشت بن کر کانوں میں گونجتی ہیں۔

وہ میاں جی کا بہت احترام کرتی تھیں۔ان کے سامنے بولتی نہیں تھیں مگر ان کی اکثر باتوں پر کان دھرتی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔ادھر سے سنی ادھر سے نکال دیں۔

پھر رفتہ رفتہ عمر انہیں اس دوراہے پر لے آئی جہاں ان کی کہی ہوئی بات وقت کے کھلے دروازوں اور روزنوں سے ان کے کانوں کی سمت آنے لگی۔

کون کہتا ہے کہ جانے والے یاد نہیں آتے۔۔۔۔۔۔۔۔وہ یاد آتے ہیں اور اس وقت یاد آتے ہیں جب زندگی سوالیہ نشان بنی ایک دوراہے پر کھڑی ہوتی ہے۔

پاری! تم آج رات آ رہی ہو؟

ڈیوڈ نے پوچھا۔

شاید نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔

ارے تھوڑی دیر کے لیے آ جانا۔

نہیں ڈیوڈ آج میری اپنی طبیعت بہت مضمحل ہے۔

آنٹی وحیدہ کا فون آیا ہے؟

ابھی تک تو نہیں آیا۔۔۔۔۔۔۔۔اسی لیے تو میں پریشان ہو رہی ہوں۔اللہ خیر کرے۔

آجائے گا فون ۔۔۔۔۔۔۔۔تم فکر نہ کرو۔ڈیوڈ بولا،بس تھوڑی دیر کے لیے آجانا بہت سے لوگ آرہے ہیں۔ تمہیں ان سے ملوانا ہے۔

ڈیوڈ! میں نے بتایا،نا۔۔۔۔۔۔۔۔امی نے کہا تھا کہ فون کے قریب ہی رہنا۔ادھر ابوبلوچستان میں ہیں۔ دونوں بار بار فون کر کے ایک دوسرے کو اطلاع دے رہے ہیں۔اگر میں یہاں سے ہٹ گئی تو کیا کہیں گے پھوپھی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور بھتیجی کرسمس پارٹیاں اٹینڈ کرتی پھر رہی ہے۔

ڈیوڈ کا چہرا اتر گیا۔

سوری،ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔پاری اسے چکارتی ہوئی بولی۔اگلی پارٹی پر سہی۔ذرا سوچو۔۔۔۔۔۔۔۔تمہاری پھوپھی کو ہارٹ اٹیک ہوتا اور ان کی حالت نازک ہوتی تو کیا تم کوئی پارٹی اٹینڈ کر سکتے تھے؟

آج کل دسمبر کی چھٹیوں میں پاری گھر آئی ہوئی تھی۔اس نے کب سے ڈیوڈ کے ساتھ پروگرام بنا رکھا تھا کہ اس دفعہ کرسمس پارٹی پر خوب رونق لگائیں گے۔

رقص کریں گے،شور مچائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔اور ڈیوڈ اپنے تمام دوستوں سے پاری کو متعارف کرائے گا۔

مگر دو دن پہلے اچانک غزالی کو فون آگیا تھا،اس نے بتایا کہ اس کی امی کو دل کا شدید دورا پڑا ہے اور وہ انہیں فوراً ہسپتال لے گیا ہے۔

وحیدہ دعرفان تو یہ سن کر اسی وقت رونے لگیں۔غزالی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

مامی۔۔۔۔۔۔۔۔آپ جلدی سے آجائیں پلیز!

میں آرہی ہوں چندا!وحیدہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔بس پہلی ٹرین سے آرہی ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔کوشش کروں گی کہ آنے سے پہلے تمہارے ماموں سے بات ہو جائے۔

حسن اتفاق سے تھوڑی دیر بعد بلوچستان کی لائن مل گئی اور وحیدہ نے عرفان سے بات کر لی۔

میں چھٹی کے لیے کوشش کرتا ہوں۔تم فوراً چلی جاؤ،کرنل عرفان نے کہا۔

پھر وحیدہ عرفان پہلی ٹرین ہی سے فیصل آباد چلی گئیں۔

کل بھی انہوں نے فون کیا تھا۔صفیہ پھوپھو کی حالت تسلی بخش نہیں تھی۔ڈاکٹروں نے انہیں Constant Care Unit میں رکھا ہوا تھا۔

وحیدہ عرفان جاتے جاتے مینا اگروال سے کہہ گئی تھیں کہ پاری کا خیال رکھنا۔

پاری تین دن پہلے ہی اپنے ہوسٹل سے آئی تھی۔گھر میں صرف ایک خانساماں تھا۔

مینا اگروال پاری کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔صبح ہوتے ہی وہ اس کے پاس آجاتیں۔دوپہر کا کھانا پاری ان کے ساتھ کھاتی تھی۔ڈیوڈ بھی دن میں متعدد بار چکر لگا لیتا تھا بلکہ دوپہر کے بعد تو پاری کے پاس ہی رہتا تھا۔

آج کل پیٹر بھی کالج سے آیا ہوا تھا۔پیٹر کولن نے جھگڑنے اور بحث کرنے کی بالکل عادت نہ تھی۔۔۔۔۔۔۔۔جبکہ ڈیوڈ اس کے برعکس تھا۔۔۔۔۔۔۔۔پھر بھی پاری کی زیادہ دوستی ڈیوڈ کے ساتھ تھی۔

وہ اکثر پیٹر کو چھیڑا کرتی۔۔۔۔۔۔۔۔پیٹر جانی!تم میں ایک نفیس بیوی بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں تمہاری بیوی بڑی خوش رہے گی۔اس پر پیٹر شرما جاتا۔

اور وہ دونوں خوب قہقہے لگایا کرتے۔

ویسے پاری کو بھی پھوپھو کی بہت فکر تھی۔۔۔۔۔۔۔۔حالانکہ صفیہ پھوپھو کا وجود پورے خاندان میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ایک خاتون جو عین جوانی میں بیوہ ہوگئی۔۔۔۔۔۔۔۔اور پھر جس نے ایک ایک سانس کے ساتھ آہ بھرنے کی بجائے ساری توجہ اپنے اکلوتے بیٹے کی طرف مبذول کر دی ہو۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 15

کبھی زندگی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پردہ نہ اٹھایا ہو۔
کبھی کسی کے آگے اپنے دکھ بیان نہ کیے ہوں۔اس خاتون کی خاندان میں کیا اہمیت ہوسکتی ہے۔سوائے پاری کے ابو کے کوئی صفیہ پھوپھو سے پیار نہیں کرتا تھا۔
اب پاری کو ان پر ترس آرہا تھا۔
ان کا بار بار اس پر نثار ہونا یاد آرہا تھا۔
صفیہ پھوپھو بس قربان ہونے اور نثار ہونے کے لیے دنیا میں بھیجی گئی ہیں۔
اس نے اپنی امی سے کہا تھا مجھے ساتھ لے چلیں۔
تم گھر میں رہو۔امی نے جواب دیا تھا۔شاید تمہارے ابو آجائیں ویسے میں کوشش کروں گی کہ ٹھیک ہوتے ہی تمہاری پھوپھو کو ساتھ لے آؤں۔یہاں سی ام ایچ میں داخل کروا کے ان کا علاج کروائیں گے۔
وحیدہ عرفان جب رات کو اسپتال سے گھر آتیں تو پاری کو فون کر کے سارے حالات بتاتیں تاکہ وہ فون کر کے اپنے ابو کو بتا سکے۔
آج دسمبر کی پچیس تاریخ تھی اور ڈیوڈ کے گھر کرسمس پارٹی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر پاری کا دل بجھا ہوا تھا۔اس لیے اس نے جانے سے صاف انکار کر دیا پارٹی دو قدم پر سہی مگر یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ ایک انسان تو موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو اور دوسرا خوشیوں کے قلزم میں غوطے لگا کر قطرہ مدہوشی اندر انڈیل رہا ہو۔
اس لیے اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔
ڈیوڈ کو واقعی مایوسی ہوئی تھی۔وہ تو سمجھتا تھا کہ پاری اس کی بات ٹال ہی نہیں سکتی۔پچھلے ایک سال کے دوران اس کی اور پاری کی دوستی بڑی گہری ہوگئی تھی۔پاری جب بھی چھٹیوں میں گھر آتی دونوں زیادہ تر اکٹھے رہتے تھے۔بازار بھی ساتھ ہی جاتے اور اکٹھے ہی فلمیں دیکھتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔خوب زور وشور سے تکلیف دہ بحثیں بھی ہوتیں مگر وہ جلدی ہی ایک دوسرے کو قائل کر لیتے۔
کبھی کبھی جب پاری کو بہت غصہ آتا تو وہ صاف کہہ دیتی۔
ڈیوڈ! تم گدھے ہو۔
اور تم بھی بڑی ماڈرن گدھی ہو۔ڈیوڈ پلٹ کر جواب دیتا۔
اس پر دونوں ہنسنے لگتے۔
وحیدہ عرفان کو گئے دو دن ہی تو ہوئے تھے۔ڈیوڈ نے ان دو دنوں میں پاری کا بہت خیال رکھا تھا۔پڑھنے کو کتابیں دی تھیں نئی کتابیں دی تھیں نئی کتابوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیرم اور لڈو کھیلتے رہے تھے۔پیٹر کو ساتھ ملا کر رات گئے تک تاش کی بازیاں لگا کرتیں۔جب پاری ڈیوڈ کی بے ایمانی ظاہر کرنے کے لیے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ لیتی تو ڈیوڈ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور دل مستی میں ڈوب کر ابھرنے لگتا۔اسے پاری کی یہ بے پروا سی ادا بہت اچھی لگتی تھی۔
پاری عجیب وغریب لڑکی تھی۔اسے کبھی احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ لڑکوں کے درمیان بیٹھی ہے یا لڑکیوں کے۔ہر ایک کے ساتھ اس کا رویہ ایک سا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے کالج کی بہت سے لڑکیاں اس کے اس انداز کو پسند نہیں کرتی تھیں۔جبکہ لڑکے اسکے بے تکلف رویے کو بہت پسند کرتے تھے۔
اب ڈیوڈ چاہتا تھا کہ اس بار پارٹی میں پاری ضرور شامل ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر پاری مسلسل انکار کیے جا رہی تھی۔
پتہ نہیں کس وقت امی کا فون آجائے۔وہ کیا سوچیں گی۔
ارے فون ادھر ہی سن لینا۔خانسامان کو بتا دو۔
نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس طرح اچھا نہیں لگتا۔بس میں نے کہہ دیا آج میرا جانا ٹھیک نہیں کچھ دنوں بعد تم نیو ایئر پارٹی دے رہے ہونا انشاء اللہ! اس میں ضرور آؤں گی۔
پاری نے تو نئے سال کی پارٹی کے لیے ایک خوبصورت تحفہ بھی خرید لیا تھا۔ڈیوڈ کو موسیقی سے لگاؤ تھا۔اس نے سارے مشہور موسیقاروں کے C.Ds خریدے تھے مگر پہلے سے بتانا نہیں چاہتی تھی۔
اب تم جاؤ ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاری اس کی طرف دیکھ کر بولی۔تمہارے مہمان تمہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔
ڈیوڈ جانے کے لیے مڑا۔اس کی نگاہوں میں بے شمار گلے شکوے تھے۔
اگلی پارٹی میں ضرور آؤ گی نا؟
بھئی وعدہ تو کر رہی ہوں کہ ضرور آؤں گی۔تب تک انشاء اللہ پھوپھو ٹھیک ہو چکی ہوں گی۔
نیو ائیر پارٹی کا ہنگامہ عروج پر تھا۔

ثمینا اگروال نے اپنے گھر کی بیسمنٹ میں ایک بہت بڑا حال بنوایا تھا۔ عام طور پر ان کے گھر کی پارٹیاں اور ہنگامے اس ہال میں ہوا کرتے تھے۔ خصوصاً اس ہال کا فرش رقص کرنے کے لیے بنوایا گیا تھا۔

آج ہال میں چاروں طرف رنگ برنگے بلب جھنڈیاں اور پھول نظر آ رہے تھے۔ سارے مہمان صوفے اور کرسیوں پر براجمان تھے۔ ایک پارٹی خاص طور پر ساز بجانے کے لیے بلائی گئی تھی۔ وہ نئی نئی دھنیں بجا رہے تھے۔

مہمان آ کر بیٹھ رہے تھے اور مختلف مشروبات سے ان کی تواضع کی جا رہی تھی۔

نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان پاری اپنے گھٹاؤں جیسے لمبے بال کھولے بیٹھی تھی۔ آج اس نے خوبصورت میکسی پہنی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ اونچی ہیل کے سینڈل پہن رکھے تھے جس سے اس کا قد حیرت انگیز طور پر نظر آ رہا تھا۔ بہت دلکش لگ رہی تھی اور اس نے حسبِ معمول اپنی دلچسپ باتوں سے سب کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا تھا۔

اس کی امی آج فیصل آباد سے لوٹی تھیں انہوں نے بتایا تھا کہ اللہ کے فضل سے صفیہ پھوپھو کی طبیعت کافی سنبھل گئی ہے۔ ڈاکٹروں نے خطرے سے باہر بتایا ہے۔ وحیدہ عرفان انہیں اپنے ساتھ لاہور لانا چاہتی تھیں مگر پھوپھو نے کہہ دیا کہ وہ ابھی نہیں جانا چاہتیں، کچھ دن اور ہسپتال میں رہیں گی۔

آج کل ان کی ایک بہن کے پاس آئی ہوئی تھیں۔ اس لیے وحیدہ عرفان دو چار روز کے لیے گھر آ گئیں تھیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور پھر کل عرفان اللہ آنے والے تھے۔ وحیدہ عرفان کا خیال تھا کہ اب دو چار روز عرفان اللہ اپنی بہن کے پاس جا کر رہ آئیں۔ ویسے صفیہ پھوپھو ابھی اسپتال میں ہی تھیں لیکن ان کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔

آتے وقت انہوں نے وحیدہ عرفان سے کہا تھا۔

بھابھی! گھبرائیں نہیں۔ آپ جائیں گھر سے ہو آئیں۔ میں ابھی مروں گی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔غزالی کی شادی کیے بغیر نہیں مر سکتی۔ اب تک صرف غزالی کے لیے جیتی رہی ہوں تو اس کے سارے کام نمٹا کر مروں گی۔ بلکہ اسکا بیٹا بھی کھلاؤں گی، انشاء اللہ!

وحیدہ عرفان نے ان کے ٹھنڈے ہاتھ تھام لیے۔

اگر کہو اگلی مرتبہ پاری کو لیتی آؤں؟

ارے نہیں صفیہ پھوپھو ہنس کر بولیں۔ میرے بچی کو تکلیف مت دو۔ میں اس سے کوئی خدمت لینا نہیں چاہتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور تمہارے آنے تک تو اس کی چھٹیاں بھی ختم ہو چکی ہوں گی۔

چھٹیوں کا کیا ہے اور لی جا سکتی ہیں۔

ارے نہیں رہنے دو۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں بچ گئی ہوں اب اگلے مہینے انشاء اللہ لاہور ضرور آؤں گی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر اسے بلوا کر مل لوں گی۔

وحیدہ عرفان کو ان کی طرف سے تسلی ہو گئی تو چند دنوں کے لیے لاہور آ گئیں۔

آج انہوں نے پاری کو پارٹی پر جانے کی اجازت دے دی تھی مگر خود معذرت کر لی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دراصل وہ ایسی ہنگامہ انگیز پارٹیوں سے بہت گھبراتی تھیں۔

ڈیوڈ آج بہت خوش تھا اور ایک ایک سے پاری کو ملوا رہا تھا۔ گیارہ بجے تک تو کھانے پینے کا ہنگامہ ہوتا رہا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے بعد رقص کا دور شروع ہوا۔

دو تین لڑکیوں کے ساتھ رقص کرنے کے بعد ڈیوڈ پاری کو کھینچ لایا۔

اس وقت فلور پر دس جوڑے رقص کر رہے تھے۔

دیکھنے والے تالیاں بجا رہے تھے۔

آنکھوں میں چراغ جل رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہونٹوں پر مسرت و انبساط کی چیخیں تھیں۔

جو بھی جوڑا بے دم ہو جاتا وہ باہر نکل آتا اور صوفوں پر گر کر ہانپنے لگتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر اس پر خوب خوب تالیاں بجائی جاتیں۔

پاری، ڈیوڈ کے ساتھ مل کر دیوانہ وار ناچ رہی تھی۔ اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور چہرے پر جگہ جگہ پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔لمبے لمبے بال نوجوانوں کے خوابوں کی مانند بکھرے ہوئے تھے۔ سانسوں میں ہیجان تھا اور جسم تھرک رہا تھا۔

وہ ڈیوڈ کے مقابل وحشیوں کی طرح سر ہلا ہلا کر بال جھٹک جھٹک کر ناچ رہی تھی۔

دیکھتے دیکھتے ہی تمام جوڑے تھک کر فلور چھوڑ گئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب فلور پر صرف ڈیوڈ اور پاری ہی رہ گئے تھے۔ موسیقی تیز ہو گئی تھی اور سب اہلِ بزم موسیقی کی تال پر تالیاں بجا رہے تھے۔

یہ تالیاں پاری اور ڈیوڈ کی جیت کا اعلان کر رہی تھیں۔

تھوڑی دیر پہلے فیصلہ کیا گیا تھا کہ رقص کا آخری راؤنڈ طویل ہو گا۔حتیٰ کہ نئے سال کے پہلے دن کا آغاز ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔اور جو جوڑا آخری وقت تک ناچتا رہے گا اس کو انعام دیا جائے گا۔ابھی انعام کا اعلان نہیں کیا گیا تھا۔البتہ اس کا ایک بنڈل بنا کر محفل میں رکھ دیا گیا تھا۔

پاری اور ڈیوڈ کی سانسوں کے زیر و بم سے تھکاوٹ ظاہر ہونے لگی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔دونوں بے تحاشا ہنس رہے تھے اور ناچ رہے تھے۔

اب ان کی جیت یقینی ہو چکی تھی۔کیونکہ بارہ کا گجر بجنے والا تھا اور مہمان بار بار اپنی کلائی کی گھڑیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔پاری اور ڈیوڈ بارہ بجے سے پہلے تھک کر گرنا نہیں چاہتے تھے۔

اور دیکھنے والے ان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے خوب تالیاں بجا رہے تھے۔

پاری کی ہائی ہیل بار بار فرش پر پھسل رہی تھی مگر وہ ہر بار ڈیوڈ کو تھام لیتی تھی۔جب جیت چار قدم پر ہو تو کون بازی ہارنا پسند کرتا ہے۔

بلکہ مہمان اب خوبصورت جوڑے پر تبصرے بھی کرنے لگے تھے۔

کچھ لڑکیاں پاری کو شہ دے رہی تھیں۔

شاباش۔۔۔۔۔۔۔۔شاباش۔۔۔۔۔۔۔۔

دوسرے کونے سے لڑکے شور مچا رہے تھے۔

بک اپ ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔

بک اپ ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔

چیر اپ ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔

بڑا خوبصورت ہنگامہ تھا، زندگی ہی زندگی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔خوشبوئیں ہی خوشبوئیں تھیں۔اور خوشیاں اپنے نکتہ عروج پر ٹھہر گئی تھیں۔

پھر ایک دم ہال کی بتیاں گل ہو گئیں۔

سب جانتے تھے کہ ایسا ہوگا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 16

ہر سال نئے سال کی آمد کا سواگت یونہی کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔جب گھڑی کی دونوں سوئیاں سرکتی سمٹتی وصل کی آرزو میں دوسرے کے پہلو میں سما جاتی ہیں تو من من تو شدی کی تفسیر بن جاتی ہیں۔

سواگت کا ایک لمحہ جس میں یہ لوگ جلدی سوچ لیتے ہیں کہ گزرے ہوئے سالہ کے غموں کو بھول جائیں گے۔

آنے والے سال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تجھے گلے لگائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تجھ سے پیار کریں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تیرے گلے میں اپنی تمناؤں کے ہار ڈالیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تجھ سے ساری امیدیں وابستہ کرلیں گے۔تجھ سے گن زرے ہوئے دنوں کی تھکن اتاریں گے محرومیوں کا حساب لیں گے ناکامیوں کی گرد جھاڑیں گے۔

تو وہ چند ثانیوں کے لیے اندھیرا کر لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنے اپنے انداز میں نئے سال کا سواگت کرنے کے لیے۔

پتہ نہیں اندھیرا کس روشنی کی علامت ہے؟

یہی انسان جس نے دنیاں کو اجالوں سے گوندھ کر رکھ دیا ہے،بعض اوقات اپنے جذباگت کے صحیح اظہار کے لیے اندھیروں کا متمائی ہوتا ہے۔

لمحہ بھر کا اندھیرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔چونکا دیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور دل میں آرزو کی نئی شمع جلا دیتا ہے۔

ایک ثانیے کی خاموشی کے بعد جیسے سب کو ہوش آ گیا۔

اسی وقت لرزتی ہوئی پسینے میں بھیگی ہوئی پاری کو ڈیوڈ نے محسوس کرلیا۔

وہ اس کا بازو تھا لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھی۔اسے محسوس کرنے کے بعد ڈیوڈ نے بے اختیار اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔بانہوں میں سمیٹنے کے بعد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بعض اوقات زمین کی کوکھ سے بیج کے بغیر پودے اگ آتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رات کو ذارسی برسات ہوئی اور صبح سبزے کے ننھے ننھے بت سر اٹھائے کھڑے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کوئی اس زمین کو نہیں سینچتا کوئی وہاں ہل نہیں چلاتا کوئی وہاں بیج نہیں ڈالتا۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر سب زسرخ ننھے ننھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔باریک باریک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لہلہاتے پودے زمی کی چھاتی کا دودھ پی کر باہر نکل آتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نہ جانے کیسے؟

نہ جانے کس طرح۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

آگ کی طرح جلتے ہوئے ڈایوڈ کا چہرہ پاری کے چہرے پر جھکتا چلا گیا۔دو انگارے بے ساختہ در انگاروں میں پیوست ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔۔

زمین کی گردش رک جاتی۔۔۔۔۔۔۔۔

آسمان کا دل بند ہو جاتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دریا اپنا رخ موڑ لیتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور نہیں تو زلزلہ ہی آجاتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پاری ایسے مقام پر تھی،جہاں آدمی ہوش وخرد سے بیگانہ ہو جات ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یا پھر خواب کی سی کیفیت میں ایک نئی دنیا میں محو پرواز ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جو کبھی سوچا نہ ہو وہ ہو جائے۔

جو کبھی دیکھا نہ ہو،وہ دیکھ لیا جائے۔

جس کی تمنا کو کبھی سینچا نہ ہو وہی زندگی بن جائے۔

زندگی ایسے لمحوں کی قرض دار بن جاتی ہے جو کسی دن چپکے سے چور دروازے سے زندگی میں داخل ہو جاتی ہے۔

جب ایک منٹ کے بعد بتیاں جلیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تو ہر کوئی مدہوشی کے پروں پر سوار خوابوں کے دیس میں کسی نہ کسی آرزو کے آگے دوزانو تھا۔

ہوش آنے میں کچھ وقت لگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر پاری نے جھٹکے سے اپنے آپ کو ڈیوڈ کی بانہوں سے الگ کیا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔

پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ دیوانوں کی طرح اس کے پیچھے لپکا۔

اس وقت سب لڑکے اور لڑکیوں نے پاری اور ڈیوڈ کو گھیر لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آج رات کا کامیاب جوڑا کہہ کر ان کے گرد رقص کرنے لگے۔پاری کے چہرے پر ایک خاموش طوفان آ کر ٹھہر گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر اس وقت اسے کون غور سے دیکھ رہا تھا۔

لمحہ بھر کو پاری نے نظریں اٹھا کر ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔

UrduPoint.com

اف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کی آنکھیں تھیں یا میخانہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟
سرخ انگارہ اور مے سے بھری بھری ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیسے والہانہ پن سے پاری کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے پہلی بار دیکھا ہو۔۔۔۔۔۔اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے پی جائے گا۔
بھئی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنا انعام تو لو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک معمر خاتون نے سنہرے رنگ کا ایک پیکٹ پاری اور ڈیوڈ کی جانب بڑھایا۔
ڈیوڈ نے پاری کی جانب دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر پاری نے پیکٹ نہیں لیا۔
ڈیوڈ نے پیکٹ لے لیا اور بے صبرے سے اس کی زرتار ڈوریاں کھولنے لگا۔
سب متجسس نظروں سے پیکٹ کی طرف دیکھ رہے تھے۔
پیکٹ کھلتے ہی اندر سے سائیکی کا مجسمہ نکل آیا۔
بہت خوب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہت خوب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سب نے تالیاں بجائیں۔
محبت کی دیوی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ نے سرگوشی کی۔
اس وقت پری کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ٹھنڈے پانی کی طلب میں اس کے ہونٹ خشک ہو رہے ہوں اور حلق میں کانٹے چبھ رہے ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر اس وقت اسے برف جیسا پانی نہ ملا تو وہ تڑپنے لگے گی۔
اس نے سائیکی کے مجسمے کو ہاتھ نہیں لگایا اور زینے کی جانب بھاگی۔ میں پانی پی کر ابھی آتی ہوں۔
اوپر آ کر وہ باورچی خانے میں گھس گئی اور فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر بے صبری سے منہ سے لگا لی۔
تھوڑا پانی کپڑوں پر بھی گر گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میکسی کے گریبان سے اپنی ایک ٹھنڈی سی لکیر بناتا ہوا نیچے تک اتر گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور تپتے ہوئے جسم کو سکون دیتا گیا۔ جیسے انگاروں پر پانی پڑتا ہے تو سی کر کیا یک آواز نکلتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے اپنے جسم پر پانی پڑنے کی ایک ایسی ہی آواز سنی تھی۔
پھر سائے یوں لگا جیسے کوئی زینوں سے چڑھتا آ رہا ہو۔ اس نے کچن کا بارہ والا دروازہ کھولا اور اندھیرے میں اپنے گھر کی طرف بھاگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کوٹھے کے اس عقبی حصے میں ایک چھوٹی سی روش بنی ہوئی تھی جو دونوں گھروں کو ملاتی تھی۔
جب وہ اپنے کمرے کی حدود میں پہنچی تو اسے نے سنا ڈیوڈ پاری پاری کہتا اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔
ڈیوڈ کی آواز پر اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسے معلوم تھا کہ ایسی راہوں پر مڑ کر نہیں دیکھتے جہاں قدم پر خاردار رکاوٹیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور بارودی سرنگیں بچھی ہوئی ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان راہوں پر ہوش وخرد کے پرخچے اڑ جاتے ہیں خاندانی روایات کے تن مردہ ہو جاتے ہیں شروع اور قانون کی دھجیاں بکھر جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ دوڑتی ہوئی اپنے گھر میں داخل ہوئی اور اتنی زور سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی کہ جس کی آواز ڈیوڈ بھی سن لے۔
پاری نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہی زور سے چیخنی تو چڑھائی مگر اپنے دھک دھک کرتے دل اور اتھل پتھل سا حسن پر قابو نہ پا سکی کچھ دیر کنڈی پکڑے پکڑے لمبی لمبی سانسیں لیتی رہی۔ جیسے کہ ڈاکٹر اسٹیتھسکوپ پکڑے اس کے سینے کا معائنہ کر رہا ہو اتنی دیر اسے باہر سے ڈیوڈ کی مدھم مدھم آوازیں آتی رہیں۔
پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاری
ایسے لگ رہا تھا۔ جیسے ڈیوڈ دنیا کے دوسرے کنارے پر کھڑا اسے پکار رہا ہے۔ اتنی دور سے اس کی لرزتی کانپتی آواز اسے اور بھی ڈرا رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اتنی دور سے اسی پکارنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ جب بیچ میں پورا ایک زمانہ ہو۔ ایک صدی ہو۔ ایک معاشرہ ہو۔ تو پھر کوئی لڑکا کسی لڑکی کو کیوں پکارتا ہے۔ کیوں آواز دیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایسے میں آواز شکست خوردہ سانس اور برہم ہوتی ہے۔
دور سے نہیں پکارنا چاہیے۔
دوسرے دنیا سے آواز نہیں دینا چاہیے۔
اور اگر دوسرے دنیا سے کوئی بے وقوف پکار بیٹھے تو اسے ان سنی کر جانا چاہیے۔
پاری نے ذرا سانسوں پر قابو پایا۔ اور دروازے کی سرد کنڈی چھوڑ دی۔ پتہ نہیں اس کے ہاتھ زیادہ سرد تھے کہ لوہے کی کنڈی سرد تھی۔ مگر دیکھا تھا کہ دونوں میں سے کون زیادہ مضبوط ہے۔ پاری تیز تیز قدم اٹھاتی ٹی۔وی لاؤنج میں داخل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلا ئی۔ رات کے سناٹے میں ہائی ہیل کی ٹک ٹک نے خلل مچا دیا۔ اس خلل نے اس کے دل کے خلل کو ابھار دیا۔ آواز بھیانک بھی لگی اور خوفناک بھی۔ وہ دروازے سے دوڑی۔ تاکہ ایک دم کمرے میں داخل ہو کر اس آواز کا گلا گھونٹ دے۔ اسی وقت

وحیدہ عرفان نے اپنے تکلیے سے سر اٹھا کر پوچھا۔
پری یہ تم ہو؟
جی ہاں۔ پاری نے اپنی بے قابو سانسوں کی مہار پکڑ کے جلدی سے کہا۔
کیا پارٹی ختم ہوگئی؟ یہ کہہ کر وحیدہ عرفانے نے سامنے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بارہ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔
اسی وقت پاری نے اپنی کلائی کی سنہری گھڑی کل اسے ڈیوڈ نے نئے سال کے تحفے کے طور پر دی تھی۔تب یہ گھڑی صرف گھڑی تھی۔وار اس نے بنس بنس کے آنٹی اگروال اور امی کو دکھائی تھی۔کہ دیکھئے ایک نکھٹو جیالے کا تحفہ۔
مگر آج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ گھڑی کلائی پر دل بن کر دھڑک رہی تھی۔اس کے سنہری حروف میں سے شعلے نکل رہے تھے۔اور بیس منٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جو بارہ بجنے کے بعد گرے تھے۔بیس صدیوں پر بھری ہو گئے تھے۔
کاش آج بارہ ہی نہ بجتے۔
ابھی پارٹی ختم نہیں ہوئی امی۔پاری نے سامنے جانے کی بجائے اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑے ہو کر کہا۔
مگر میں آ گئی ہوں میں تھک گئی تھی۔
وحیدہ عرفان نے دوبارہ اپنا سر تکیے پر ٹکا دیا۔پاری نے اپنے ہائی ہیل کے سینڈل اتار کر دور پھینک دیئے۔اور دھم سے بستر پر گر گئی۔میں تھک گئی تھی۔نہیں ڈر گئی تھی۔
جیسے بستر نے اس کی غلطی درست کی جوانی کا سفر پھولوں کلیوں کا سفر ہوتا ہے۔اس سے کون تھکتا ہے۔ہاں ان پھولوں کے نیچے جب ناگ سرسراتے ہیں تو دل ڈر جاتا ہے۔سب جکانزے یہیں، ناگ ڈس لیتے ہیں۔اور ان کے ڈسے کا کوئی منتر نہیں ہوتا پھر بھی جب پہلو میں ناگ سرسراتے ہیں تو دل مستی میں کیوں ڈوب جاتا ہے۔
پاری نے مڑ کر دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا،جلدی سے ننھی اور انتی زور سے دروازہ بند کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جیسے اس کے دل کے چور لائن بنا کر اس دروازے سے بارہ نکل جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
رات کے سناٹے میں دروازہ یہ کی دھمک وحیدہ عرفان کے سر میں لگی۔اور انہوں نے سوچا۔
جانے اس لڑکی کو کب عقل آئے گی؟
پاری نے جلدی سے اپنے کمرے کی بتی بجھا دی۔اور بستر پر لیٹ کر سوچنے لگی کیا سب باتیں عقل کو تسلیم کر لینی چاہئیں۔
آخر یہ عقل ہے کیا؟

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 17

یہ جو ذہن کے اندر ایک بھوت ڈنڈ اٹھائے کھڑا ہے۔
یہ مت کرو۔وہ مت کرو۔
کیا یہ عقل ہے۔ضمیر ہے۔یا انسان کا وسوسہ ہے؟
وسوسے تو ہر انسان کے ساتھ لگے ہیں۔اور انسان ہمیشہ چیزوں کی طرف راغب رہا جنہیں بڑے منع کرتے رہے۔کیا یہ بڑے عقل کی علامت ہوتے ہیں،یا اپنی نا آسودہ تمناؤں کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔
پتہ نہیں عقل کسے کہتے ہیں۔بس دل روز ایک نیا تجربہ کرنا چاہتا ہے۔
بعض دفعہ دل کے اندر سے آواز آتی ہے۔
برا ہوا۔
بس لمحہ بھر کو یہ آواز ابھرتی ہے۔اسی وقت وحشی تمنائیں اٹھ کر اس آواز کا گلا گھونٹنے کی کوشش کرتی ہیں۔تمنائیں اپنے بچوں کی طرح پیاری ہوتی ہیں۔انہیں خون سے سینچا جاتا ہے نا؟ پھر وہ جسم کے اندر چلتی ہیں۔
کیا برا ہوا۔
اس نے اپنے دل سے پوچھا۔
بھئی یہ تو ان کا سسٹم ہے۔جس طرح عید پر ہم عزیزوں کو سینے سے لگا لیتے ہیں اسی طرح تہواروں پر والدین، بچوں،دوستوں کے منہ چوم لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔لوگ بچے کا بھی تو منہ چوم لیتے ہیں۔اس میں کون سی بدنیتی کا دخل ہوتا ہے؟ پیار لگتا ہے۔اچھا لگتا ہے دل کو بھاتا ہے۔
اور ہم اپنے جذبات اس تک پہنچانا چاہتے ہیں۔
تو ڈیوڈ اور میری دوستی پرانی ہے۔پھر کی ہوا، میں اس کی دوست ہو سکتی ہوں۔منہ بولی بہن ہو سکتی ہوں۔یہ تو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ تو بس ایک رسم ہے کہ اس نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔رسم ہے یہ۔؟
بس روایت ہے یہ،عادت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔یا۔۔۔۔۔۔۔۔۔یا۔۔۔۔۔۔۔۔۔
اس سے پہلے پاری کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔اس نے تو یہ صرف انگریزی فلموں میں دیکھ رکھا تھا۔بچے کو پیار کرنے میں کیا فرق ہے؟ کہاں جانتی تھی۔
گھڑیوں لگ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس اندھیری میں اس کا منہ سلگ رہا ہے۔ہونٹوں سے آگ کا آبشار پھوٹ رہا ہے،کسی کا دھک دھک کرتا دل۔پسلیوں میں کھبا چلا جا رہا ہے۔سانسیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔بول رہی ہیں۔
اندیشے دور جا کھڑے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔اندھیرا پہیلی بن گی ہے ایسی پہیلی جسے بوجھنے کو جی نہیں چاہتا۔
اور پھر اس پر خوف کا بادل چھا گیا۔رسم و رواج کی لگال آندھی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔
اقدار کے دیو شکلیں بگاڑ بگاڑ کر اسے ڈرانے لگے۔
ان سب سے میں سے ڈیوڈ کی شبیہہ صاف نظر آ رہی تھی۔
ڈیوڈ مسکرا رہا تھا۔اس کی آنکھوں کے پیمانے چھلکے چھلکے تھے۔اس کے چہرے کا کندن دمکا دمکا تھا۔اس کے ہونٹوں سے آگ کا آبشار پھوٹ رہا تھا۔
بعض اوقات آگ،آگ کو بجھانے آگے بڑھتی ہے۔
پاری لرز گئی۔
اس نے اٹھ کر بتی جلا دی۔
کمرہ روشن ہو گیا۔
اسے بتی جلا کے سونے کی عادت نہیں تھی۔ہمیشہ اندھیرا کر کے سوتی تھی۔آج اندھیرے سے ڈر لگ رہا تھا۔
ایسا لگتا تھا۔ڈیوڈ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر آ جائے گا۔ذرا سی دستک دے گا کھڑکی کے باہر اور یہ کھڑکی کھل جائے گی۔
ذرا سی سیٹی کی آواز نکالے گا چھت اڑ جائے گی۔
ذرا سا مسکرائے گا آگ کے شعلے بلند ہو جائیں گے۔
اف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو بہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو بہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔
آج کی رات اندھیرے میں،کیسے سویا جائے گا۔
دوسری صبح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔جب پاری کی آنکھ کھلی۔تو اسے باہر لاؤنج میں جھاڑو لگانے کی آواز آ رہی تھی۔اس نے جلدی سے اپنی کلائی رضائی سے باہر نکالی اور وقت دیکھا۔دن کے ٹھیک بارہ بج رہے تھے۔دونوں سویاں ایک دوسری کا مکھڑا چوم رہا تھیں۔وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔سوئیوں کے سنگم نے اس کے سینے میں سوئی چبھو دی۔

کتنا وقت ہوگیا۔ جانے رات کب تھرتھرائی۔ کانپتی لرزتی وہ سوگئی تھی۔ اور اب دن چڑھ آیا۔ حالاؔ جمعدارنی آ کر جھاڑو بھی لگا رہی تھی وہ ایک دم بستر سے نکل کر فرش پر کھڑی ہوگئی۔ پھر دوڑ کر غسل خانے میں گھس گئی ۔۔۔۔۔۔۔۔اس نے تو رات والی میکسی پہنی ہوئی تھی۔ جاگ امی اس حلیے میں دیکھ لیتیں تو۔۔۔۔۔۔۔۔

غسل خانے میں جا کر گرم پانی نکالا۔ اچھی طرح ہاتھ منہ دھویا مل کے آنکھوں کے گرد کاجل کے سیاہ دائرے مٹائے۔ جلدی سے شلوار قمیض پہن لی اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

وحیدہ عرفان میلے کپڑوں کا ڈھیر لگائے۔ آنکھوں پر عینک چڑھائے بیٹھی تھیں۔ اور دھوبی چھوٹے بڑے کپڑے الگ الگ کرر ہا تھا۔ جمعدارنی کی بیٹی چھیماں جھاڑو لگا رہی تھی۔ وحیدہ عرفان جانتی تھیں۔ رات وہ دیر سے سوئی ہے۔ اس لیے انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ وہ چپکے سے باورچی خانے میں چلی گئی۔ خانساماں مٹر کے دانے نکال رہا تھا۔

غلام رسول جلدی جلدی ناشتہ بنادو۔ پاری نے مٹر اس کے ہاتھ سے لے لیے اور دانے خود نکالنے لگی۔ کبھی کبھی وہ کوئی مٹا سادانہ اپنے دانتوں تلے چبا لیتی۔ کچی سبزی کا مزہ اس کے منہ میں پھیل جاتا۔

وہیں بیٹھ کر اس نے ناشتہ کیا۔ اور وہیں بیٹھ بیٹھے اسے اندازہ ہوا کہ فضا بند بند ہے۔ شیشوں میں سے جھانک کر باہر دیکھا تو سارے شہر پر سیاہ بادلوں نے خیمے لگا رکھے تھے۔ سورج کو فضا میں نظر بند کر دیا گیا تھا ان شریر بادلوں سے ایک خوشگوار صبح پر ایک دلنواز شام کا گمان ہو رہا تھا۔

بے تحاشہ سردی فضاؤں میں ٹھہری ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔خلاء میں ہر شے جم گئی ہے۔ بڑا اخلک، پراسرار اور میلا دن لگ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاری کو ایسا موسم بہت پسند تھا۔ ایسے میں وہ بستر میں گھر کے ناول پڑھا کرتی۔ آج اسکتری ل جیسے کانٹے اگے تھے۔ پتہ نہیں دل کیسا کیسا ہو رہا تھای۔ اس لیے اس نے چھیماں کو اپنے کمرے میں بلا کے کمرہ صاف کرنا شروع کر دیا۔

گھر صاف کرنے کا دورا اسے کبھی کبھی پڑتا تھا۔ ایک بار سردیوں میں، ایک بار گرمیوں میں۔

تب وہ اپنے لمبے بالوں کو سر کے گرد لپیٹ کے ہاتھ میں جھاڑن لے کے کھڑی ہو جایا کرتی۔

وحیدہ عرفان چیختی رہ جاتی ں، مگر وہ سارے گھر کی چیزیں ہلا کر رکھ دیتی تھیں۔ پاری کو چیزیں ادل بدل کر رکھنے کی بہت عادت تھی آج پلنگ کا رخ شمال کی جانب ہے تو کل جنوب کی جانب۔ ہمیشہ صوفوں کی ترتیب بدل دیتی۔ اور ڈ اور ٹی۔ وی لاؤنج کی پوری سیٹنگ بدل کے ٹی۔ وی کا رخ پھیر دیا کرتی۔ ایسے میں کبھی تار یا انٹینا کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔ تب وحیدہ عرفان کو بہت غصہ آیا کرتا وہ کہتی تھی جو چیز جہاں پڑی ہے۔ رہنے دو کیا مزہ آتا ہے تمہیں روز بدلی کرنے سے۔ ج ہمیں ایک جگہ سونے یا بیٹھنے کی عادت سی پڑ گئی جاتی ہے۔ مگر وہ کب سنتی تھی۔ ہمیشہ کہتی۔ ؤ بہ! اس ترتیب سے اکتا گئی ہوں۔ بور ہوگئی ہوں۔ اگر گھر کی سیٹنگ نہ بدلی جائے تو مجھے بے چینی ہونے لگتی ہے۔ میں ایسے گھر میں نہیں رہ سکتی جہاں انسان گھومتی پھرتے ہیں چیزیں ساکت ہو جاتی ہیں۔

وحیدہ عرفان اس کی اس عادت کے آگے ہار مان لیتی تھیں کی کرتیں۔ جوان اولاد کی کوئی نہ کئی بات تو ماننا ہی پڑتی ہے۔

آج تو خیر وہ اپنے جسم اور ذہن کو بے حد مصروف رکھنا چاہتی تھیں۔ ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ پہلے تو اس نے چھیماں کو ساتھ ملا کے اپنی ساری الماریاں ٹھیک کیں۔ ابھی تک الماری کے نچلے خانے میں اس کے پرانے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ جو اسے بہت پسند تھے، اور اب جن کا فیشن بدل چکا تھا۔ یعنی بڑے پائنچے اور چھوٹی قمیض وال سوٹ۔ اس نے اس لیے رکھ چھوڑے تھے کہ کبھی نہ کبھی فرصت ملے گی۔ وہ ان کو ٹھیک کر لے گی۔ مگر آج اس نے ان میں سے دو چار سوٹ اچانک چھیماں کے ہاتھ میں پکڑا دیے۔ تو چھیماں کے ہاتھ جلدی جلدی چلنے لگے۔

اپنا پلنگ اٹھا کے دوسری دوار کے ساتھ لگا دیا۔ کتابوں کی ترتیب بدل دی۔ ایک ایک چیز کو چھیڑ اور سنوار کر دوبارہ رکھا۔ لیکن پھر بھی نہ تو طبیعت میں جھنجلاہٹ پیدا ہوئی اور نہ اعصاب میں تھکاوٹ کے آثار۔۔۔۔۔۔۔۔

تب اس نے ڈرائنگ روم کا رخ کر لیا۔

وحیدہ عرفان نے نظر اٹھا کر اس کے ارادے کو بھانپا۔ جانتی تھیں کہ وہ اپنی عادت کے مطابق صوفوں کی سیٹنگ بدل دے گی، مگر صرف اتنا کہا۔

آج بہت سردی ہے پاری۔ آج یہ کام رہنے دو، جس دن دھوپ نکلے گی کر لینا۔

آج میرا موڈ ہ امی۔ پاری بولی۔ ممکن ہے جس دن دھوپ نکلے میرا موڈ ہی نہ ہو۔ پھر اس نے دل می ں کہا خدا کرے مطلع صاف ہو جائے۔ یہ جھڑی کھل کر برس جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔کچھ تو ہو کہ معاملات صاف نظر آنے لگیں۔

وہی ہوا شام چار بجے تک اس نے سارے گھر کی ترتیب بدل کر رکھ دی۔ آج چھیماں کو کپڑوں کے علاوہ پرانے جوتے کلپ اور چوڑیاں بھی مل گئی تھیں۔ وہ کیوں جانے کا شور مچاتی۔ مگر عجیب بات ہوئی اس کام کے دوران پاری بھی باہر گھر کے صحن میں نہیں گئی۔ اور نہ ہی اس نے آنکھ اٹھا کر آنٹی اگروال کے گھر دیکھا۔

پتہ نہیں آج کیا لگ رہا ہے"۔

ایسے لگ رہا تھا آنٹی اگروال کا گھر ایک سنسان جزیرے میں چلا گیا ہے جس کے اردگرد برف کی تہہ در تہہ دیواریں ہیں۔

پتہ نہیں یہ گھر، برف میں گھرا کیوں لگ رہا تھا۔

کنیب اراس کا دل چاہا کہ بارہ نکل کر فضا کو محسوس کرے یہ ٹھنڈی ٹھنڈی برفانی ہوا جو کلیجہ چیر کر رکھ دیتی ہے۔ اسے بہت اچھی لگتی ہے۔ اس یخ بستہ ہوا میں اپنے جسم کی گرمی سے خوشبو اٹھنے لگتی ہے اور لمبے بال کندھوں پر شال بن جاتے ہیں۔ شدید سردی کا موسم اسے بہت پسند تھا۔ مگر ڈر کے مارے بارہ نہیں نکل رہی تھی۔

ایسے لگتا تھا۔ آج وہ باہر نکلی تو تیز ہوا کے جھونکے اسے کے بال منتشر کر دیں گے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیز ہوائی اس کے قدم اکھیڑ دیں۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 18

ایسا نہ ہو کوئی گرد باد اٹھے اور اس کو اپنے اندر لپیٹ کر آنٹی مینا اگروال کے گھر پھینک آئے۔ ایک ہفتہ گزر گیا اس ایک ہفتے میں نہ تو باہر کا موسم بدلا اور نہ اس کے اندر کا موسم بدلا۔ ایسے لگتا تھا لاہور کا آسمان سیاہ بادلوں کے نرغے میں آ گیا ہے، ہر وقت آسمان پر کالے بادل رہتے۔ کبھی کبھی برس بھی جاتے یوں جیسے سوے ہوئے کو ماں کی یاد آ گئی ہو، دھوا دھار کر پھر سو گیا ہے۔

موسم بند بند تھا۔ فضا گھٹی گھٹی تھی۔ اور سردی تھی کہ آلاماں۔ آسمان سے بھی گر رہی تھی اور زمین سے بھی پھوٹ رہی تھی۔

ایسے موسم میں گھر سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔ آتش دان روشن ہو جاتے ہیں۔ بھاری گرم کپڑے نکل آتے ہیں طبیعت کیسے ہی رنگ کیوں نہ بدلے دنیا کا کاروبار چلتا ہی رہتا ہے۔

وہی کھانا پینا۔ ملنا۔ ہنسنا بولنا۔ مرنا جینا۔

مگر ایک موسم پاری کے نندر بھی ٹھہر گیا تھا۔

اس کا دل چاہتا کہ کھل کر برس جائے۔ پر کیسے برسا جائے؟

باہر تو صاف نظر آ رہا تھا کہ کالے ضدی بادل سورج کو دیس نکالا دے کر سارے آسمان کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ اسے نکلنے نہیں دیتے۔ مگر سوچ کے سورج کے آگے کون ضدی کھڑا ہے؟ اسے پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ سخت سردی میں جب کھل کر برسات ہو جاتی ہے۔ تو موسم نکھر کر روشن روشن ہو جاتا ہے۔ سورج کی روشنی پہلے ہی تیز اور گرمی بڑھ جاتی ہے۔ موسموں کو نیا رنگ عطا کرنے کے لیے بادل بھی ضروری ہوتے ہیں۔ مگر کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ زندگی عطا کرنے کے لیے کھل کے برسنے والے بادلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

پر یہ بادل ذہن و دل پر چھائے تھے۔

پہلے تو وہ سمجھتی رہی کہ یہ محض ایک اتفاق ہے۔ کانٹا چبھتا ہے۔ تو نکل بھی جاتی ہے۔ کچھ دنوں میں شدرد بھی جاتا رہتا ہے۔ ڈیوڈ خود ہی آ جائے گا۔ ہنس ہنس کے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہے گا، اور وہ معصوم چہرہ بنائے مضبوط بنی رہے گی۔ تب بات آئی گئی ہو جائے گی۔ مگر پورا ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اور ڈیوڈ نہیں آیا تھا۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ جن دنوں وہ یہاں ہوتی تھی۔ ڈیوڈ روز شام کو آیا کرتا تھا۔ اور بعض اوقات دن میں دو مرتبہ بھی آتا تھا۔ اب کیوں نہیں آتا، کیا وہ شرمندہ ہے؟ اگر یہ ان کا دستور ہے تو وہ کیوں شرمندہ ہے؟ اپنے گھر اپنے تہوار پہ انسان اپنے رسم و رواج کر سکتا ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاں اگر ایسے ذرا سا بھی وہم ہو جائے کہ رسم و رواج کا کسی نے برا مانا ہے۔ تو آ کے معافی مانگ سکتا ہے۔

وہ کیوں نہیں آ رہا۔ کیا اس کے دل میں چور ہے؟

نہیں نہیں۔ ڈیوڈ ہمارے بارے میں سب جانتا ہے۔ وہ کبھی ایسا ناممکن خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔

دل ہی دل میں شرمندہ ہو گا۔ اس لیے نہیں آ رہا۔

مگر وہ اتنا بزدل لڑکا نہیں ہے۔ بڑا ڈھیٹ اور ضدی ہے۔ خود اعتمادی بھی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ صاف گو ہے۔ ہر بات منہ پر کہہ دیتا ہے۔

ایک بار پاری ساڑھی پہن کیر جوڑا باندھ کے کہیں جا رہی تھی۔

تو وہ اسے سڑک پر مل گیا تھا۔

مسکرا کر بولا۔

ظالم سڑک پر نہ ملتی تو خراج تحسین پیش کرتا۔

اور ایسا مزے دار تھپڑ کھاتے کہ ساری زندگی گال سہلاتے گزر جاتی۔

پاری نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔

اچھا۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا، واقعی پاری تم اتنی ہی تیز لڑکی ہو۔ جتنی نظر آتی ہو؟

نہیں۔ پاری غرور سے بولی۔ میں جتنی نظر آتی ہوں۔ اس سے دس گنا تیز ہوں۔

پاری! اب تم ثابت کرو کہ تم دس گنا تیز ہو۔

اس نے اپنے آپ سے کہا۔ ڈرنے یا جھجکنے کی بات نہیں۔ ایک مرد نے تمہیں چیلنج کیا ہے۔ آخر تم گئی گزری تو نہیں ہو۔ ہاں وہ کہہ دے گا کہ میں نے تو خراج پیش کیا تھا۔

تم بھی کہہ دینا۔ کہ میں بھی اپنی طبیعت کا رنگ دکھا رہی تھی۔

مگر وہ کم بخت آتا بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مصروفیت کو ایک یا دو دن کی ہوتی ہے۔ یہاں تو پورا ایک ہفتہ بیت گیا تھا۔ ویسے تو پاری کو اس کا انتظار نہیں تھا۔ مگر جونہی کوئی دروازہ کھولتا۔ اس کا دل دھک سے ہوتا، ہر بار وہ اس امید پر

باہر والے دروازے کی طرف دیکھتے جیسے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ آیا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ سکون سے کبھی نہیں آتا تھا۔اسے ہمیشہ بھونچال مچا کے آنے کی عادت تھی۔یوں جیسے کوئی گرم گرم خبر لایا ہو۔اس کے آنے سے پہلے پتہ چل جاتا تھا کہ وہ آرہا ہے۔

پھر بھی اس نے پورے ہفتے میں کام کیے تھے ۔امی کی الماریاں بھی ٹھیک کر دی تھیں۔اس ایک ہفتے میں سہیلیوں کے گھر بھی نہیں گئی تھی۔کوئی آیا بھی نہیں تھا۔شکر ہے موسم ہی اتنا خراب تھا ورنہ وحیدہ عرفان سو بار پوچھ چکتیں کہ وہ گھر میں کیسے گھسی بیٹھی ہے۔

پھر ایک دن بھونچال سا آ گیا۔

خبر بڑی عجیب تھی۔

صفیہ پھوپھو کا اچانک انتقال ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حالانکہ سب کو معلوم تھا وہ بیمار ہیں۔ابھی کچھ دن ہوئے وہ راضی خوشی ہسپتال سے گھر آ گئی تھیں۔

انہوں نے وحیدہ عرفان سے کہا تھا۔تم گھر چلی جاؤ میں اب ٹھیک ہوں انہیں یقین تھا کہ وہ غزالی کی شادی اپنے ہاتھوں سے کریں گی۔اور پاری جب ہسپتال جایا کرے گی تو اس کے بچے کھلایا کریں گی۔

مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مشیت کے آگے یہ یقین کچے دھاگے کیوں ثابت ہوتے ہیں؟

انسان اپنی کس بات پر اس قدر بھروسہ کرتا ہے۔

جب صفیہ پھوپھو نے کہا۔۔۔۔۔۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔تو سب نے یقین کر لیا۔سب بے پرواہ کیوں ہو گئے؟ قدرت بھی تو یہی چاہتی ہے۔سب بے فکر ہو جائیں۔دم بھر کو بھول جائیں۔چھوڑ جائیں۔اور وہ ہاتھ بڑھا کر اچک لے۔

وحیدہ عرفان کے تو آنسو ہی نہ تھمتے تھے۔اور پچھتاوا انہیں الگ کچوکے لگا رہا تھا۔کہ وہ صفیہ پھوپھو کے کہنے پر انہیں تنہا چھوڑ کر لاہور کیوں آ گئیں۔ضد کر کے انہیں ساتھ لے آتیں۔

کسی اچھے سے ڈاکٹر کو دکھاتیں۔یہاں سی۔ایم۔ایچ میں داخل کرواتیں۔جی جان سے ان کی تیمارداری کرتیں ممکن ہے وہ ٹھیک ہو جائیں۔وہاں اس کے گھر میں صرف ایک نوکرانی تھی۔

غزالی تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شام کو گھر آتا ہوگا۔پتہ نہیں کتنی بدپرہیزی ہوگئی ہوگی۔

افوہ! یہ موت پچھتاووں کو جنم دیتی ہے۔اگر یوں ہو جاتا۔اگر دوں ہو جاتا۔مگر جن کو جانا ہو چلے جاتے ہیں۔خواہ ہاتھوں میں تھام کے کلیجے سے لگا لیں۔

صفیہ پھوپھو کی موت کا پاری کو بھی اتنا ہی صدمہ تھا۔مگر وہ اپنے حواسوں میں تھی۔اور جلدی جلدی سوٹ کیس میں اپنی امی کے اور اپنے روزمرہ کے استعمال کے کپڑے اور ضروری چیزیں رکھ رہی تھی۔کرنل عرفان اللہ وہیں بلوچستان میں تھے۔ان کو اطلاع بھجوائی گئی۔اور ایک گھنٹے بعد دونوں ماں بیٹی اپنی موٹر پر ہی فیصل آباد روانہ ہو گئیں۔

راستہ بھر وحیدہ عرفان صفیہ پھوپھو کی باتیں یاد کر کے روتی گئیں، بہت کم نند بھاوج میں اتنا پیار ہوتا ہے۔جتنا وحیدہ عرفان اور صفیہ پھوپھو میں تھا۔اسی وقت پاری کو بھی اس کا احساس ہوا۔اور اس نے اچانک اپنے دل میں صفیہ پھوپھو کے لیے ایک روشنی سی پھوٹتی محسوس کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہی صفیہ پھوپھو جن کی وہ پرواہ نہ کرتی تھی۔جن کی خواہش تھی کہ وہ ان کے پاس بیٹھے اور انہیں دنیا بھر کی باتیں سنائے۔مگر وہ اس لیے ان کے قریب نہیں پھٹکتی تھی۔کہ کہیں وہ اس سے زیادہ امیدیں نہ وابستہ کر بیٹھیں۔یہ نہ سمجھ لیں کہ دل ہی دل میں ان کی بہو بننے پر آمادہ ہے۔یا ان کے بیٹے کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھنے لگی ہے۔کاش اسے معلوم ہوتا کہ یہ اتنی جلدی مر جائیں گی۔تو وہ انہیں سچ مچ کی بہو بن کر دکھا دیتی۔کم از کم جاتے وقت تو انہیں تسلی ہوتی۔

پھر یہ محبت کے سوتے اور رحم کے جذبے کسی کے جانے کے بعد کیوں اچانک پھوٹتے ہیں۔

کسی عزیز کے چلے جانے کے بعد اچانک اس کی قدر کیوں آتی ہے؟ یوں کیوں لگتا ہے کہ ابھی اس کی بہت ضرورت تھی!

کیا وابستگیوں کے سچے جذبات جگانے کے لیے کسی کا جانا بڑا ضرور ہے؟

بڑی ظالم ریت ہے۔

دو گھنٹے بعد وہ فیصل آباد پہنچ گئے۔

غزالی کا چہرہ دیکھ کر پاری کو رونا آ گیا۔پہلی بار اس نے نظر بھر کر اس کے زرد چہرے کو دیکھا۔رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ذرا ذرا سا شیو بڑھا ہوا تھا۔گھنے بال جو ہمیشہ سے بنے سنورے رہتے تھے۔بکھرے ہوئے تھے۔اس نے رات والا کرتا شلوار پہن رکھا تھا۔جس پر بے تحاشا سلوٹیں تھیں۔سوٹ کی ایک ایک شکن کہہ رہی تھی۔''

ہم نے رات بھر جاگ کر ماں کی تیمارداری کی ہے'' مگر اداس آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ہم نے جانے کا منظر بھی دیکھا ہے۔ بہت التجا کی تھی۔ بہت منتیں کی تھیں۔ معافیاں بھی مانگی تھیں۔ اور سجدے بھی کیے تھے۔ مگر ماں چلے گئی۔

غزالی ایک دم سے اکیلا، دکھا اور تھکا لگ رہا تھا۔

وحیدہ عرفان نے بے اختیار اسے گلے لگایا۔تو وحیدہ عرفان کی چیخیں نکل گئیں۔

غزالی کو بھی پوری دنیا میں ہی ایک چہرہ اپنا نظر آیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر پاری نے دیکھا کہ غزالی نے ایک تھکے ہوئے شہسوار کی طرح اپنا اداس چہرہ وحیدہ عرفان کے کندھوں پر رکھ دیا۔اور آنکھیں موند لیں۔اسکی گھنی پلکوں کی باڑھ توڑ کر دو چار صاف ستھرے سے آنسو دھیرے دھیرے لڑھک آئے۔جنہیں پاری نے دیکھ لیا۔اس وقت پاری کی آنکھیں گرم، گرم پانی سے دھندلا رہی تھیں۔مگر وہ پھر بھی آنکھیں کھولے غزالی کو دیکھ رہی تھی۔

غزالی جو رونا نہیں چاہتا تھا۔اور لوگوں کو بتانا چاہتا تھا۔کہ وہ بہادر آدمی ہے۔

اپنی ماں کا غم بہادروں کی طرح سہہ لے گا۔

کتنا کرب تھا اس وقت غزالی کے چہرے پر۔جب وحیدہ عرفان اس کے سر پر ہاتھ رکھے چاہ چاہ کر رو رہی تھیں۔۔۔۔عجیب منظر تھا۔وحیدہ عرفان کو تو اسے تسلی دینی چاہیے تھی۔مگر انہیں ٹوٹتا پھوٹتا دیکھ کر غزالی نے اپنی چیخیں ضبط کر لی تھیں۔اور آنسوؤں کی بہتی دھار کو دانت بھینچ کر روک لیا تھا۔

اس وقت پاری کا دل بے اختیار چاہا تھا کہ وہ غزالی کے گلے لگ جائے اور اس سے کہے۔

غزالی! تم میرے کندھے پر سر رکھ کے رو لو۔تمہارا غم اسی صورت میں ہلکا ہوگا۔کندھا بڑا ہو تو آدمی اس پر اتنا بوجھ نہیں رکھ سکتا۔

دیکھو میں تمہارے برابر ہوں۔تمہارا ہاتھ تھام سکتی ہوں۔آج تو تمہارا غم بٹانے کا وچن دے سکتی ہوں آج میری جانب دیکھو۔

مگر خدا جانے غزالی نے پاری کی جانب نہیں دیکھا۔اس نے اپنی آستین سے اپنا چہرہ صاف کیا۔اور باہر دیوار خانے میں چلا گیا۔

پاری! غزالی ان مردوں میں سے ہے۔جو عورت کو صرف خوشی میں شریک کرتے ہیں۔اور اپنا دکھ اپنے سینے میں خود اٹھائے پھرتے ہیں۔جیسے پاری کے کان میں کسی نے کہا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 19

پاری اپنے ہوسٹل کے برآمدے میں فرش پر بیٹھی نوٹس نقل کر رہی تھی۔ جب ایک لڑکی نے آ کر کہا۔ پاری تمہارے وزیر آئے ہیں۔

وزیر؟ پاری نے حیران آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ ''وزیر میرے۔۔۔۔۔۔۔۔؟'' اس نے پھر دوبارہ پوچھا۔

ہاں ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک صاحب تم سے ملنے آئے ہیں۔ یہ کہہ! کر وہ لڑکی بے پرواہی سے آگے نکل گئی۔

حیران و ششدر پاری نے نوٹس کی کاپیاں تہہ کیں، کھڑے ہو کر اپنے لمبے بالوں کو جھٹکا۔

آج جمعہ تھا۔ چھٹی تھی۔ ابھی ابھی کمرہ ٹھیک کر کے نہائی تھی۔ چار بجنے والے تھے۔ بال سکھانے کی خاطر وہ برآمدے کے اس کونے میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ جہاں ڈوبتے سورج کی الوداعی شعاعوں کا تیز عکس تھا۔ وہیں اس نے نوٹس نقل کرنا شروع کر دیئے۔ اس بار چھٹیوں میں صفیہ پھوپھو کے انتقال کی وجہ سے وہ ذرا دیر سے ہوسٹل آئی تھی۔ اس لیے بہت سا کام رہ گیا تھا۔ لڑکیوں سے کاپیاں مانگ کر لڑی جلدی نقل کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ ویسے بھی اس بار پاری اداس اور گم صم تھی۔ سب لڑکیاں جانتی تھیں کہ اس کی پھوپھی کا انتقال ہو گیا ہے۔ مگر یہ کوئی نہیں جانتی تھی کہ اس کی پھوپھی کے بیٹے سے اس کی منگنی ہونے والی تھی۔ نہ جانے پاری کو یوں محسوس ہوتا تھا، کہ اس کا دنیا سے دل اچاٹ ہوا جاتا ہے۔ شاید اس نے اپنے ہوش میں پہلی موت دیکھی تھی اور سہم ہوئی تھی۔ خوف زدہ ہو گئی تھی۔

اس نے کتابیں کمرے میں رکھیں۔ کھونٹی پر سے اپنا پرنٹڈ دوپٹہ اتارہ۔ اور اسے قرینے سے اپنے بالوں والے سر پر اوڑھا اور باہر کو چلی۔

پاری کو آج تک کوئی ہوسٹل میں ملنے نہیں آیا تھا اور آتا بھی کون۔؟ ابو تو ملازمت کے سلسلے میں دور ہی دور رہتے ہیں۔ وحیدہ عرفان کا مستقبل ٹھکانا لاہور تھا۔ اور پھر ملتان تھا بھی کتنی دور۔

کئی بار ضروری کام ہوتا۔ یا ضروری شاپنگ کرنا ہوتی تو پاری چھٹی کے روز لاہور آ جاتی۔ یا فون کر لیتی۔ فون پر تو روز ہی بات ہو سکتی تھی۔ نیک تو رہتی ہی دبئی میں تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر کون اسے ملنے آتا؟ ملتان میں کوئی رشتہ دار بھی نہیں تھا۔ ویسے جمعہ کے روز جب دوسری لڑکیوں کے وزیر آتے۔ تو پاری انہیں رشک سے دیکھا کرتی۔ اور خوشی ان کے چہروں سے پھوٹی پڑتی تھی۔ کسی کی ماں آتی، کسی کا باپ، کسی کا بھائی، اور کسی کا کوئی کزن۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ کزن بھی بڑے حضرت ہوتے ہیں۔ بغیر لالچ کے نہیں آتے۔ جب کسی لڑکی کا کزن ملنے آتا، تو آپ ہی آپ اس کا منہ سرخ ہو جاتا۔ اور بعض اوقات کھانے پینے کی چیزیں لڑکی سے چھین کر چٹ کر جاتیں۔

پاری کے ساتھ ایک چیچہ وطنی کی لڑکی پڑھتی تھی۔ ہر جمعہ کو اس کا ایک بے وقوف سا کزن اسے ملنے آیا کرتا تھا۔ اور جاتے وقت ایک پوٹلی دے جایا کرتا تھا۔ جس میں کبھی پنجیری، کبھی ستو، کبھی گزگ اور کبھی گھر کی بنی ہوئی کوئی مٹھائی ہوتی تھی۔ سب لڑکیاں جھپٹ کر اس غریب کی پوٹلی چھین لیتیں۔ اور پھر اسے سو سو باتیں سناتیں۔ پاری تو اسے ہمیشہ کہا کرتی۔

حمیدہ جبیں! اس سے اچھا ہے تو کسی حلوائی سے عشق کر لے۔ کم از کم شہری مٹھائی تو کھلائے گا۔ غرض جمعہ کے روز خوب ہنگامہ ہوتا۔ کوئی آ رہی ہے۔ کوئی جا رہی ہے۔ وزیٹنگ روم اچھا خاصا ڈرائنگ روم بن جاتا۔ بھانت بھانت کے لوگ ملنے آتے۔ اس وقت پاری سوچتی۔

قیدی دو قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک وہ جنہیں جرم کی پاداش میں سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا جاتا ہے۔ اور ہمیشہ باہر کی دنیا میں آنے کے۔ یا کسی سے ملنے کے منتظر رہتے ہیں۔

اور دوسرے علم کے قیدی۔

جیسے کہ ہم ہیں۔ ہم نے خود ہی اپنے اوپر پابندیاں اور حد بندیاں لگا رکھی ہیں۔ اور حصول علم کے لیے گھروں سے دور پڑے ہوتے ہیں۔ کس قدر انتظار ہوتا ہے۔ چھٹی کے روز کہ کوئی آئے۔ کوئی کچھ لائے۔ کوئی ہم سے پیار جتائے۔

مگر کچھ ایسی لڑکیاں بھی تھیں۔ جنہیں کبھی کوئی ملنے نہیں آتا تھا۔ انہیں میں پاری بھی تھی۔

آج اسے کسی کے آنے کی خبر ملی تو دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔

باہر جاتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ''اللہ خیر کرے۔ اللہ خیر کرے''۔ اب تو ہر گھڑی یوں لگتا تھا جیسے کوئی بری خبر تاک میں کھڑی ہے۔ حوصلے چھوٹ گئے تھے۔ اور انجانا سا خوف دل میں بیٹھ گیا تھا۔ شاید غزالی ہوں؟ اس نے دل میں سوچا۔ ایک روز انہوں نے کہا تھا، میں آؤں گا تمہارے ہوسٹل، اور بھلا کون ہو سکتا ہے؟

آج غزالی اگر آئے ہیں تو ٹوٹا ہوا زخمی دل لے کر آئے ہوں گے۔ اداس ہوں گے۔ حوصلہ مانگنے آئے ہوں گے۔

تنہائی کی آگ نے انہیں جلا دیا ہوگا۔ان کے ساتھ پاری کا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟
ظاہر ہے مہربانہ، پاری نے اپنے دل کو سمجھایا۔ابھی صفیہ پھوپھو کا چالیسواں بھی نہیں ہوا تھا۔ابھی کتنا دکھی ہوں گے غزالی۔کہیں ان کے سامنے کوئی آنسو نہ نکل آئے۔پاری سوچتی سوچتی وزیٹنگ روم میں داخل ہوئی۔تو ٹھٹک کر دروازے میں کھڑ ہوگئی۔
وہ تو ڈیوڈ تھا۔
دھری دار پینٹ کے ساتھ لیدر کی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔اور گلے میں سرخ چیک کا سکارف لپیٹا ہوا تھا۔
آج بھی اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔اور ایک تپتا ہوا سوز اس کے چہرے پر بکھرا تھا۔
پاری کو دیکھا تو کھڑا ہو گیا۔
بہت لمبا اور شاندار لگا۔
پاری نے محسوس کیا۔۔۔۔۔۔پاری بت بنی دروازے میں کھڑی تھی وار حیرت سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔آج سے پہلے ڈیوڈ کبھی اسے ملنے نہیں آیا تھا۔آج کیوں آیا؟ آج کیو آیا ۔۔۔۔۔۔؟
کچھ دن پہلے جذبات کی ایک لال آندھی اٹھی تھی۔مگر اسے پاری نے دبا دیا تھا۔اور رہی سہی کسر صفیہ پھوپھو کی موت نے پوری کر دی تھی۔کہ پاری شل ہوگئی تھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور پھر اپنی سوچوں کو بچا کر وہ اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔پچھلے پندرہ دنوں میں اسے ایک بار بھی ڈیوڈ کا خیال نہیں آیا تھا۔اور نہ وہ آگ کے شعلوں والی رات ہی یاد آئی تھی۔یہی تو زندگی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کبھی پھول ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کبھی خار۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اب وہ کتنی خاموش، مطمئن اور رواں، دواں تھی۔
اور اب ڈیوڈ یہاں کیا لینے آیا ہے؟
ممکن ہے۔وہ صفیہ پھوپھو کا افسوس کرنے آیا ہو۔کیوں کہ وہ اندرون خانہ سب باتوں سے واقف تھا۔اور پھر پاری بھی تو ایک دن لاہور ٹھہر کر اگلے دن آگئی تھی۔
پاری کو محسوس ہوا۔کہ اس کا اندازہ گرد کے لوگوں کے لیے مشکوک بن رہا ہے۔کوئی کیا سوچے گا۔یہ سوچ کر اس نے قدم آگے بڑھائے اور آکر ڈیوڈ کے کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ڈیوڈ کی نظریں مستقل پاری کے چہرے پر تھیں۔
پاری کی نگاہ جھکی ہوئی تھی۔
پھر پاری نے آہستہ سے کہا۔
کیسے ہو ڈیوڈ؟
''اچھا ہوں''
کیسے آئے ہو؟
بس ایسے ہی۔
آنٹی کیسی ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔؟
ٹھیک ہیں بالکل۔
اور ۔۔۔۔۔۔۔۔؟
بس ۔۔۔۔۔۔۔۔
دونوں چپ ہو گئے۔پاری اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے لمبے ناخن سے جوتی میں ڈیزائن بناتی رہی۔ڈیوڈ اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔
تھوڑی دیر بعد پاری نے گھبرا کر اپنا چہرہ اوپر اٹھایا۔اور اس کی صورت دیکھ کر بولی۔
میرے گھر میں سب لوگ ٹھیک ہیں؟
''ہاں بالکل ٹھیک ہیں''
امی نے کوئی پیغام تو نہیں دیا تھا؟
میں ان سے مل کر نہیں آیا۔
کیوں؟ پاری کا دل چاہے کہ پوچھ لے۔مگر اس نے ڈر کے مارے نہیں پوچھا۔پتہ نہیں کیسا ڈر تھا۔پاری دل میں سوچ رہی تھی کہ کسی طرح صفیہ پھوپھو کا ذکر چھیڑ دے۔اور پھر ڈیوڈ کو اچھی طرح بتا دے کہ وہ غزالی سے منسوب ہے۔اور ہر صورت میں اسی سے منسوب رہنا پسند کرتی ہے۔مگر پتہ نہیں۔صفیہ پھوپھو کا ذکر اس کے لبوں پر آ کر جم کیوں جاتا تھا۔عجیب تذبذب میں بیٹھی تھی۔
اور خاموش کھل بھی رہی تھی۔

پھر ایک دم سر اٹھا کر بولی۔

اور سب کیسے ہیں؟

سب ٹھیک ہیں۔

ڈیوڈ نے اسی طرح جواب دیا۔

پیٹر آج کل کہاں ہے۔؟

کاکول ہے۔

بالکل ٹھیک ہے۔

دونوں بالکل مختلف انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ آج سے پہلے ان کا یہ انداز نہ تھا۔ محتاط محتاط، ڈرا سہما ۔۔۔۔۔۔۔ سوچ سمجھ کر، وہ بے دھڑک باتیں کرتے ۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ گالی گلوچ کرنے کے عادی تھے ۔مذاق مذاق میں ایک دوسرے کو دھپ بھی رسید کر دیتے تھے۔

مگر آج ۔۔۔۔۔۔۔ یہ کیسی دیواریں بیچ میں کھڑی ہو گئیں تھیں۔ کہ بات کرنے کو موضوع نہیں مل رہا تھا۔

پاری نے تیسری بار گھبرا کر پوچھا۔

اور سب کیسے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔؟

تو ڈیوڈ ایک دم سے بھڑک اٹھا۔ اس پر وہی غیض وغضب والا موڈ طاری ہو گیا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ سانولا رنگ دمک اٹھا اور اپنے لہجے میں آگ سمو کر بولا۔

کب تک یہ لایعنی سوال پوچھتی رہو گی۔ اور کب تک میں ہوں ہاں میں جواب دیتا ہوں گا۔ اور کب تک اس بات سے بچتی رہو گی کہ جو میں کہنے آیا ہوں۔

ڈیوڈ ۔۔۔۔۔۔۔۔

پاری نے اتنی آہستگی سے کہا۔ جیسے آہ بھری ہو۔

©- جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 20

ہاں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں کوئی پیغام لے کر نہیں آیا ہوں ۔ کسی سے پوچھ کر نہیں آیا ہوں ۔ ادھر ادھر کی ہانکنے نہیں آیا ہوں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پندرہ دن سے اپنے آپ کو منا رہا ہوں، سمجھا رہا ہوں ۔ اپنے آگے ہاتھ جوڑ رہا ہوں ۔ اپنی منتیں کر رہا ہوں سر پھوڑ رہا ہوں ۔

وہ رک گیا دونوں کی نظریں ٹکرا گئیں ۔ ڈیوڈ کی آنکھوں میں سچ کے آنسو تھے ۔ پاری کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو تھے ۔ پاری نے نظریں جھکا لیں ۔

ڈیوڈ کی آواز آہستہ ہو گئی ۔

اب میں نہیں رہ سکتا ۔ اب صاف کہنے آیا ہوں ۔ پاری تم سے عشق کرتا ہوں، محبت کرتا ہوں، اور تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا ۔

چپ رہو ڈیوڈ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پاری نے مجبور سی آواز میں اس کو ڈانٹا پھر ادھر ادھر دیکھا ۔ شکر ہے ۔ اور لوگ جا چکے تھے ۔ اور کچھ دروازے کے باہر ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ رہے تھے ۔

ذرا سچوایشن کا لحاظ کرو ۔ یہ جگہ ایسی باتیں کرنے کی ہے ۔

پھر ابھی میرے ساتھ کہیں چلو ۔ میں تمہارے ساتھ بے حد اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں ۔

آج ۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ابھی ۔۔۔۔۔۔۔۔؟

پاری نے بے بسی سے اسکی طرف دیکھا ۔

نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ تم اگلے جمعہ کو آنا ۔

میں آج ہی بات کروں گا، اگر تم نہیں چلو گی تو یہیں بات کر لوں گا؟

پاری گھبرا کر کھڑی ہو گئی ۔

لمحہ بھر اس نے سوچا ۔ کہیں اور لے جا کر ڈیوڈ کو اچھی طرح سمجھا سکتی ہے ۔ اور بتا سکتی ہے کہ اس کا اور ڈیوڈ کا میل آگ اور پانی کا میل ہے ۔ ایسی ناممکن باتیں نہ سوچے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جب کہ وہ غزالی کی منگیتر ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ اگر بھڑکتے شعلوں پر بہت سا پانی ڈال دو ۔ تو ایک دم بجھ جاتے ہیں ۔ ذرا ذرا کر کے آگ بجھانے کا فائدہ بالکل نہیں ہوتا ۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی نہ کوئی چنگاری اندر دبی رہ جاتی ہے ۔

اچھا ۔۔۔۔۔۔۔۔ آہستہ سے بولی ۔ تم یہاں ٹھہرو میں اندر سے شال لے آؤں ۔

کمرے میں جا کر اس نے دوپٹہ اتار دیا ۔ اور سب سے پہلے اپنے کھلے بالوں کی چوٹی بنالی ۔ چار پانچ بل دے کر چوٹی کو پیچھے کمر پر ڈھکیل دیا ۔ اور کھونٹی سے اپنی بلوچی چادر اتاری ۔ جو پچھلے دنوں ابو نے اسے لا کر دی تھی ۔ چادر کو یوں اچھی طرح اوڑھا جیسے وہ پناہ گاہ میں گھسنا چاہتی ہو ۔ اپنی رومیٹ کو بتایا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے باہر جا رہی ہے ۔ اور خود باہر نکل آئی ۔ چلتے چلتے اسے یوں محسوس ہوا کمر پر سے اس کی چٹیا کے بل کھل رہے ہیں ۔ ہاتھ اندر کر کے اس نے اپنی چٹیا کندھے پر سے آگے کی طرف کر لی ۔ بل تو نہیں کھل رہے تھے ۔ مگر نہ جانے آج اسے یہ احساس کیوں ہو رہا تھا ۔ چٹیا کھل جائے گی ۔ بال افواہوں کی طرح بکھر جائیں گے ۔ تار تار ہو کر فضاؤں میں اڑ جائیں گے ۔

وہ جلدی سے چٹیا کے باقی ماندہ حصہ کو بل دینے لگ گئی ۔ اور جب وہ ویٹنگ روم میں داخل ہوئی ۔ تو اپنی چٹیا کے آخری حصے پر گرہ لگا رہی تھی ۔

قلعے کے اوپر جاتے ہوئے تھوڑی دیر وہ دونوں خاموش رہے ۔ پھر ایک تنہا اور تاریک سا گوشہ ڈھونڈ کر ڈیوڈ اسے اس طرف لے گیا ۔ آج اتنی بڑی دنیا میں انہیں کوئی گوشہ عافیت نہیں مل رہا تھا ۔ پاری پہلے بھی کئی مرتبہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ قلعے کے گلستان دیکھنے آئی تھی ۔ یہاں کئی مشاعرے اور مذاکرے بھی سنے تھے ۔ مگر آج اسے یہی قلعہ بدنامی کا اڈا لگ رہا تھا کوشام ہو چکی تھی اور لوگ تقریباً جا رہے تھے مگر وہ خوف زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی ۔ وہ بے خوف لڑکی تھی ۔ اسے مردوں سے ڈر نہیں لگتا تھا ۔ اسے تو اپنے آپ پر بہت بھروسہ تھا ۔ بھروسہ کی چھت میں کسی نے چھید بھی نہیں ڈالا تھا ۔ مگر جانے کیوں وہ ڈر رہی تھی ۔ اسی لیے تو کالج کے ہوسٹل سے نکلتے ہی اس نے کسی ہوٹل یا ریستوران میں جانے سے انکار کر دیا تھا ۔

تو پھر کہاں چلو گی؟ ریلوے پلیٹ فارم پر بیٹھ کر بات نہیں ہو سکتی ۔

ڈیوڈ نے جھنجھلا کر کہا ۔

قلعے میں چلو ۔

اور وہ دونوں رکشے میں بیٹھ کر یہاں آ گئے تھے ۔

تمام راستہ پاری دل ہی دل میں مضمون باندھتی آئی تھی ۔ بڑی نیک نیتی سے ڈیوڈ کو سمجھانے کے طریقے سوچتی آئی

تھی۔
دونوں ٹھنڈی گھاس پر بیٹھ گئے۔ڈیوڈ نے اک منٹ بھی ضائع نہیں کیا۔بولا
پاری! میں تمہیں یہاں اس لیے نہیں لایا کہ تم مجھے لیکچر دو گی۔
اور کس لے لائے ہو۔
یہ بتانے لایا ہوں کہ میں تمہاری محبت میں ڈوب چکا ہوں۔میں نے اپنے آپ کو ہر طرح سے سمجھا کر دیکھ لیا ہے مگر اب تمہیں اپنا آخری فیصلہ سنانے آیا ہوں۔
پاری نے جرأت کر کے کہا۔ضروری نہیں کہ تمہارا آخری فیصلہ ہی میرا آخری فیصلہ ہو۔
پھر تم سناؤ اپنا فیصلہ
میری فیصلہ یہ ہے۔پاری رک گئی۔پھر گھونٹ نگل کے بولی۔
کہ تمہارا اور میرا میل زندگی بھر ممکن نہیں۔
واہ۔ڈیوڈ بگڑ کر بولا۔صرف اس لیے کہ معاشرہ ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔
نہیں۔
پاری عزم سے بولی۔
معاشرے میں زیادہ مذہب اہم ہوتا ہے۔تم اچھی طرح جانتے ہو۔
میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ دنیا میں صرف ایک ہی مذہب ہے۔اور وہ محبت کا مذہب ہے۔ہاں انسانوی انداز میں سوچا جائے تو اس طرح بہت اچھا لگتا ہے۔مگر تم مرد ہو؟ مرد محبت کے زمانے میں دیوانہ ہوتا ہے۔اس لیے صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے۔
تم ہی کہا کرتی ہو۔کہ تم بڑی بہادر لڑکی ہو۔تم کسی کی پرواہ نہیں کرتی ہو۔اپنی مرضی اور ارادے کی مالک ہو۔
ہاں۔مگر میں اپنی کسی مرضی اور ارادے سے والدین کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔
سب ٹھیک ہو جاتا ہے پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔والدین کی ناراضگی بھی بس چند دنوں کی ہوتی ہے۔جب بیٹی اور بیٹا نظر آتے ہیں۔تو وہ بھی اپنے اختلاف بھول جاتے ہیں۔
پاری نے سر جھکا لیا۔
خوش نظر آنا آسان نہیں ہے۔ڈیوڈ تھوڑی دیر بعد پاری نے سر اٹھایا۔مذہب کا اختلاف دنیا کا سب سے بڑا اختلاف ہے۔یہ صدیوں کا اختلاف ہے۔اسی میں بعد ازاں زبان کا اختلاف شامل ہو جاتا ہے۔ہم اس دنیا کے باسی ہیں۔فرشتوں کی نگری میں نہیں رہتے۔
جانے دو پاری۔ہم سب ایک انسانی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ہمارا مذہب تو صرف انسانیت ہونا چاہیے۔یہی نا کہ ہم اچھے انسانوں کی طرح اس دنیا میں رہیں۔کسی کو ایذا نہ پہنچائیں۔کسی کو نقصان نہ پہنچائیں۔انسانیت کی فلاح کے لیے اچھے کام کریں۔اور دنیا کو قتل وخون سے محفوظ رکھیں۔مجھے بتاؤ کون سا مذہب ہے جو اس بات کی تلقین نہیں کرتا۔اچھا انسان بن کر رہنے پر زور نہیں دیا۔کس مذہب نے کہا ہے۔بدی کا راستہ اختیار کرو۔یہ الگ بات ہے کہ ہر دور میں الگ پیروکار آئے۔اب دنیا کتنی آگے نکل چکی ہے۔آج دنیا پر انسانیت کے وہی اصول لاگو ہیں۔ہم دونوں ایک ملک میں رہتے ہیں۔ایک زبان بولتے ہیں۔ساتھ ساتھ گھروں میں رہتے ہیں، ہمارا بچپن تقریباً اکٹھا گزرا ہے۔ہماری معاشرت میں کوئی خاص فرق نہیں۔ہم اچھے دوست ہیں۔کیا وجہ ہے کہ ہم اچھے جیون ساتھی نہیں بن سکتے۔
ہم زندگی بھر اچھے دوست بھی تو رہ سکتے ہیں۔
پاری بولی۔
اب تم ویسی فلموں والی باتیں نہ کرو۔کیا کبھی اس معاشرے میں کوئی لڑکی اور لڑکا دوست رہ سکتے ہیں۔یا زمانہ اس کو اس نظر سے دیکھتا ہے؟
اسی بات پر اب تم آ گئے یہی تو میں کہہ رہی تھی۔کہ ہم اس معاشرے سے باہر نہیں ہیں۔ہمیں اس معاشرے میں رہنا ہوگا۔اور معاشرے کے سب اصولوں کا احترام کرنا ہوگا۔معاشرے سے بغاوت کر کے کوئی خوش نہیں رہ سکتا۔
میں لکیر کا فقیر نہیں ہوں پاری۔
ڈیوڈ نے ایک عزم سے کہا۔
تو پاری مسکرا دی۔یہ تو صرف تمہارا فیصلہ ہے۔تمہارا رویہ ہے۔
اور تمہارا فیصلہ کیا ہے؟ ڈیوڈ نے پھر پوچھا۔ایسے میں ڈیوڈ کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں واضح طور پر نظر آنے لگیں۔شام کے سسکیاں بھرے اندھیرے میں پاری نے جنہیں اچھی طرح محسوس کر لیا۔اور جلدی سے نظر جھکا

لی۔ اتنے گھاس کا لمبا تنکا نوچا اور آواز آہستہ کر کے بولی۔ میرا یہ فیصلہ نہیں ہے۔ میرا یہ رویہ نہیں ہے۔
پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے ساری محبت اس ایک لفظ میں سمو دی۔ اور اس کی آواز گلوگیر ہوگئی۔ جب کچھ اور نہ کہہ سکا۔ تو اس کے اس ہاتھ پر اپنا گرم ہاتھ رکھ دیا۔ جس سے وہ تنکے نوچ رہی تھی۔
پاری کا ہاتھ ساکت ہوگیا۔ بلکہ لمحہ بھر کو وہ خود ساکت ہوگئی بت بن گئی۔ پتھر ہوگئی۔ دل الٹ پلٹ ہونے لگا۔
ڈیوڈ کے ہاتھ کا لمس بڑا جان لیوا تھا۔ ہاتھ نہیں ایک جلتا ہوا انگارہ تھا۔ ایسا انگارہ جو جس دامن میں گرتا ہے۔ اسے بھی شعلوں میں لیتا ہے۔
ہاتھ تو اس کا ایک دن غزالی نے بھی پکڑا تھا۔ اس کی یہ کیفیت نہیں ہوئی تھی۔
کیفیت کا تو کوئی مذہب نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور دل تو ہر مذہب میں ایک ہی طرح دھڑکتا ہے اس کا دل بھی اسی طرح دھڑک رہا تھا۔ جس طرح ڈیوڈ کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس کا وجود اسی طرح کانپ رہا تھا، جس طرح ڈیوڈ کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اسکے حلق میں بھی گولے پھنس رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بھی رونے پر آمادہ نظر آتی تھیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے خون میں بھی بغاوت کے بلبلے اٹھ رہے تھے۔
مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ذہن کے اندر جیسے کوئی سوئی کھبوئے بیٹھا تھا۔ اور اس کے کچوکے کو وہ نظر انداز کر سکتی تھی۔
اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور بولی۔
بہت دیر ہوگئی ہے ڈیوڈ اب مجھے ہوسٹل چھوڑ دو۔
مگر تم نے میری کسی بات کو جواب نہیں دیا۔
ڈیوڈ میں نے تمہاری ہر بات کا جواب یہ کہہ کر دے دیا ہے کہ تمہارا اور میرا میل ناممکن ہے۔
میں لفظ ناممکن پر یقین نہیں رکھتا۔
پھر تو تمہیں کسی بھی جذبے کا یقین نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کہہ کر پاری کھڑی ہوگئی۔ ڈیوڈ بھی کھڑا ہوگیا۔ پاری نے کلائی کی گھڑی دیکھی اتنا اندھیرا آیا تھا۔ کہ اسے گھڑی کا وقت نظر نہیں آیا۔ ڈیوڈ نے بھی اس کی کلائی کی جانب دیکھا اس کے بازو پر وہی ڈیوڈ کی دی ہوئی سنہری گھڑی جگمگا رہی تھی۔ بڑی مشکل سے پاری نے وقت دیکھا۔ پھر اردگرد دیکھا لوگ انہیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ڈیوڈ کا ارادہ ہلنے کا نہیں تھا۔ مگر پاری نے جب باہر کی جانب قدم بڑھائے تو وہ بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔ واپسی پر دونوں چپ تھے۔ کیونکہ کچھ اوباش لڑکے جان بوجھ کر ان کے دائیں بائیں آ گئے تھے۔ ڈیوڈ کا رکشہ جب پاری کے ہوسٹل کے باہر رکا تو وہ دونوں چھلانگ مار کر اتر آئے۔ پاری میں اگلے ویک اینڈ پر پھر آؤں گا۔ نہیں ڈیوڈ۔ پاری نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ خدا کے لیے یہاں نہ آؤ۔ اور مجھے پڑھنے دو۔ پاری میں اگلے ویک اینڈ پر پھر آؤں گا۔ ڈیوڈ نے اسی یقین سے دوبارہ کہا۔ اور ایک ایک لفظ کو چبا کر کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم نے آج مجھے نالا ہے۔ آج وقت بھی کم تھا۔ اگلی مرتبہ صبح کے وقت آؤں گا۔ تمہیں سوچنے کے لیے ایک ہفتہ دے رہا ہوں۔ مجھ سے یہ ایک ہفتہ ہرگز نہ گزر سکے گا۔
مگر مجبوری ہے۔ اور تم جانتی ہو۔ وہ اس کے بالکل قریب آ گیا۔ ''میں انکار نہیں سنا کرتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاری'' اس کی آواز میں دھمکی تھی۔ پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا اچھی طرح پیار کر کے تمہارا گلا گھوٹ دوں گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔کسی اور کے لیے تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر تم میری نہیں بن سکتیں۔۔۔۔۔تو کسی اور کی بھی نہیں بن سکتیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ مجھے پھانسی کی سزا ہو جائے گی۔ تو تمہارے بغیر جینا ویسے بھی موت کے برابر ہے۔ تمہیں مار کر خود نہیں زندہ رہنا چاہوں گا۔ مگر دیکھنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔یاد رکھنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایسا ہی کروں گا؟ پاری اندر سے تو لرز گئی۔ مگر مسکرا کر بولی۔ دھمکی دے رہے ہو، پنجابی فلموں کا ولن بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں ہیروہوں۔ اس نے اچانک پاری کے کندھے پر اپنا وزنی ہاتھ رکھ دیا۔ ہیرونا کام ہونا نہیں جانتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے تمہیں صرف اپنے ارادوں سے آگاہ کیا ہے۔ تم جانتی ہو۔ میں ضدی مرد زمانے سے جھگڑ سکتا ہوں۔ رکشہ والا دونوں کے ڈائیلاگ بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ پاری کو ایک دم اس کی موجودگی کا احساس ہوگیا۔
جلدی سے اندر کو قدم بڑھائے۔
مگر رک کر بولی۔
ڈیوڈ پلیز۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب نہ آنا۔
ڈیوڈ چھلانگ لگا کر رکشے میں بیٹھ گیا۔ اپنے ہاتھ کو بوسہ دے کر اس کی طرف اچھالا اور ہنس کر زور سے بولا۔ اگلے ویک اینڈ پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر ملاقات ہوگی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 21

پاری نے ڈیوڈ کو اگلے ویک اینڈ سے واشگاف الفاظ میں منع کر دیا تھا۔مگر نہ جانے کیوں جب اس کی روم میٹ شمیلہ رؤف نے اسے آ کر کہا۔

پاری تمہارے وزیٹر آئے ہیں۔

تو ایک دم اس کا دل دھڑک اٹھا۔اس کا سارا خون چہرے پر آ گیا۔اسے یوں لگا اسے ڈیوڈ ہی کا انتظار تھا۔اسی لیے تو آج صبح ہی اپنا کمرہ ٹھیک کر لیا تھا۔بستر کی چادریں بدل کے کپڑے لکھ دیئے تھے۔اور بارہ بجے نہا دھو کر صاف ستھرے صاف ستھرے کپڑے پہن لیے تھے۔آج تو اس نے دوپہر کی تیز دھوپ میں بیٹھ کر بال اچھی طرح سکھا لیے تھے۔بلکہ ان کی ایک خوبصورت چوٹی گوندھ لی تھی۔چوٹی آخری کنارے تک گوندھی۔اور آخر میں گرہ لگا کے ربڑ بینڈ لگا دیا تھا۔جانے آج کل اسے بال کھلے چھوڑنے سے گھبراہٹ کیوں ہوتی تھی۔ورنہ تو وہ ہمیشہ ہی بالوں کو یوں بکھرا کر رہا کرتی جیسے چاہتی ہے۔ساری کائنات پر یہ بال بچھ جائیں۔

آج کل وہ بالوں کو سمیٹ لیا کرتی۔ایسے جیسے اپنے جذبات کے منہ زور دھاروں پر بند باندھتی رہتی ہو۔اسے لگا جیسے اس کے بال بکھر جائیں گے۔اڑ جائیں گے۔اور اس کی کہانی ہر گھر میں جا کر سنائیں گے۔

اس نے باقاعدہ ڈیوڈ کا انتظار نہیں کیا تھا۔مگر نہ جانے کیوں سیدھی مانگ نکال کر چوٹی گوندھ لی تھی۔دوپہر کے کھانے کی گھنٹی بجی تو برائے نام۔۔۔کھانا کھایا۔اور اب اپنے کمرے میں بیٹھی نوٹس لکھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ ڈیوڈ آ گیا۔

اس کا دل جیسے خوشی سے ناچ اٹھا۔اس نے اپنا پرس اٹھایا۔وہی بلوچی چادر کھونٹی سے اتاری اور باہر کو چلی۔

اسے معلوم تھا۔کہ یہ نازک معاملات ہوسٹل کے وزیٹنگ روم میں بیٹھ کر نہیں طے ہو سکتے۔باہر جانا ہوگا۔

سارا ہفتہ وہ سولی پر لٹکی رہی تھی۔یہ فیصلے کی سولی تھی۔اس نے کئی بار موت کی دعائیں مانگی تھیں۔اپنے دل کو بہت سمجھایا تھا سب کچھ سامنے صاف صاف نظر آ رہا تھا۔سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔اگر ماں باپ نے مناسب آزادی دے رکھی ہو۔تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اولاد ان کے اعتماد کو مجروح کرے۔اور روایات سے بغاوت کر دے۔

نہیں۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔۔ہر بار وہ اپنے جذبات کی منہ پر پتھر کی سرد سل رکھ دیتی۔میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔

مگر اب جب وہ ڈیوڈ سے ملنے باہر جا رہی تھی۔تو اس کا دل بڑے زور سے دھڑک رہا تھا،اس کے قدموں میں تیزی تھی۔اور چہرے پر شوق کا اجالا تھا،ہر روز رات کو سوتے وقت ڈیوڈ کے الفاظ اس کے چہرے پر جھک آتے تھے۔۔۔۔۔کسی اور کے لیے تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔پاری۔۔۔۔۔۔۔اگر تم میری نہیں بن سکتیں۔تو کسی اور کی بھی نہیں بن سکتیں۔اچھی طرح پیار کر کے تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔۔۔۔۔۔اف پاری اپنا سر بے چینی سے ادھر ادھر پٹخنے لگتی۔

تمہیں مار کر میں خود بھی زندہ۔۔۔۔۔۔رہنا نہیں چاہوں گا۔۔۔۔۔۔۔مجھے پھانسی کی سزا ہو جائے گی نا؟۔افوہ۔روز رات کو پاری جی بھر کے روتی۔اور کہتی ڈیوڈ تم مجھے ویسے ہی مار دو۔مگر ایسی آوازیں نہ دو۔۔۔۔۔۔۔یہ کیسی آوازیں ہیں۔ایمان کے قدم اکھیڑتی ہیں۔ہر لڑکی اپنی جوانیں ایسی ہی نڈر،بہادر،ضدی اور مضبوط چاہنے والا مانگتی ہے۔ہر لڑکی چاہتی ہے۔کوئی ایسا مرد آئے۔جو کہے میں تمہیں زمانے سے چھین کر لے جاؤں گا۔جو اسے زمانے سے چھپا کر لے گئے۔جو اسے چاہے اس سے پیار کرے۔بلا سے اس کا گلا گھونٹ دے۔

مگر تم۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔تم کیوں یہ سب کہنے چلے آئے،دنیا میں کوئی ایسا جزیرہ ہے جو ہم دونوں کو پناہ دے سکتا ہے۔مجھ میں زمانے سے ٹکرانے کا حوصلہ نہیں ہے۔سالہا سال پرانی روایات کا وزنی شہتیر میرے سر پر لٹک رہا ہے،کیا کروں۔۔۔۔۔۔؟ کہاں جاؤں۔۔۔۔۔۔؟

ایک ہفتہ جیسے آگ کے دریا میں تیرتے گزرا تھا۔

ایک ہفتہ بجلی کے ننگے تاروں پر چلتی رہی تھی۔

ایک ہفتہ اس نے اپنے دل اور دماغ کے تصادم میں گزارہ تھا۔

دماغ جو کہتا تھا۔مگر دل اسے قبول نہیں کرتا تھا۔اور کبھی کبھی اس کا دل چاہتا ڈائی سیکشن روم میں جا کر وہ اپنے دل کو نکال کر سامنے میز پر رکھ دے،پھر اس میں سوئیاں کھبو کھبو کے اسے لہولہان کر دے،یا پھر اس سرد خانے میں جا کر سیدھی چٹ لیٹ جائے جہاں پوسٹ مارٹم والی لاشیں پڑی رہتی ہیں۔تاکہ کوئی آئے اور اس کے زندہ وجود پر نشتر چلا کے اس کا پوسٹ مارٹم کر دے۔دل نکال دے دل سے سارے جذبات نکال دے۔دماغ کے خلیوں کو صاف کر دے۔آنکھوں کی بینائی بوتل میں بند کر دے۔کچھ تو ہو کہ وہ ہلکی پھلکی ہو کر پہلے کی طرح جینے لگے۔

اس قدر پریشانی رہی سارا ہفتہ۔
مگر اس نے آپ کو انکار کے رستے پر قائم رہنے پر آمادہ کر لیا۔ راستہ ایک ہی تھا اس کے پاس انکار کا راستہ۔
باہر آئی تو ڈیوڈ اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ کثرت سگریٹ نوشی سے اس کے ہونٹ سیاہ ہو گئے تھے۔ بڑی بے چینی اور اضطراب تھا۔ اس کے چہرے پر، اس عالم میں بھی وہ اسے بہت اچھا لگا۔
ڈیوڈ بھی بڑے غور سے پاری کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ہفتے میں پاری مرجھا گئی تھی۔ شاید اپنے آپ سے لڑتی رہی تھی۔
دونوں نے صرف ایک دوسرے کو دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چلو۔
تو پاری چپ چاپ اس کے پیچھے باہر نکل آئی۔
انہوں نے رکشہ لیا۔ اور شہر سے باہر ایک الگ تھلگ سے ریستوران میں آ کر بیٹھ گئے۔ ڈیوڈ نے چائے منگوائی اور بولا۔
پارو! اپنے جذبات سے لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں؟
اس کی آواز میں اتنی محبت اتنی مٹھاس تھی۔ کہ پاری چھم چھم رونے لگی۔
گرم گرم آنسو سرد رخساروں پر لڑھکتے چلے آئے۔ جب بیرا چائے رکھ کر چلا گیا۔ تو ڈیوڈ نے کیبن کا پردہ گرا دیا۔ اور آگے بڑھ کر پاری کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ مجھے تمہارے رونے سے بھی دکھ ہے۔ پاری، میں کتنا برا ہوں نا؟ تمہیں اس طرح رلا رہا ہوں۔ مگر تم جانتی ہو۔ میں کتنا رویا ہوں۔ میں بھی اپنے آپ کو سمجھاتا رہا ہوں۔ اپنی وجہ سے نہیں تمہاری وجہ سے۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر پاری۔۔۔۔۔۔ پارو، اس کی آواز بوجھل ہو گئی۔ اس طرح تو کوئی لڑکی میری زندگی پر نہیں چھائی۔ تم جانتی ہو۔ لوگ مجھے آوارہ نکھٹو اور جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ مگر پاری، تم نے میرا فلسفہ حیات ہی بدل کر رکھ دیا ہے۔
ڈیوڈ۔ پاری نے اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔
اب وہ کافی رو چکی تھی۔ اور بولنے کے قابل ہو گئی تھی۔
تم ایک ظالم آدمی ہو۔ خودغرض ہو۔ تم۔۔۔۔۔۔۔۔
اور پاری رونے لگی۔ ڈیوڈ خجالت سے ہنسا۔ پھر اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ اور بولا۔
پاری۔۔۔۔۔۔ اس طرح رو رو کر اپنے جذبات چھپاؤ نہیں۔ کب تک اپنے آپ کو اور مجھے فریب دو گی۔ صاف صاف اعتراف کر لو کہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے تم بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتی تم بھی اس آگ میں جل رہی ہو۔
ضروری نہیں پاری۔ جلدی سے بولی کہ تمہاری سوچ کا یہ حصہ صحیح ہو۔
اچھا جتنا حصہ صحیح ہے تم اس کا اعتراف کر لو دیکھو اعتراف کرنے سے جی ہلکا ہو جاتا ہے اور انسان اپنے آپ کو بہادر محسوس کرتا ہے۔
اعتراف کا کوئی فائدہ بھی ہو۔ جبکہ میں پہلی ملاقات میں ہی تمہیں اپنا آخری فیصلہ سنا چکی ہوں۔
آخری فیصلے پہلی ملاقات میں تو نہیں ہوتے۔ اور وہ فیصلے جو اکثر پہلی ملاقاتوں میں ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں کچے دھاگے بن جاتے ہیں۔ ڈیوڈ! اس طرح مجھے تنگ کرنے سے آخر تمہیں حاصل کیا ہو گا؟
میں تو صرف تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔
یہ محبت نہیں۔ خودغرضی ہے۔ تم صرف اپنی خوشی کے لیے مجھے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ اس میں میری خوشی نہیں۔
اس پر ڈیوڈ زور سے ہنسا۔۔۔۔۔۔ اور بولا۔ میرے سر کی قسم کھاؤ۔
تم مجھے نہیں چاہتی ہو۔
نہیں۔ پاری کے منہ سے ایک دم نکل گیا۔
کیا نہیں۔؟ قسم نہیں کھاؤ گی یا چاہتی نہیں ہو؟
قسم نہیں کھاؤ گی۔ پاری نے آنکھوں کے آنسو اپنے دوپٹے سے صاف کیے۔
چلو میں مان لیتا ہوں۔ کہ تم مجھے نہیں چاہتی ہو۔ میں تو چاہتا ہوں نا؟ مجھے تو محبت کرنا سکھانا آتا ہے۔ میں تم سے اتنی محبت کروں گا کہ تم مجھے چاہنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔
ڈیوڈ نے چائے بنا کر پاری کے آگے رکھ دی۔
دونوں ہی تھوڑی دیر چپ رہے۔
جب پاری کو بولنے کا حوصلہ ہو گیا۔ تو بولی۔
ڈیوڈ! محبت صرف حاصل کرنے کا نام نہیں ہے۔

اب افسانوی ڈائیلاگ نہ بولو۔ کتابوں میں یہ باتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ حقیقی زندگی میں کوئی نوجوان اپنے جذبات کو تڑپتے نہیں دیکھ سکتا۔

نہیں ڈیوڈ! محبت تو ایک ایثار ہے۔ تم جس سے محبت کرتے ہو۔ تمہیں اس کی خوشی کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔

اور میں جانتا ہوں۔ تم کسی بھی دوسرے آدمی کے ساتھ خوش نہ رہ سکو گی۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں میں تمہیں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ ازدواجی زندگی میں ایسی افہام وتفہیم کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔

میری طرح تم سے کون اتنا والہانہ پیار کرے گا۔ ذرا سوچو۔

میں اس طرح نہیں سوچتی ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو میری منگنی ہو چکی ہے۔

منگنی تو نہیں ہوئی۔ البتہ ایک فیصلہ ہوا تھا۔

فیصلہ ہی تو سب سے بڑی بات ہے۔ اور پھر۔ تم سے زیادہ غزالی کو میری ضرورت ہے۔

بالآخر پاری نے کہہ ہی دیا۔ حالانکہ اسے اپنے الفاظ بڑے کھوکھلے سے لگے۔

تمہیں غزالی سے محبت نہیں ہے پاری۔

ڈیوڈ بولا۔

محض ہمدردی کے ناطے تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ اور ہمدردی یا ترس کی بنیاد پر جو شادیاں ہوتی ہیں۔ وہ کبھی پائیدار نہیں ہو سکتیں۔

یہ تو صرف تمہارا خیال ہے۔ میں سمجھتی ہوں۔ ہمدری یا انس محبت کی جانب پہلا قدم ہے۔ میری مرحوم پھوپھی کی یہی خواہش تھی۔ میں اسے ضرور پورا کروں گی۔

پاری تم بھی عجیب ہو۔ کیا تمہارا مذہب یہی سکھاتا ہے۔ کہ مردہ لوگوں کی خواہش کا احترام کرو اور زندہ لوگوں کو تڑپا کر مار دو۔

اور تمہارا مذہب بھی یہی کہتا ہے۔ کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کر دو۔

اس کے اس ترکی بہ ترکی جواب پر۔ ڈیوڈ نے بے اختیار ہنس دیا۔

اور اس نے پاری کا ہاتھ پکڑ کو چوم لیا۔ اگر تم تھپڑ مارو۔ تو ساری زندگی چہرہ پھیرنے نہیں دوں گا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 22

مگر میں نے تم سے کہا تھا نا ڈیوڈ سب سے بڑا اختلاف مذہب کا اختلاف ہے۔ دیکھ لو۔ اب بھی تم نے جھٹ میرے مذہب کا حوالہ دے دیا۔ اور میں نے تمہارے مذہب کا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر اس کا مذہب کبھی نہیں نکلتا۔ محبت کا جذبہ بھی اس کے آگے ماند پڑ جاتا ہے۔

ایسی بات نہیں ہے پاری۔ اگر تم تاریخ کا حوالہ دو گی تو پھر تمہیں بھی ماننا پڑے گا کہ جب تمہارے پیغمبر آخر الزماں محمد ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے عرب کے لوگوں کو بتوں کی پوجا سے منع کیا۔ اور ایک نئے مذہب کا تعارف کرایا۔ اور لوگوں نے اپنے دادا کا مذہب چھوڑ کر ان کے حلقہ اسلام میں آنا شروع کر دیا تھا۔ اور بتوں کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرنے لگے تھے۔ ایک نئے مذہب کو قبول کر لیا تھا۔

دیکھو ڈیوڈ مذہب کی بحث شروع نہ کرو۔ اس سے تو پھر میں ثابت کرنے کی کوشش کروں گی کہ دنیا میں سب سے اچھا اور سب سے سچا مذہب تو اسلام ہے۔ کیونکہ دنیا میں اسلام سے پہلے بھی کئی مذاہب تھے۔ اسلام آیا تو ان پر چھا گیا۔ ایک ایسا وقت آیا جب اسلام کی عظمت اور سچائی نے ساری دنیا کو مسخر کر لیا۔ ہر مذہب کے لوگ جوق در جوق اسلام لائے۔ اور اگر اللہ کے نزدیک سچا دین ہے۔ تو تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔ تم کہتے ہو۔ محبت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی جذبہ نہیں ہے۔ اگر محبت مذہب سے مہنگی ہے۔ تو مذہب کو اس پر ایثار کر دو نا؟ تمہارے مسلمان ہو جانے سے مجھے بھی خوشی ہو گی۔ اور گھر میں بھی کسی کو اعتراض نہیں ہو گا۔

بس اتنی سی شرط ہے۔ ڈیوڈ خوش دلی سے ہنسا۔ تو پھر تمہارے سامنے ہی کلمہ پڑھے لیتا ہوں۔

پاری حیرت سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اور اس نے بالکل صحیح تلفظ کے ساتھ کلمہ پڑھ لیا۔ تھوڑی دیر کے لیے پاری بالکل بولنے کے قابل نہ ہو سکی۔ تو پھر ڈیوڈ نے دوسری بار کلمہ پڑھا اور ہنس کر بولا۔ حیران کیوں ہو۔؟

یہ بات نہیں ہے ڈیوڈ۔ پاری آہستہ سے بولی۔ کلمہ تو کسی بڑے مستند عالم کے سامنے پڑھ کے مسلمان ہوتے ہیں۔

اگر تم اس طرح مسلمان ہو جاؤ تو مجھے تمہارے ساتھ شادی کرنے پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔۔۔۔

چھوڑو پاری تم کن وہموں میں پڑ گئی ہو۔ میں تمہارے سامنے ہزار بار کلمہ پڑھنے کو تیار ہوں۔ مگر اب اسے پبلک کا معاملہ بنانے کو تیار نہیں ہوں۔ اس میں کچھ اور افسانے بھی کھڑے ہو جائیں گے۔ کچھ میرے والدین کی طرف سے کچھ تمہارے والدین اور کچھ عزیزوں کی طرف سے،

تو گویا تم مانتے ہو۔ یہ ایک خطرناک قدم ہو گا۔

خطرناک قدم تو ہرگز نہیں ہے۔ ایک چھوٹی سی بات کو لوگ ایک ناقابل مہم بنا دیں گے۔

لوگوں کو کبھی اپنے معاملات میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔ تم جو بھی کہو میں کرنے کو تیار ہوں۔

میرا جو کچھ بھی ہو۔۔۔۔۔۔۔ تم ہی ہو۔ میرا دین۔ میرا مذہب۔ میرا عشق میرا ایمان، سب تمہیں ہو پاری۔۔۔

پاری کا دل پگھلنے لگا۔

ظالم کو چوٹ لگانے کے نئے نئے انداز آتے تھے۔

اور پاری۔۔۔۔۔۔ ہم دونوں تعلیم یافتہ ہیں۔ روشن خیال ہیں۔ ہم کبھی مذہب کی بحث میں نہیں الجھیں گے۔ ہم سے پہلے بھی دنیا میں ایسی شادیاں ہوئی ہیں۔ ہم سے پہلے بھی دل والوں نے۔۔۔۔۔۔ صرف محبت کی بنیادوں پر ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے ہیں۔ ہم سے پہلے بھی تخت و تاج والوں نے محبت کی خاطر سلطنتیں ٹھکرائیں ہیں۔ مجھے امید ہے۔ اگر ہم اپنے اپنے مذہب پر بھی رہے تو بغیر کسی اختلاف کے زندگی گزر جائے گی۔

ڈیوڈ تم نہیں جانتے۔ پاری ایک دم بولی۔ اس کا اثر آئندہ نسلوں پر پڑتا ہے۔

تمہارا مطلب کیا ہے۔ ہمارے بچوں پر؟

اس کے اس اچانک سوال پر پاری شرمائی۔ اس کا منہ ایک دم سرخ ہو گیا۔

ڈیوڈ بولا۔ ہم اپنے بچوں پر کوئی مذہب لاگو نہیں کریں گے انہیں یہ اختیار دیں گے کہ وہ اپنی مرضی کا راستہ چن لیں۔ اور اپنے عقائد میں خود مختار ہوں۔

پاری کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

اور یہ بہت بڑی بات ہے۔

اور اتنی دور تک اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

پاری کو خاموش دیکھ کر ڈیوڈ کے حوصلے بڑھنے لگے۔ بلکہ اس کے عشق میں جنون کے آثار ابھرنے لگے۔

پاری۔۔۔۔۔۔ اس نے دھیرے سے کہا۔ پاری آج میں تمہیں صاف بتائے دیتا ہوں۔ تم لاکھ انکار کرتی رہو۔ میں جانتا ہوں۔ تم بھی مجھے چاہتی ہو۔ اور تم میرے بغیر خوش نہیں رہ سکتی ہو۔ اور یہ بھی بتا دوں کہ زیادہ دیر میں تمہارا انکار نہیں سنوں گا۔ میں نے پہلے بھی تمہیں بتایا تھا۔ محبت میں ناکامی مجھے پسند نہیں۔ آخر میں اس شکست کو کیوں

قبول کرو؟ اگر تم مجھ سے نفرت کرتی ہوتیں تو اور بات تھی۔ مگر تم مجھ سے نفرت نہیں کر سکتیں۔ ہمارا تو بچپن کا پیار ہے۔ ہمارے ماں باپ نے ہمارے دلوں میں نفرت کے بیج نہیں بوئے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ محبت کا بیج تو خود بخود دل سے پھوٹتا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ کیا ہم دونوں کے لیے اتنا کافی نہیں کہ ہم ایک ہی زمین کے باشندے ہیں۔ اور ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ جبکہ محبت میں تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لوگ دین مذہب، معاشرت، زبان اور اپنا ماحول چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ اتنی بڑی قربانی دنیا کی ہر عورت دیتی آئی ہے۔ بے اختیار اس آدمی کے ساتھ اٹھ کر چل دیتی ہے۔ جسے اس کا دل قبول کر لیتا ہے۔ اور تم سے تو میں کوئی قربانی نہیں مانگ رہا۔ ہم یہیں رہیں گے۔ اپنے والدین کے سامنے اس طرح رہنا ناممکن ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پاری بجھی ہوئی آواز میں بولی۔ میرے والدین تو مجھ سے ترک تعلق کر لیں گے۔

تو کیا مضائقہ ہے۔ اپنے والدین ہمیشہ زندہ تھوڑی رہتے ہیں۔

اس بات پر پاری لرز گئی۔

اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے۔۔۔۔۔۔۔

تم نے کہا تھا تم بہادر لڑکی ہو۔ اب بزدلوں کی طرح مجھے رو رو کر مت دکھاؤ۔ ڈیوڈ نے درشتگی کے ساتھ کہا۔

ڈیوڈ تم مجھے مجبور کر رہے ہو۔

کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا۔ تم بار بار اس لیے روتی ہو۔ کہ تم مجھے چاہتی ہو۔ ورنہ تم میرے منہ پر تھپڑ مار سکتی تھی۔

واقعی۔ پاری نے چہرہ اٹھا کر ڈیوڈ کی شکل دیکھی۔ وہ ڈیوڈ کو تھپڑ مار کر کیوں نہیں دفعان کر دیتی۔ مگر نہ جانے ڈیوڈ کے چہرے میں کیا بات تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھتی۔ تو پھر اس کا دل بہکنا شروع ہو جاتا۔ دیکھتی تو آنکھوں میں ڈوبتی چلی جاتی۔ اتنی آگ تھی ڈیوڈ کے چہرے پر۔ اتنی چاہ تھی۔ اتنی تپش تھی۔ کہ وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اسے ایسے ہی جھگڑالو۔ ضدی اور وحشیوں کی طرح چاہنے والے لوگ پسند تھے۔ لیکن ضروری نہیں کہ جو لوگ پسند ہوں۔ انہیں حاصل بھی کیا جائے، پسند اور حصول میں بہت فرق ہے۔ کئی بار اس کا دل چاہا وہ پیسے جمع کر کے ایک نیا اسکوٹر خرید لے۔ مگر وہ جانتی تھی وہ نیا اسکوٹر نہیں خرید سکتی۔ اور اگر خرید بھی لیا۔ تو اس پر مردانہ وار گھوم نہ سکے گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پردے ڈالنے والی زندگی اسے پسند نہیں تھی۔

ایک کھلی صاف اور ہوادار زندگی پسند تھی۔

اگلے ہفتے ایک عجیب واقعہ ہو گیا۔ جس نے پاری کی سوچوں کا رخ پھیر دیا۔

پاری بڑے حوصلے اور استقامت سے ابھی تک انکار کی راہ پر اڑی ہوئی تھی۔ مگر ڈیوڈ باقاعدگی سے ہر ویک اینڈ پر آتا تھا۔ اور دونوں پورا دن ہوسٹل سے باہر گزارتے تھے۔ مگر پاری نے ابھی تک حامی نہیں بھری تھی۔ وہ اس بات کو دنیا کی ناممکن ترین بات کہہ رہی تھی۔ اور ڈیوڈ نے بھی جیسے سمجھانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ بلکہ پچھلے ہفتے جب وہ آیا تھا۔ اس نے پاری کو بتایا کہ اب لاہور میں اس نے ایک مستقل ملازمت ڈھونڈ لی ہے۔ اور دلجمعی سے کام کر رہا ہے۔

پاری آج کے پریکٹیکل ختم کر کے جب ہوسٹل میں داخل ہوئی تو ایک خط اس کے بستر پر پڑا تھا۔ جس طرح اسے کوئی ملنے نہیں آتا تھا۔ اسی طرح اس کے خط بھی کبھی کبھار آ جاتے تھے۔ کبھی کبھی نیک اسے لکھ دیتی تھی۔ یا وحیدہ عرفان کو کوئی اشد ضروری پیغام دینا ہوتا تو لکھ دیتیں۔ اس نے لفافہ اٹھا کر دیکھا۔ عام ڈاک کا لفافہ تھا اور واقعی وہ وحیدہ عرفان کا ہی خط تھا۔ اس نے بے تابی سے لفافہ چاک کر دیا۔ لکھا تھا۔

پیاری پاری!

امید ہے تم بعافیت ہو گی۔ میں اور تمہارے ابو بھی بخیریت ہیں۔ پچھلے ہفتے میں فیصل آباد گئی ہوئی تھی۔ صفیہ کا چہلم تھا۔ تمہیں اس لیے نہ بلایا کہ تمہارا ہرج ہو گا۔ چہلم سے آنے کے بعد میں مسلسل غزالی کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ اس وقت اکیلا ہے۔ دل برداشتہ ہے اور مغموم بھی ہے، تنہا گھر میں کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہیں غزالی نے مجھے دبے لفظوں میں کہا تھا۔ اور تمہارے ابو نے بھی کہا تھا۔ اس لیے میں اب تمہیں لکھ رہی ہوں۔ کہ اب کہ جب تم بہار کی چھٹیوں میں آؤ گی تو ہم تمہاری شادی بڑی سادگی سے غزالی کے ساتھ کر دیں گے۔ غزالی نے وعدہ کیا ہے۔ کہ وہ تمہاری تعلیم نہیں چھڑوائے گا۔ باقی ایک سال جو تمہارا رہ جائے گا۔ اس کے لیے وہ ملتان میں گھر لے کر تمہارے ساتھ آ رہے گا۔

امید ہے ہمارے اس فیصلے سے تمہیں اختلاف نہیں ہو گا۔ بیٹی۔ تم تو جانتی ہو، تمہاری نیک دل پھوپھی نے تمہاری ہر خواہش کا احترام کیا تھا۔ مگر وہ غریب نہ جانتی تھی۔ کہ یوں دنیا سے نامراد چلی جائے گی۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔۔ ضد کر کے اپنے بیٹے کے سر پر سہرا سجا لیتی۔ ہمیں امید ہے ان حالات میں تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گی۔ اور اگلے مہینے جب تم گھر آؤ گی۔ تو ذہنی طور پر تیار ہو کے آؤ گی۔ تمہارے ابو کا جی نہیں۔ آج کل چھٹی لے رکھی ہے۔ گھر پر رہتے ہیں۔ یوں لگتا ہے، انہیں اپنی بہن کے جانے کا بہت صدمہ پہنچا ہے۔ مگر ان کی عادت ہے۔

دل کی بات نہیں کہتے۔ چپ رہتے ہیں۔

تمہیں اس خط کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔تمہاری خاموشی کو ہم اطاعت مندی سمجھیں گے۔

ابو کی طرف سے پیار۔اور ہاں اپریل میں غالباً نیک بھی پاکستان آرہی ہے۔اچھا ہے تمہاری شادی میں شامل ہو جائے گی۔

دعا گو،

تمہاری امی

وحیدہ عرفان

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 23

پاری کے سامنے وحیدہ عرفان کا خط کھلا۔ اور چاروں طرف تیز تیز ہوائیں چل رہی تھی۔ جھکڑ اٹھ رہے تھے۔ ایسی منہ زور ہوا تھی۔ جیسے آج ہر ارادے کو جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گی۔ ملتان میں رہ کر اس نے سچ مچ بہت سی ریت بھری سرخ آندھیاں دیکھی تھیں۔ آندھیوں سے اسے بہت ڈر آتا تھا۔ جس شام وہ فضا کو گرد آلود دیکھتی۔ اور گدلے گدلے گرد باد فضا میں ٹھہرے محسوس ہوتے۔ اپنے بال سمیٹ کر کمرے میں گھس جایا کرتی۔ اور اندر سے دروازہ بند کر لیتی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہی شائیں شائیں کا ایک پراسرار شور مچ جاتا۔ ہوا یوں الجھتی جھگڑتی ادھر ادھر مارتی۔ جیسے آج ہی جنم جنم کا غصہ نکال رہی ہو۔ درخت جھومتے ہوئے نہیں بلکہ تھرتھراتے ہوئے محسوس ہوتے۔۔۔۔۔۔۔۔ زمین کی مٹی اٹھ کر ایک دم ہوا کے گلے لگ جاتی۔ یوں لگتا اس سے زمین کی کسی چیز کو قرار نہیں ہے۔ ایسے میں ہوسٹل کی لڑکیاں بھی ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتیں اور چیخ و پکار کرتیں۔ ماحول میں عجیب سا انتشار رہوتا۔

سکون بھری زندگی میں ذرا سا انتشار۔۔۔۔۔۔۔۔ اچھا لگتا ہے۔

مگر آندھی کی یہ ساری گڑ بڑ پاری کو اچھی نہ لگتی تھی۔ اسے اپنے بال بہت عزیز تھے آندھی کے آثار دیکھ کر وہ سب سے پہلے اپنے بال کس کے باندھ لیتی اسے محسوس ہوتا یہ آندھی اس کے سر کا ایک ایک بال الگ الگ بکھیر دے گی

۔

اور پھر آندھی کے بعد کا منظر تو اسے بہت ہی بھیانک لگتا تھا۔ ہر شے مٹیالے رنگ کی ہو جاتی۔ ہر شے پر منوں گرد گر آتی۔ حتیٰ کہ انسانوں کے چہرے بھی مٹی سے اٹ جاتے۔ انسان مٹی ہی سے بنا ہے۔ وہ جانتی تھی۔ انسان کو مٹی ہی سے نسبت ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی۔۔۔۔۔ اور یہ بھی کہ لوٹ کر مٹی میں ہی چلا جائے گا۔ مگر اسے مٹی سے کراہت محسوس ہوتی۔ نفرت سی ہوتی۔ اسے تو یوں لگتا۔ کہ جیسے آندھی کی یہ مٹی اس کے حلق تک اتر گئی ہے۔ اسکے دانتوں تلے کچر کچر کر رہی ہے۔ حتیٰ کہ جس شام آندھی چلتی وہ ہوسٹل میں کھانا بھی نہیں کھاتی تھی۔ یہ سوچ کر کہ آج سارے کھانے میں مٹی گھس گئی ہوگی۔

ہاں آندھی کے بعد جو کبھی بارش کا چھینٹا پڑ جاتا۔ تو وہ اسے بہت اچھا لگتا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا خوشبودار۔۔۔۔۔ ہوا کے پاگل جھونکوں پر جب بدلیاں برسنے لگتیں۔ تو ان کا غصہ آپ ہی آپ ٹھنڈا ہونے لگتا۔۔۔۔۔ دیوانہ وار اٹھ اٹھ کر گھومنے والی مٹی بوندیوں کی نرم نرم تھپکیوں سے یوں زمین پر بیٹھنے لگتی جیسے تھکے ہارے بچے کو نیند تھپکیاں دے رہی ہو۔۔۔۔۔ پھر ساری فضا میں مٹی کی سوندھی خوشبو پھیل جاتی۔

مٹی کی خوشبو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کنواری خوشبو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نشہ آور خوشبو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کتنی عجیب بات ہے وہ سوچتی اسے مٹی بری لگتی ہے۔ مگر مٹی کی خوشبو اچھی لگتی ہے۔ انسان بھی اسی طرح سے ہے۔ مٹی سے بنتا ہے۔ مگر خوشبو بن کر دنیا میں اٹھتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ جونہی درزوں سے روشندان سے قرار بھری مٹی کی خوشبو اندر آنے لگتی وہ اٹھ کر بیٹھ جاتی۔ اسے آپ ہی آپ پتہ چل جاتا۔۔۔۔۔۔۔ بوندیاں آسمان سے اتر آئی ہیں۔ ہوا کا والہانہ پن ختم ہو رہا ہے۔ پیڑوں نے الجھنا چھوڑ دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ اور ایک سرخ آندھی میں پھنسی ہوئی کائنات اب ہولے ہولے سانس لے رہی ہے۔ تھکن اتار رہی ہے۔

آندھی کے بعد کا منظر اسے بہت پسند تھا۔

اس منظر میں بربادی اور انقلاب دونوں شامل ہوتے ہیں۔

بربادی۔۔۔۔۔۔۔ پرانے درختوں اور کمزور پودوں کی۔۔۔۔۔۔۔۔ بیمار اور زرد پتوں کی۔۔۔۔۔۔۔ بزدل اور خمیدہ ٹہنیوں کی۔۔۔۔۔۔۔۔ اور انقلاب۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک نئے منظر کا۔۔۔۔۔ پرانی دھرتی میں ہمیشہ ایک نیا منظر ابھرتا ہے۔ پرانے درخت گرتے ہیں۔ تو نئے جنم لیتے ہیں۔ بدصورت پتے جھڑ جاتے ہیں۔ تو پھر ہرے ہرے ملائم اور چمکدار پتے جنم لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔

آندھی کے بعد کا بھیانک منظر۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک نئی صبح کا آثار پیش کرتا ہے۔ اس لیے آندھی کے تھم جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہے۔ اپنے بند بال کھول دیتی۔ اور کمرے سے باہر نکل آتی۔

آج خط کو سامنے رکھے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ کچھ ظالم آندھیاں ذہن میں بھی اٹھتی ہیں۔ اسے اردگرد ویسا ہی شور جھکڑ اور توڑ پھوڑ سنائی دے رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ اور جب گرد باد کا یہ طوفان اس کے اردگرد بھنت بن کر ناچنے لگا۔ تو وہ بے اختیار رو دی۔۔۔۔۔۔۔۔ بالکل ایسے، جیسے شدید آندھی کے بعد بارش ہونے لگتی ہے۔

بارش سے اسے قرار ملا۔

رونے سے اسے قرار ملا۔

اس نے وحیدہ عرفان کا خط کئی بار پڑھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ہر بار اسے وہ خط بالکل ٹھیک ٹھاک لگا۔

''امی نے ٹھیک ہی تو لکھا ہے''

وہ دل میں سوچتی۔

کچھ عرصہ پہلے انہوں نے صاف طور پر اسے بتا دیا تھا۔ کہ اس کی منگنی غزالی کے ساتھ ہو گئی ہے۔ ذہنی طور پر اس شادی کے لیے اسے تیار رہنا چاہیے تھا۔

وہ تو تیار بھی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مگر یہ ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ آ کر نکل جاتا تو اچھا تھا۔ مگر وہ تو آ کر ٹھہر جانے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔ پچھلے دو مہینے سے وہ ہر ویک اینڈ پر ملتان آ جاتا تھا۔ پچھلے دو مہینے سے وہ سنجیدگی کے ساتھ نوکری کر رہا تھا۔ وہ اپنے طور طریقے بدل رہا تھا۔ وہ اسے بار بار اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔

پاری نہ چاہتے ہوئے بھی ہر جمعے کو اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیتی۔

ملتان کی شہری آبادی سے دور ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ ''شبانہ'' جس کا نام تھا۔

ڈیوڈ ہر جمعرات کو اس ہوٹل میں آ کر ٹھہرا کرتا تھا۔ پہلے تو وہ دونوں ادھر ادھر مارے مارے پھرا کرتے تھے۔ کبھی کسی سینما ہال میں جا بیٹھتے۔ مگر کہیں بھی بات کرنے کا لطف نہ آتا اگرچہ پاری صرف اسے باز رکھنے کے لیے اس کے ساتھ چل پڑتی۔ مگر پاری کو ڈیوڈ کے ساتھ گھومنا اچھا لگتا۔ اس کی صحبت اچھی لگتی۔ اس سے باتیں کر کے مزا آتا۔ اور اس کے والہانہ پن سے ایک سرور ملتا۔ ہر ملاقات میں وہ انکار کا تہیہ کر کے آتی۔ مگر ہر ملاقات اسے ڈیوڈ سے قریب کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

فیصلے کا دوراہا اس سے دور ہو جاتا تھا۔

حتیٰ کہ آج وحیدہ عرفان کا خط آ گیا۔

بہت سا رو چکنے بعد پاری نے خط تہہ کر کے لفافے میں ڈال دیا۔ اور دل میں سوچا کہ اچھا ہوا کہ خط آ گیا ہے۔ اب تو آپ ہی فیصلہ ہو جائے گا۔ وہ کل یہ خط ڈیوڈ کو دکھا دے گی۔ اور پھر ساری مصیبت آپ ہی آپ ختم ہو جائے گی۔ اس خط کے آگے ڈیوڈ کو ہار ماننی پڑے گی۔

ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر پاری نے خط ڈیوڈ کے آگے رکھ دیا۔ خط اٹھانے سے پہلے ڈیوڈ نے اپنی موٹی موٹی آنکھیں اٹھا کے پاری کی آنکھوں میں گاڑ دیں ڈیوڈ کی آنکھیں سرخ تھی۔ سوالیہ تھیں۔ اور گرم تھیں۔ یہ آنکھیں پاری کو بہت پسند تھیں۔ سب کچھ صاف صاف کہتی تھیں۔۔۔۔۔۔ بے تکلف کہتی تھیں۔

''پاری یہ کوئی نیا شوشہ ہے''؟

اس نے اپنی بھاری اور گمبھیر آواز میں پوچھا۔

''تم پڑھ لو''

پاری نے آہستہ سے کہا۔

میں جانتا ہوں۔ اس میں کیا لکھا ہو گا؟

کیا لکھا ہو گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

پاری نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

وہی بکواس، وہی نصیحت۔۔۔۔۔۔۔۔

''نہیں ڈیوڈ، پہلے تم اس خط کو پڑھو۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

ڈیوڈ نے لفافہ کھول کے خط نکال لیا۔ اور پھر اسے بڑے غور سے پڑھنے لگا۔

خط پڑھنے کے بعد وہ تھوڑی دیر گم صم بیٹھا رہا۔ پھر جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا اور سر اٹھا کر بولا۔

''یہ فروری کا مہینہ ہے۔ بیچ میں صرف مارچ ہے۔ اور اپریل میں۔۔۔۔۔۔۔۔

خیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

میں بعد از وقت واویلا نہیں کیا کرتا۔۔۔۔۔۔۔۔؟

کیا مطلب۔۔۔۔۔۔۔۔؟

مطلب میں تمہیں کل سمجھاؤں گا پاری۔۔۔۔۔۔۔۔؟

کل تم پھر آؤ گے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

ہاں ڈیوڈ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

میں کل پھر آؤں گا۔

کیوں۔۔۔۔۔۔۔؟

یہ میں کل ہی بتاؤں گا۔

مگر کل تو چھٹی نہیں ہے۔

جنون کو چھٹی کی ضرورت نہیں ہوتی پاری۔

تم کیا کہنا چاہتے ہو۔صاف صاف کہو ڈیوڈ۔

پاری نے نرمی سے کہا۔

پاری کو محسوس ہوا۔جیسے خط پڑھ کر ڈیوڈ کچھ دیوانہ ہو گیا ہے۔اسے معلوم تھا۔ڈیوڈ کو صدمہ ہو گا۔مگر اس طرح ڈیوڈ کے گم صم ہو جانے سے وہ خوف زدہ ہو رہی تھی۔چاہتی تھی۔حسب عادت ڈیوڈ بول کر سارا غصہ نکال لے۔

بولی۔

ڈیوڈ اب کوئی گڑبڑ نہ کرنا۔

کیا میں نے پہلے کوئی گڑبڑ کی ہے؟

ڈیوڈ نے آہستہ سے کہا۔

ڈیوڈ! تمہاری محبت سے مجھے امید ہے کہ اس وقت خاموش رہو گے۔اور میری شادی ہو جانے دو گے۔

دیکھو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ تمہاری محبت کا امتحان ہے۔

ہاں میں جانتا ہوں۔

ڈیوڈ نے آہستہ سے کہا۔

پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

اور بولا۔

چلو میں تمہیں ہوسٹل چھوڑ آؤں۔دیر ہو جائے گی۔پاری بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے ہرگز امید نہیں تھی۔کہ ڈیوڈ اتنے سکون سے خط پڑھے گا۔اور یوں چپ چاپ اسے ہوسٹل چھوڑ جائے گا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 24

وہ دنوں باہر نکل آئے ۔موسم تبدیل نہیں ہوا تھا۔فروری کی سردی بڑی خوشگوار لگتی تھی ۔کیونکہ پیچھے اس کا زور ٹوٹ رہا ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ساری فضا پر ایک خاموش مگر پرسکون خنکی طاری تھی ۔مگر پاری کے ہاتھ پاؤں خوامخواہ ٹھنڈے ہو رہے تھے ۔وہ حیران تھی ۔کتنی جلدی ڈیوڈ نے شکست تسلیم کر لی ۔چپ ہو گیا ۔یا ٹوٹ گیا ۔ڈیوڈ سے اس ضبر وضبط کی توقع نہیں تھی ۔اس کو تو بڑے بڑے دلائل قائل نہیں کر سکتے تھے ۔

پاری آج بڑی باتیں سوچ کر آئی تھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور خوب گھن گرج سے، اسے دھکے دے کر اپنی زندگی سے نکالنے کا فیصلہ کر کے آئی تھی ۔

گہری سوچ میں تھا۔

رکشے میں بیٹھتے ہی پاری نے ڈیوڈ کی شکل دیکھی ۔تو اسے ڈیوڈ پر ترس آ گیا ڈیوڈ کسی گمنام آسمان کا ٹوٹا ہوا تارہ لگ رہا تھا۔

ڈیوڈ کے ڈیوڈ ہونے میں ڈیوڈ ڈیوڈ کا کیا قصور ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

پاری نے سوچا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ بھی انسان ہے ۔دل اور دماغ رکھتا ہے ۔اس کی آرزو میں ارمان سب انسانوں والے ہیں ۔ماں کی کوکھ سے جنم لینا تو ایک سا فعل ہے ۔دنیا میں ہر کوئی خوش رہنے کے لیے آتا ہے ۔مگر دنیا نے خوش رہنے کے اور ہی طریقے وضع کر رکھے ہیں ۔

ہوسٹل کے گیٹ کے آگے رکشا رک گیا۔

پاری کا جی چاہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس گم صم ہوتی سرد اور ملیالی شام میں ۔۔۔۔۔۔وہ آگے بڑھ کر ڈیوڈ کی پیشانی پر ایک بوسہ دے، اسے سینے سے لگا لے ۔آخری بار اسے بتا دے کہ

ڈیوی! تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔میرا جی چاہتا ہے ۔تمہیں زرتار اچکن پہنا کر سر پر سہرا باندھ کے اپنے گڑیا گھر میں رکھ لوں ۔اپنی آنکھوں کے سامنے ۔۔۔۔۔۔۔کہ تم میرے دولہا نہیں بن سکتے ۔تو میری گڑیا کو یہ اعزاز حاصل ہو جائے ۔

لیکن ڈیوی! میں ایسا نہیں کروں گی ۔کیونکہ تم کپڑے کے گڈے نہیں ہو۔گوشت پوست کے انسان ہو ۔اور انسانوں کے ساتھ کبھی ایسا مذاق نہیں کر سکتے ۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ کی بے وقت خاموشی نے پاری کو بے چین کر دیا ۔

وہ تو سوچ رہی تھی ۔آج ہمیشہ کے لیے بچھڑنے کا منظر بڑا رقت آمیز ہو گا۔آج الوداعی فقرے رلا دیں گے ۔اور آج وہ ڈیوڈ کو صاف صاف بتا دے گی ۔کہ وہ اسے کبھی دل سے نہ نکال سکے گی ۔دل میں رہنا تو بڑی خوشی کی بات ہے ۔۔۔۔۔۔۔!مگر وہ الوداعی موڈ نہیں آیا تھا۔

ڈیوڈ نے اپنے اوپر پتہ نہیں مصلحت کی چادر اوڑھ لی تھی ۔یا صبر کا بہت بڑا گھونٹ بھر لیا تھا۔

پاری کو بہت بے چینی ہو رہی تھی ۔

جب اس نے رکشے سے اتر کر سوالیہ انداز میں ڈیوڈ کی طرف دیکھا ۔تو اس کے چہرے سے پاری کو کچھ بھی اندازہ نہیں ہوا۔پاری اس کی بولتی ہوئی آنکھوں میں کھوجتی رہی ۔

مگر اس نے پاری سے نگاہ نہیں ملائی ۔۔۔۔۔۔۔

بس ۔۔۔۔۔۔۔۔اپنی بوجھل آواز سے اتنا ہی کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں کل آؤں گا۔۔۔۔۔۔۔۔؟

اور وہ دوبارہ رکشے میں سوار ہو گیا۔

ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا۔مگر باقی فقرہ اس کے حلق سے باہر ہی نہیں نکلا ۔

وہ پوچھنا چاہتی تھی ۔

''ڈیوڈ تم کل کیوں آؤ گے؟''

کہنا چاہتی تھی ۔

''ڈیوڈ تم کل نہ آنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

کل بڑی ظالم ہوتی ہے ۔اور کل کے آنے تک کسی کل چین نہیں پڑتا ۔اور پھر کل کو ہمارے لیے کچھ بھی نہیں لا رہی تھی ۔کل ایک آس ہوتی ہے ۔یا نراس ۔۔۔۔۔۔۔۔آس ہو جو کل کا انتظار رہتا ہے ۔کل تک چین کو جینے کو جی چاہتا ہے ۔آج نہ ہو تو کل کا منہ دیکھنے کو دل نہیں چاہتا کل سے پہلے ڈوب جانے کو دل چاہتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔

میرے ساتھ کل کی بات نہ کرو۔

آج کی طرح میری زندگی سے نکل جاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔

پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔کھانے کی گھنٹی بجی اور لڑکیاں ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگیں۔اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔۔۔۔۔۔۔اور بتی بجھا کر اپنے پلنگ پر لیٹ گئی۔

پلنگ پر کیا لیٹی۔۔۔۔۔۔۔۔؟

قنوطیت نے اس پر یلغار کر دی۔

اسے ایک دم یوں محسوس ہوا۔جیسے وہ زندگی کی بہت بڑی بازی ہار گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔دن دہاڑے کسی نے اسے لوٹ لیا ہو۔

اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا ساز و سامان چھین لیا ہے۔

ایک دم وہ بلک بلک کر رونے لگی۔تڑپ تڑپ کر سسکنے لگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک دم ہی اس پر عقدہ کھلا کہ وہ تو ڈیوڈ کو بے حد چاہتی ہے۔اپنی ہر آرزو سے زیادہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ہر روز اپنے آپ کو فریب دیتی تھی۔

وہ اصرار کرتا تھا تو یہ انکار کرتی تھی۔

آج جب وہ چپ ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔اس نے جھگڑا نہیں کیا گردن ڈال دی۔افسردہ سا ہو کر چلا گیا۔تو پاری کے دل کی سب بند کھڑکیاں کھل گئیں۔ہر کھڑکی کے باہر ڈیوڈ کھڑا دستک دے رہا تھا۔۔۔

وہ گھبرا کر جس کھڑکی کی اوٹ لیتی۔اسکے پیچھے سے ڈیوڈ مسکراتا ہوا نکل آتا اور کہتا۔میں تو سدا سے تمہارے لاشعور میں ہوں۔۔۔۔۔۔بچپن سے تمہارے خوابوں میں بسا ہوں۔مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گی۔

اس نے بہت دفعہ غزالی کو تصور میں لانا چاہا۔حتیٰ کہ اپنے ذہن میں شب عروسی کا تصور باندھا۔غزالی دولہا بنا ہوا سہرا لگائے مسکراتا ہوا والہانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہوا حجلہ عروسی میں داخل ہوا ہے۔وہ دلہن بنی بیٹھی ہے۔اردگرد پھول ہی پھول ہیں۔

غزالی قریب آ کے پلنگ پر بیٹھ گیا ہے۔اس کے دل کی دھڑکن تیز نہیں ہوئی۔

غزالی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ایسے لگتا ہے۔اسکا ہاتھ برف کی تہہ میں آ گیا ہے۔

غزالی نے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا ہے۔

یوں لگتا ہے۔تیز دھوپ اس کے چہرے کو جھلسا رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔پھر غزالی نے اسے بازوؤں میں بھر لیا ہے۔۔۔۔۔۔

نہیں۔۔۔پاری سر ادھر ادھر پٹک کے تڑپنے لگی۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔

کچھ بھی نہیں ہوتا۔دل میں کوئی ہلچل نہیں ہوتی۔انگارے سے نہیں دہکتے۔۔۔۔لاؤ نہیں بھڑکتے۔۔۔

اردو پوائنٹ UrduPoint.com

محبت کے بغیر زندگی راکھ کا ڈھیر ہے۔

راکھ کے ڈھیر کو کب تک اٹھایا جائے گا۔

کب تک اس راکھ میں ہاتھ ڈال کے غزالی چنگاریاں ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا۔

محبت تو ایک احساس ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

احساس قربت کے اردگرد قمقمے روشن کر دیتا ہے۔

اندھیری محبت مجھے پسند نہیں!

سو بار وہ غزالی کا تصور کرتی۔تو مردہ ہو جاتی۔اور جب غزالی کے پیکر میں سے ڈیوڈ نکل آتا۔۔۔۔۔۔تو وہ ایک دم زندہ ہو جاتا۔ڈیوڈ اس کا گھونگھٹ الٹتا۔۔۔۔۔تو اس کے اردگرد شعلے بھڑکنے لگتے۔۔۔۔۔

محبت کا مفہوم آپ ہی آپ اس کی سمجھ میں آنے لگا۔

ٹھیک ہے۔جب تک محبت کو کوئی چھیڑے نہیں۔وہ انسان پر کھلتی بھی نہیں۔مگر وہ رو تو اس لیے رہی تھی۔

کہ یہ سب منہ زور جذبے بے وقت اس پر نازل ہو رہے تھے۔اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

اپنا فیصلہ ڈیوڈ کو سنا دیا تھا۔

بہت بہادر بن کر فیصلہ کیا تھا۔

اور ایک صحیح فیصلہ کیا تھا۔

جب سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔تو پھر یہ آندھیاں سی کیوں اٹھ رہی تھیں۔خود اپنی نظر میں رسوا ہو رہی تھی۔خود اپنے آپ سے منہ چھپا لینا چاہتی تھی۔حالانکہ ڈیوڈ کل آنے کا کہہ گیا تھا۔

پتہ نہیں کل کیوں آنا چاہتا تھا۔

پتہ نہیں اس کی۔۔۔۔۔۔۔شادی کا کوئی تحفہ دینا چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔۔یا آخری بار گلے مل کر رونا چاہتا تھا۔

اس کا آنا بے معنی سا لگ رہا تھا۔مگر ایک روز نتو کھلا تھا۔۔۔۔۔۔۔اس کے آنے کا۔۔۔۔۔۔۔
کاش اس نے اس سے پہلے ڈیوڈ کو آزمایا ہوتا ۔اسے سے پہلے ڈیوڈ نے اس کے فیصلے کے آگے سر خم کیا ہوتا ۔۔۔۔۔۔۔؟ط
تو اس کے پہلو میں سوئی ہوئی محبت بیدار ہو جاتی۔اور وہ جان جاتی کہ محبت کے بنا زندی ادھوری ہے۔
تو وہ اپنی روایات کلے خلاف فیصلہ کر لیتی۔
لیٹے لیٹ اس کے فرسودہ روایات پر غصہ آنے لگا۔
اور اس نے سوچا۔۔۔۔۔۔۔۔دنیا کا سب سے بڑا مذہب محبت ہے۔محبت ہی اس کائنات کی بنیاد ہے۔اور محبت کے سامنے سب جذبے ہیچ ہیں۔
''مٹیں نہیں جانتی خاندانی جکڑ بندیوں کو۔۔۔۔۔۔۔۔
معاشرے کو۔۔۔۔۔۔۔۔
اقدار اور روایات کو۔۔۔۔۔۔۔۔''
دراصل پاری کا دل دھڑک رہا تھا۔ٹانگیں لرز رہی تھیں۔آج پہلی بار اس پر کھلا تھا کہ محبت کیسا جنون ہے۔اور محبوب کا انتظار کیا ہوتا ہے۔
رات بھر وہ روتی رہی تھی۔اس کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔اور چہرے زرد تھا۔اس کے شوخ و شنگ چہرے پر اداسی کی گہری تہہ جمی ہوئی تھی۔جسے آج لڑکیں ابھی محسوس کر رہی تھیں۔صبح ہوئی تو اس کی کیفیت ایسی تھی۔۔۔۔۔۔۔جیسے رات بھر مرنے والے کو رو چکنے کے بعد لوگ دفنانے کو لے جاتے ہیں۔اور رونے والا کرب،تھکن اور بے بسی کے آگے ہتھیار ڈال کے خود مردہ ہو جاتا ہے۔حتی جگہ اور رونے کی سکت بھی نہیں رہتی۔
اس طرح بے اختیار رہو کر۔
وہ روتی رہی۔اپنا تکیہ بھگوتی رہی۔۔۔۔۔۔۔۔
اور جدائی کی پہلی رات بڑی ظالم ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔
اور ادراک کا پہلا ستارہ بڑی بڑی تپش دیتا ہے۔
اب تو سب کچھ صاف نظر آ رہا تھا۔
جانے کب محبت دل کی گہرائیوں تک اتر جاتی ہے۔اور انا کے گل و گلزار کو پھونک کے رکھ دیتی ہے۔
رات کے ان لمحوں میں۔۔۔۔۔۔۔۔
اگر اچانک ڈیوڈ اس کے کمرے میں کود آتا۔اور کہتا۔''پاری آؤ۔میں تمہیں اپنے بازوؤں میں اٹھا کے اس پاپی دنیا سے دور لے جاؤں۔۔۔۔۔۔۔''
تو اری جھٹ کھڑی ہو جاتی۔اور اس کا بازو تھام کے دنیا کی اونچی اونچی دیواروں کو الانگتی پھلانگتی دوسری دنیا میں نکل جاتی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 25

آج اس نے صرف ایک پیالی چائے کی پی تھی۔
اپنا سفید یونیفارم پہن کر اس کے اوپر سفید اوورل آل پہن لیا تھا۔ لمبے بالوں کو گوندھ لیا تھا اور سر کو سفید دوپٹے سے ڈھکے کالج چلی گئی تھی۔ آج وہ ایک عام سی لڑکی تھی اس کا حلیہ بتا رہا تھا کہ وہ ایک بڑے صدمے سے گزر رہی ہے اور اس نے سوچ لیا تھا۔
کہ آج وہ اس صدمے سے گزر جائے گی اور پھر کل چھٹی لے کر گھر چلی جائے گی۔ ایسے عالم میں یہاں نہیں رہا جائے گا اور ایسے عالم سے اپنے ماحول میں چلے جانا بہتر ہوگا۔
دوسرا پیریڈ اٹینڈ کر کے وہ جلدی جلدی سائنس لیب کی طرف جا رہی تھی جب اچانک کالج گیٹ کا چوکیدار اس کے سامنے آ گیا اور اس کے نام کی چٹ اس کے ہاتھ میں پکڑا دی۔
پاری کا دل دھڑکا۔
یہ ڈیوڈ کی چٹ تھی۔
مگر آج ڈیوڈ اتنی صبح آ گیا تھا اور کالج میں آ گیا تھا اور یوں چٹ اندر بھیج دی تھی۔
پاری نے ادھر ادھر دیکھا۔۔۔۔سب لڑکیاں اور لڑکے کلاس میں چلے گئے تھے۔
''کہاں ہیں وہ صاحب۔۔۔۔؟
پاری نے آہستہ سے چوکیدار سے پوچھا۔
جی باہر گیٹ پر کھڑے ہیں۔
''ان سے کہو میں آ رہی ہوں''
چوکیدار چلا گیا۔
اب ڈیوڈ کی چٹ اس کے ہاتھ میں آئی تو اسے اندازہ ہوا جیسے وہ شدت سے ڈیوڈ کی منتظر تھی ڈیوڈ امید کے آسمان پر آخری ستارہ ہے۔۔۔۔۔۔
اور ڈیوڈ کو دیکھے بغیر اسے چین نہیں آئے گا۔
اپنے دھڑکتے دل اور لرزتی ٹانگوں پر قابو کیے۔۔۔۔۔۔
اپنے چہرے پر سکون کا ایک اور غلاف چڑھا کے وہ گیٹ کی طرف روانہ ہوئی۔ اس نے دور سے دیکھ لیا تھا ڈیوڈ بے چینی سے گیٹ کے باہر ٹہل رہا تھا۔
پاس کا دل چاہا وہ دوڑ کر ڈیوڈ سے لپٹ جائے۔
مگر وہ سکون سے چلتی رہی اور اس کے پاس جا کر ٹھہر گئی۔ ڈیوڈ مضطربانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا جیسے اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھا لے گا۔
اسے ڈیوڈ کی یہ بے چینی بہت اچھی لگی۔
ڈیوڈ کے پاس سڑک پر ایک رکشا کھڑا تھا۔
آؤ۔۔۔۔ڈیوڈ نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔
پاری نے یہ نہیں پوچھا۔۔۔۔
کیوں۔۔۔۔؟ کہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ اس کا پورا اعصابی نظام اس وقت اس کے اختیار میں نہیں تھا اور بولنے کی سکت بھی نہیں تھی اور اپنی بزدلی کا بھرم بھی نہیں کھونا چاہتی تھی۔
اس لئے چپ چاپ رکشے میں بیٹھ گئی۔
دونوں ہوٹل میں آ گئے۔
اچھا ہوا وہ یہاں آ گئے۔ پاری کا دل چاہ رہا تھا۔ چیخ چیخ کر روئے۔ پتہ نہیں کیسے کیسے جذبات ہو رہے تھے۔
اندر آ کر ڈیوڈ نے دروازے کی کنڈے بند کر دی اور اس کے ساتھ ہی چارپائی پر بیٹھ گیا۔
پہلی بار پاری کو محسوس ہوا۔ ڈیوڈ کے اس طرح بیٹھنے سے اس کے اندر جذبات کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ ڈیوڈ کی موجودگی کا احساس اٹل اور شرانگیز تھا۔
ڈیوڈ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
پھر ایک دم اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔
پاری۔۔۔۔
پاری نے نظر اٹھائی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور چھم چھم رونے لگی۔
ڈیوڈ نے اس کے ہونوں ٹھنڈے ہاتھ اپنے گرم اور مضبوط ہاتھوں میں پکڑ لئے۔۔۔۔

جتنی شدت سے پاری روتی جا رہی تھی۔ ڈیوڈ اس کے ہاتھوں پر گرفت اتنی ہی مضبوط کرتا جاتا۔ جو کچھ پاری آنسوؤں سے کہہ رہی تھی ڈیوڈ اس کا جواب ہاتھوں سے دے رہا تھا۔ ایسے موقوں پر زبان گنگ ہو جاتی ہے۔

پارو!

ڈیوڈ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

میں جانتا ہوں تم مجھے چاہتی ہو۔۔۔۔۔مجھ سے پیار کرتی ہو۔۔۔۔۔میں تمہارے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا پاری۔۔۔۔۔۔

جب تک دونوں طرف آگ نہ لگی ہو۔ اس طرح کا تعلق پیدا نہیں ہو سکتا۔ تم مجھ سے چھپاتی ہو۔ چھپاتی رہو۔ تم دنیا سے ڈرتی ہو۔۔ میں نہیں ڈرتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں نے کل ایک فیصلہ کیا تھا۔

مجھے معلوم ہے۔ تم جیسی روایات میں جکڑے ہوئی لڑکیاں سب کچھ ہوتی ہیں۔ مگر اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتیں۔ ان کو اپنا آپ منوانے کی عادت نہیں ہتی۔ صدیوں کی فرسودہ رسوم نے انہیں ہمیشہ دباؤ کے تلے رہنے کی عادت ڈال دی ہے۔ ان کو سر اُٹھانا نہیں آتا۔ جہاں کہیں لڑکی کو اپنی مرضی استعمال کرنے کی اجازت یا مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ وہیں پر وہ وسوسوں میں گھر جاتی ہیں۔ پتہ نہیں کیا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پتہ نہیں اچھا ہوگا یا برا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

یہ نہ ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ نہ ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس لئے تم جیسی لڑکیوں پر ہمیشہ زبردستی اپنی مرضی ٹھونسنی چاہئیں۔

ڈیوڈ تھوڑی دیر چپ ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔۔

میں ساری زندگی تمہیں مناتا رہوں گا۔ مگر تم نہ نہ کہتی رہو گی۔ وہ پھر کیا ہوا۔۔۔۔اور ساری زندگی اپنے شوہر کے ساتھ ایک گھٹی گھٹی زندگی گزارو گی۔ جب بھی تمہیں اپنے شوہر سے دکھ پہنچا کرے گا یہی سوچا کرو گی کاش ڈیوڈ کی بات مان لیتی۔ کاش ڈیوڈ میرے ساتھ زبردستی کرتا۔

یہ فقرہ سن کر پاری اور زور سے رونے لگی۔

''تو آج میں تمہارے ساتھ زبردستی کرنے لگا ہوں''

یہ سن کر پاری تھرا گئی۔ لرز گئی۔ اس نے چہرہ اُٹھایا۔۔۔۔۔اور خوفزدہ انداز میں ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔

اتنا خوف تھا اس کے چہرے پر کہ اس کے بہتے آنسو رخساروں پر ٹھٹھک گئے۔

UrduPoint.com

ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

ڈیوڈ نے جھک کر اس کا ہاتھ چوم لیا۔

پاری کو اب اپنے ہاتھ چھڑانے کا ہوش آیا۔

پاری!

ڈیوڈ ایک دم کھڑا ہو گیا۔

میں تمہارے ساتھ شادی کروں گا۔ اور آج ہی کروں گا۔

ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔پاری بھی کھڑی ہو گئی۔

یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟

میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہو۔ تم جانتی ہو۔ میں ضدی آدمی ہوں۔

میں نے تم سے عشق کیا ہے۔ اور میں ہار کر جینا نہیں چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔دو ہی راستے ہیں میرے پاس۔۔۔۔۔۔۔۔۔شادی یا خودکشی۔۔۔۔۔۔۔۔۔خودکشی میں پسند نہیں کرتا۔ محبت پر مجھے یقین ہے تم میرا کیا کرلو گی۔۔۔۔۔۔جب کہ میں جانتا ہوں تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔

''نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔''

پاری یوں کھڑی تھی جیسے بھوت دیکھ لیا ہو۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 26

ہاں پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب انکار کروگی۔تو میں یہیں پر تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔اور پھر اپنے آپ کو بھی ختم کر لوں گا۔کل اگر سکینڈل بننے سے بچنا چاہتی ہو۔تو آج اسی وقت تمہیں مجھ سے شادی کرنا ہوگی۔

میں لاہور سے اپنے دوست لایا ہوں۔وہ ہمارے گواہ ہوں گے۔نیچے ہال میں بیٹھے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔

''ابھی اسی وقت میرے ساتھ عدالت میں چلو۔۔۔۔۔۔۔''

''ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔''

پاری ٹھنڈی برف ہوگئی۔

مجھ پر اعتبار کرو۔یا مجھ سے نفرت کرو۔آج کا یہ لمحہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔

ساری زندگی کے آنسو اس وقت کو واپس نہیں لا سکیں گے۔باقی سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔

ڈیوڈ نے آگے بڑھ کر پاری کا بازو پکڑ لیا۔پھر روتی ہوئی پاری کو گلے سے لگا لیا۔ڈیوڈ کے گلے لگتے ہی گویا پاری کے اندر محبت کی آبشار پھوٹ بہی۔

اسے رات والی ساری باتیں یاد آنے لگیں۔

ڈیوڈ کے سوا ہر چیز اس کی نظر سے ہٹ گئی۔

ڈیوڈ دھیرے دھیرے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔۔۔۔۔۔۔اسی وقت ساری دنیا سے اسے نفرت ہوگئی۔

اپنے دل کے آگے ہر شے ہیچ لگنے لگی۔اور دل کو صرف ڈیوڈ اچھا لگ رہا تھا۔

''جاؤ جلدی سے منہ دھو کر آؤ''

ڈیوڈ نے اسے غسل خانے کی طرف دھکیلا۔

وہ غسل خانے میں جا کر منہ دھونے لگی۔ٹھنڈے پانی کے چھینٹے چہرے پر ڈالے تو بہت قرار ملا۔

ڈیوڈ اسے لے کر نیچے آیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔دونوں دوست اٹھ کھڑے ہوئے۔ان کو لے کر وہ عدالت کی طرف چلے۔۔۔۔۔۔۔۔پاری کو ایسے لگا جیسے وہ پل صراط چل رہی ہے۔

مگر اس وقت اس نے اپنے آپ کو سوچنے سے باز رکھا۔کٹھ پتلی کی طرح ڈیوڈ کے ساتھ چلتی رہی۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ عدالت میں داخل ہوا۔

تو پاری کا دل چاہا۔ایک مرتبہ زور سے چیخے اور کہے۔''نہیں ایسا نہیں کروں گی۔''

مگر نجانے ڈیوڈ کی گرفت میں کیا جادو تھا۔کہ اس کی ہر بات اس کے اندر ہی دم توڑتی رہی۔وہ نظریں جھکا کر سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

عدالت کی دیواروں سے اسے شرم آرہی تھی۔ایسے لگ رہا تھا۔جیسے آج ہر شے کہہ رہی ہے۔''اسے دیکھو اس نے لاج کے سارے بندھن توڑ دیئے ہیں۔''

کاغذات تیار بھی ہوگئے۔۔۔۔۔۔۔۔

رسمی سی باتوں کے بعد۔۔۔۔۔۔۔۔مجسٹریٹ نے پہلے ڈیوڈ کا مکمل نام اور پتہ پوچھا۔

اور پھر پاری کی طرف چہرہ کر کے بولا۔۔۔۔۔۔۔۔

بی بی آپ کا نام کیا ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔

تھوڑی دیر کے بعد پاری کو ایسے لگا! جیسے وہ اپنا نام بھول گئی ہے۔اپنا نام نہیں جانتی۔اس کا کوئی نام ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔بیٹھی اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجسٹریٹ کی آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی۔۔۔۔۔۔۔

بی بی میں نے آپ کا نام پوچھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔؟

اس نے دبارہ کہا۔۔۔۔۔۔۔۔

''پارسا۔۔۔۔۔۔۔۔''

پاری نے اس طرح کھینچ کر اپنی آواز نکالی جیسے وہ اندھیرے کنویں میں قید کر دی گئی ہے۔اور اس کی قوت گویا اچانک سلب ہوگئی۔۔۔۔۔۔۔

پا سا۔۔۔۔۔۔۔اس نے بمشکل دوسری مرتبہ کہا۔اور پھر بڑا کھونٹ بھر کے تیسرے مرتبہ بولی۔

''پارسا عرفان''

پارسا۔۔۔۔۔۔۔۔

پارسا۔۔۔۔۔۔۔۔

پارسا۔۔۔۔۔۔۔۔پارسا۔۔۔۔۔۔۔۔

پارسا۔۔۔۔۔۔۔۔

عدالت کے سارے کاغذات اڑ کر اس کے اردگرد ناچنے لگے۔۔۔۔۔۔۔اس کے نام کا ورد کرنے لگے۔

تم پارسا ہو۔

کیا تم پارسا ہو۔

تم ہی پارسا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پارسا ایسے ہوتے ہیں؟

پارسائی اسے کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔؟

ایسا ہی میٹھی میٹھی سردی کا موسم تھا۔شام کا وقت تھا۔اور میجر عرفان اللہ ایکسرسائز سے آ کر ابھی بیٹھے اپنے لمبے بوٹوں کے تسمے کھول رہے تھے۔کہ وحیدہ عرفان کے کمرے سے دلروز چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔انہوں نے دوبارہ تسمے باندھ لیے اور اٹھ کے ان کے مرے میں چلے گئے۔

کل سے وحیدہ عرفان کو ہلکی ہلکی تکلیف ہو رہی تھی۔ڈاکٹر کو گھر بلا کر بھی دکھایا تھا۔مگر اس وقت تکلیف اچانک بڑھ گئی تھی۔

عرفان اللہ نے فون کر کے سی۔ایم۔ایچ کی ایمبولینس منگوالی۔اور جلدی سے وحیدہ عرفان کو ہسپتال لے گئے۔

نیک کی پیدائش کے بعد کافی عرصہ تک وحیدہ عرفان کا کوئی بچہ نہیں ہوا تھا۔اور جو ہوا بھی تو پیدائش سے قبل ہی ساتھ چھوڑ گیا۔اور اب منتوں مرادوں اور دعاؤں کے بعد دوسرے بچے کی پیدائش کا وقت آ گیا تھا۔

وحیدہ عرفان کو سو فیصد امید تھی کہ اب اس کا لڑکا ہوگا۔وحیدہ عرفان کو جنون کی حد تک لڑکے کی تمنا تھی۔گو وہ تعلیم یافتہ عورت تھی۔مگر اس کی تکمیل کے لیے اس نے تعویز گنڈے بھی کیے تھے۔ٹونے بھی۔۔۔۔۔۔اور پھر جس نے جو کہا وہ کھالیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

عورتوں نے اپنے اپنے آزمودہ نسخے بتائے تھے۔اور اسے یقین دلایا تھا۔کہ اس کا لڑکا ہی ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔

اسی لیے جان لیوا تکلیف کے باوجود وحیدہ عرفان پر امید تھی۔بلکہ اس نے تو اپنے بیٹے کا نام بھی سوچ لیا تھا۔

ساری رات میجر عرفان ہسپتال کے برآمدے میں ٹہل ٹہل کر سگریٹ پھونکتے رہے۔اذان سے تھوڑی دیر پہلے نرس نے آ کر بتایا کہ انکے ہاں بچی ہوئی ہے۔انہوں نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا۔

انہیں بچیوں سے محبت تھی۔وہ لڑکی اور لڑکے میں زیادہ فرق نہیں سمجھتے تھے۔وہ اپنی ماں کے پانچ بیٹے تھے۔اور صرف ایک ہی بہن تھی۔جو گھر میں سب کی آنکھوں کا تارا تھی۔عرفان اللہ سب سے زیادہ اپنی بہن سے پیار کرتے تھے۔انہیں لڑکیاں پسند تھیں۔

وہ جب وحیدہ عران کو بعافیت دیکھ کر اپنے گھر آئے۔تو میاں جی مصلے پر بیٹھے تھے۔انہوں نے فجر کی نماز پڑھ لی تھی۔اور اب کلام پاک کی تفسیر پڑھ رہے تھے۔

عرفان اللہ سیدھے ان کے کمرے میں آئے۔اور آ کر سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر بعد میاں جی نے نظر اٹھائی۔تو انہیں سامنے بیٹھے دیکھ کر چونک گئے۔اور پوچھا۔

''کیا خبر لائے ہو بیٹا۔۔۔۔۔۔''

''بیٹی آئی ہے میاں جی۔''

انہوں نے بڑے سکون سے کہا۔

الحمدللہ۔۔۔۔۔۔۔کہہ کر میاں جی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔

پھر بولے۔

بہو خیریت سے ہے۔

جی ہاں۔۔۔۔۔۔۔

اچھا اب تم جا کر آرام کرو۔بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔

پانچویں دن وحیدہ عرفان گھر آ گئیں۔

تو سب سے پہلے میاں جی لاٹھی ٹیکتے ہوئے۔ان کے کمرے میں آئے۔منہ میں کچھ پڑھ کر بہو اور پوتی پر دم کیا۔اور پھر پوتے کے منہ سے کپڑا ہٹا کے اس کے ماتھے پر پھونک ماری اور بولے۔۔۔۔۔۔

''پارسا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

میری بچی پارسا ہے۔

اسی وقت وحیدہ عرفان نے برا سا منہ بنایا۔اور دل میں کہا۔میاں جی کو اپنے آپ بچوں کے نام رکھنے کی عادت ہے۔کوئی کہے یا نہ کہے۔۔۔۔۔۔وہ پہلے سے نام رکھ دیتے ہیں۔جن دنوں نیک پیدا ہوئی۔وحیدہ عرفان نے ہزاروں نام رسالوں میں دیکھے تھے۔تب انہیں اتنی پروہ نہیں تھی۔کہ لڑکا ہو یا لڑکی۔۔۔۔۔۔۔

جب لڑکی پیدا ہوئی تو ۔ وہ کوئی جدید ترین، خوبصورت اور مختصر سا نام رکھنا چاہتی تھیں ۔

ثنا شا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حمرٰی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گل لالہ جیسا کوئی نام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مگر میاں جی نے چپکے سے آ کر کہہ دیا۔

اس کا نام نیک نفیسہ ہے ۔

"نیک نفیسہ" بھی کوئی نام ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

اس قدر پرانا ۔ آؤٹ فیشن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب بھلا اس بچی کو کیا بلایا جائے گا ۔ میاں جی تو بس اپنے زمانے کی باتیں کرتے ہیں ۔

مگر جب خود عرفان اللہ نے اپنی بچی کو نیک بلانا شروع کر دیا ۔ تو وحیدہ عرفان کچھ بھی نہ کر سکیں ۔ ان کا خیال تھا۔ سکول میں داخلے کے وقت وہ اپنی بچی کا کوئی ماڈرن سا نام رکھ دیں گی ۔

مگر جب فارم پر کرنے کا وقت آیا ۔ تو عرفان اللہ نے اس بات کی پر زور مخالفت کی ۔ اور وہ بولے میں اپنے باپ کا رکھا ہوا نام کبھی نہیں بدلوں گا ۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں ۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 27

سو۔۔۔۔۔۔۔۔

نیک نفیسہ کا نام نیک نفیسہ ہی پڑ گیا۔تب وحیدہ عرفان اسے نیک بلا نے لگیں۔اور اب پھر انہوں نے چپکے سے بچی کا نام پارسا رکھ دیا تھا۔وحیدہ عرفان کرب کے ساتھ عرفان اللہ کی طرف دیکھا۔

عرفان اللہ نے نظریں جھکالیں۔

ان کے لیے تو ان کے باپ کا کہا حکم کا درجہ رکھتا تھا۔اور پھر انہوں نے دل میں سوچا۔عورت کے لیے ''پارسا'' سے اچھا کونسا نام ہوسکتا ہے۔

کافی عرصہ تک جب وحیدہ عرفان اپنی ملنے والیوں کو پارسا کا نام بتاتی تو وہ ہنس کر کہتیں۔

''تو یہ کتنا مشکل نام ہے۔تمہیں کوئی آسان نام نہیں سوجھا تھا۔''

اور بعض ستم ظریف تو جھٹ کہہ اٹھتیں۔

بھئی ہمیں اس کے نام کا مطلب تو بتا دو۔ہم نے تو کبھی یہ لفظ ہی نہیں سنا۔''پارسا'' کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

میاں جی کبھی کبھی اس کے ہونٹوں پر اپنی لرزتی ہوئی انگلی رکھ کے کہتے۔

کہو۔۔۔۔۔۔۔''پارسا۔۔۔۔۔۔۔''

پارسا۔۔۔۔۔۔۔

پارسا۔۔۔۔۔۔۔

پھر وہ رک جاتی۔

کہو''پارسا''

وہ دوبارہ کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔

پھر وہ کوشش کر کے کہتی۔

پال چھا۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔کہو۔۔۔۔۔۔۔

میرا نام پارسا ہے۔

میلا نام پال چھا ہے۔۔۔۔۔۔۔

میاں جی اسے گود میں لے لیتے باتیں کرنا سکھاتے۔سب سے پہلے میاں جی نے اسے بسم اللہ الرحمن الرحیم سکھایا۔اور پھر پہلا کلمہ طیب ترجمے کے ساتھ سکھایا۔

جب وہ دو سال کی تھی۔تو جو بھی مہمان آتا۔اسے پکڑ کر اس سے کلمہ طیبہ سنوایا جاتا۔کلمہ سنانے کے بعد باقاعدہ کہتی ۔۔۔۔۔۔اب اس کا ترجمہ سنیئے۔

''نہیں کوئی معبود'' سوائے اللہ کے اور حضرت محمدﷺ اللہ کے رسول ہیں'' جس طرح طوطا رٹ لیتا ہے۔اس طرح اس نے کلمہ طیبہ رٹ چھوڑا تھا۔اس کے نام کو آسان کرنے کے لیے وحیدہ عرفان ہمیشہ اسے پاری بلایا کرتیں۔

یہ نام ان کی ماڈرن سہیلیوں کو بہت اپیل کرتا تھا۔

مگر میاں جی نام بگاڑ کر بلانے کے حق میں نہیں تھے۔

وہ ہمیشہ اس کا پورا نام بلاتے۔۔۔۔۔۔۔۔

''پارسا۔۔۔۔۔۔''

جی دادا جی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ دوڑ کر آجاتی۔

''دادا جی پارسا کا کیا مطلب ہوتا ہے۔''

نیک متقی،پاک اور صالح عورت۔۔۔۔۔۔۔۔

جی دادا جی۔۔۔۔۔یہ اتنے سارے میرے نام ہیں۔

میاں جی ہنس پڑتے۔

ہاں یہ سارے تیرے نام کے حصے ہیں۔

نام کے حصے کردار کے حصے بن جاتے ہیں۔

میاں جی ہی نے اسے پہلا قرآنی قاعدہ پڑھایا تھا۔اور اس کے بعد اس نے سکول جانا شروع کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔

میاں جی کی فوتیدگی کے بعد اسے کوئی پارسا نہیں بلاتا تھا۔اس لیے تو وہ اپنا نام بھی بھول چکی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تو جیسے گمرے وقت کا قافلہ گھنٹیاں بجاتا ہوا اس کے سامنے سے گزرنے لگا۔۔۔۔۔۔جانے کب اور کس عالم

میں اس نے شادی کے کاغذات پر دستخط کر دیئے تھے۔اور اب ڈیوڈ بڑی محبت سے اسے تھامے ہوئے باہر لا رہا تھا

۔

اس کے دونوں دوست اسے مبارکباد کہہ کر رخصت ہو گئے تھے۔اور اب وہ سڑک پر کھڑا ٹیکسی کو روک رہا تھا۔

ٹیکسی رک گئی۔

تو اس نے یوں پاری کو تھام کر ٹیکسی میں بٹھایا جیسے وہ نازک سی دلہن ہے۔

کیا میں دلہن ہوں۔

پاری نے اپنے سفید اور رآل اور سفید کپڑوں پر نظر ڈالی۔

ابھی تک اس کے ہاتھ میں اس کی نوٹ بک اور کتابیں تھیں۔چھوٹا سا پرس کتابوں کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔

کچھ بھی تو تبدیل نہیں ہوا تھا مگر اس کی زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب آ گیا تھا۔

ٹیکسی ہوٹل کے باہر رکی۔تو ڈیوڈ نے اسی طرح اسے تھام کر باہر نکالا۔۔۔۔۔۔۔باہر نکلتے ہیں اس کی نظر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سامنے آتے ہوئے ایک ٹرک پر پڑ گئی۔جس کی پیشانی پر لکھا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔

''لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ''

پاری کے اندر ایک دم سے جھکڑ چلنے لگے۔۔۔۔۔۔

اس کے سر کو چکر آنے لگے۔۔۔۔۔۔۔

یہ ناطہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ ناطہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ ناطہ کیسا ناطہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

کچھ روح کے ناطے۔۔۔۔۔۔۔۔

اور کچھ دل کے ناطے۔۔۔۔۔۔۔۔

کو نسے ناطے مضبوط ہوتے ہیں۔

وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

ڈیوڈ اسے پکڑ کے اوپر کمرے میں لے آیا۔ابھی تک وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ٹھنڈی ٹھنڈی برف اس کے احساسات پر گر رہی تھی۔

اور وہ اپنے فیصلہ کی کند چھری سے ہی اپنے احساس کو ذبح کئے چلی جا رہی تھی۔

اوپر آ کر جب ڈیوڈ نے اپنی گرمجوش محبت کا والہانہ پن ظاہر کیا۔۔۔۔۔۔۔۔تو پاری کے سارے وسوسے بھک سے اڑ گئے۔۔۔۔۔۔

بھڑکتی ہوئی آگ میں جلتے ہوئے اس نے سوچا۔۔۔۔۔۔۔۔

محبت سب سے بڑی حقیقت ہے۔

ڈیوڈ نے ایک نازک سی انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی۔اور بولا''پارو''یہ میرے جنون کی علامت ہے۔جب تک میں زندہ رہوں گا۔تم اس انگوٹھی کو اپنے ہاتھ سے جدا نہیں کرو گی۔۔۔۔۔۔''

پاری نے آنکھیں بند کر لیں۔

ڈیرڈ نے اس کی آنکھوں کو چوم لیا۔

ڈیوی۔میرا جی چاہ رہا ہے۔

''میں ابھی مر جاؤں۔۔۔۔۔۔۔''

پاری نے اپنی بند آنکھوں کو کھولے بغیر کہا۔

خبردار۔۔۔۔۔''ڈیوڈ نے ڈانٹا۔پھر تمہارے منہ سے ایسی واہیات بات نہیں سنوں گا۔

ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے کلائی کی گھڑی دیکھ کر کہا۔

کالج میں تو چھٹی ہو گئی ہو گی۔

آج کے دن کیا چھٹی چھٹی لگا رکھی ہے۔

مگر ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔

اس نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا۔

ڈیوڈ کھڑا ہو گیا۔

اور شرمندگی سے ہنس کر بولا۔

آئی ایم ویری ساری پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تمہارے لیے وہ اہتمام نہیں کر سکا۔ جو تمہاری شایان شان ہوتا۔مگر کیا کروں۔سب کچھ جیسے ایمرجنسی میں ہو رہا ہے۔اگر تم سیدھی طرح مان جاتیں۔تو مجھے اس طرح زبردستی کرنے کی ضرورت نہ تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن میرا خیال ہے۔محبت کرنے والے دنیاوی لوازمات کی پرواہ نہیں کرتے۔۔۔۔۔۔۔ہے نا!پاری دھیرے سے مسکرا دی۔

اب تم چلو۔۔۔۔۔۔۔۔ہوسٹل سے اپنا سامان لے آؤ۔

کیوں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بھئی آج رات تو میرے پاس رہو گی نا؟

اس پر پاری نے شرما کر سر جھکا لیا۔

تم ایسا کرو۔میرے ساتھ ہوسٹل چلو۔۔۔۔۔۔۔۔اپنے دو چار کپڑے اٹھاؤ۔اور ایک ہفتے کی عرضے لکھ کر دے دو۔

ایک ہفتے کی۔۔۔۔۔۔۔پاری نے ڈر کر کہا۔

ہاں۔۔۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔میں تو ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔ہم ساری دنیا سے دور ایک ہفتہ یہاں چھپ کر رہیں گے۔اور میں اپنے دل کے سارے ارمان نکالوں گا۔

پاری کا دل دھڑ دھڑ بولنے لگا۔

اور لڑکیوں سے کیا کہوں گی۔

ان سے کہہ دو۔کہ میں ایک ہفتے کے لیے لاہور جا رہی ہوں۔

اور لاہور سے کوئی ملنے آ گیا تو۔۔۔۔۔۔۔۔

نہیں آتا بھئی۔۔۔۔۔۔۔۔اب سے پہلے کوئی آیا ہے۔

ہاں تم جو آئے ہو۔۔۔۔۔۔

بس میرے علاوہ کسی ماں نے ایسا لعل جنا جو یہاں تم سے ملنے آئے۔

پاری ہنسنے لگی۔

جلدی کرو کچھ شب عروسی کا بھی بندوبست کرنا ہے۔

پاری ڈیوڈ کے ساتھ ہوسٹل گئی۔اس کے کہنے کے مطابق اچھے اچھے سوٹ اٹھا لیے۔عرضی لکھ کر دی۔اور اپنی روم میٹ کو بتا دیا۔کہ وہ ایک ہفتے کے لیے لاہور جا رہی ہے۔

وہ دونوں جب سامان لے کر ہوٹل پہنچے۔تو شام کا رنگ بدل رہا تھا۔

ڈیوڈ نے اسے کمرے میں چھوڑا۔اور بولا۔۔۔۔۔۔۔۔

بھئی ذرا تیار ہو جاؤ۔اب میں ایسا گیا گزرا بھی نہیں ہوں۔کہ تم مجھے دولہن بن کر نہ دکھاؤ۔۔۔۔۔۔اس غربت میں جو اہتمام ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔کرو۔۔۔۔۔۔۔۔جب ہمارے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔دیکھنا میں تمہیں ایک دن وہ روایتی دلہن ضرور بناؤں گا۔یہ کہہ کر ڈیوڈ باہر نکل گیا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 28

پاری کے پاس ایسا کوئی کپڑا نہیں تھا۔ جو عام طور پر شوقین لڑکیاں پہنتی ہیں ۔ اور پھر وہ تو ہمیشہ جینز اور بلاؤز پہنتی تھی ۔مگر پھر بھی دو چار اچھی ساڑھیاں تھیں ۔ اور اتفاق سے پچھلی عید پر اس نے اپنی ایک کزن کی شادی کے لیے ایک نارنگی رنگ کی پشواز اور جامنی پاجامہ دوپٹہ بنایا تھا۔ وہ اس وقت اٹھا لائی تھی ۔ میک اپ کا سارا سامان تھا۔ اسکے پاس ۔۔۔۔۔۔ البتہ اسے چوڑیاں اور انگوٹھیاں پسند نہیں تھیں ۔ چھوٹے چھوٹے ڈائمنڈ کے ٹاپس ہر وقت اس کے کانوں میں رہتے تھے ۔

اس نے قرینے سے میک اپ کیا ۔۔۔۔۔۔۔ اپنے آپ کو سنوارا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی ۔ اور ڈیوڈ پھولوں کی ایک ٹوکری لے کر اندر داخل ہوا۔

یہ کس لیے ڈیوڈ ۔۔۔۔۔۔۔۔؟

بھئی عشق تو دینوی رسموں سے ماورئ ہوتا ہے ۔ میں نے سوچا ۔۔۔۔۔۔۔ آج میں تمہیں پھولوں کی شہزادی بنا دوں گا زیور پہنو ۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ نے پھولوں کے گجرے ،موتیا کے ہار ۔۔۔۔۔۔۔ موتیا کی بالیاں ۔۔۔۔۔۔۔ پاری کو پکڑا دیں اور پھر باقی پھول اور پتیاں بستر پر بکھیرنے لگا ۔۔۔۔۔۔

پاری کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک گہرے کھڈ میں اتر چکی ہے ۔ اور کوئی اسے کھینچ کھینچ کر باہر نکال رہا ہے ۔ کوئی اسے جھنجھوڑ رہا ہے ۔ کوئی اسے بھونچال کے حوالے کر رہا ہے ۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو جیسے برآمد کیا تو اسے پتہ چلا کوئی اسے جگا رہا تھا۔ اور وہ نیند کے اندھے کنویں میں اس طرح ڈوب چکی تھی کہ نہ تو آواز شناخت کر سکتی تھی ۔ نہ سونے جاگنے میں تمیز کر رہی تھی ۔ اور نہ جگانے والے کو پہچان رہی تھی ۔ ہوتا ہے ۔ اس طرح ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ جب روح آسودہ ہو جاتی ہے ۔ اور جسم کی پیاس کے سارے پیالے بھر جاتے ہیں ۔ تو پھر امنڈ گھمنڈ کر نیند آئی ہے ۔ نیند میں نشہ مل جاتا ہے ۔ اور لاشعور ،شعور کو دبا لیتا ہے ۔ ایسی گہری ، بے فکری اور بے حسی کی نیند پاری کو پہلی دفعہ آئی تھی ۔

کل ہی تو وہ ایک ہفتہ ڈیوڈ کے ساتھ گزار کر ہوسٹل واپس آئی تھی ۔ آتے ہی اپنے کمرے کو نئے سرے سے ٹھیک کیا ۔ لڑکیوں سے پوچھ تاچھ کر ایک ہفتے کے نوٹس مکمل کیے ۔ آج کی ساری کلاسیں اٹینڈ کیں ۔ دوپہر کا کھانا کھا کر لوٹ آئی تھی ۔ آگے اسے یاد نہیں تھا۔ کب گری ، کب سو گئی ۔ وصل کا سفر بھی اس قدر تھکا دیتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ اتنا بے دم کر دیتا ہے ۔ اسے اندازہ ہی نہ تھا۔ زور لگا کر اس نے اپنی آنکھوں کو کھولا ۔ اپنے وجود کو گھسیٹ گھسیٹ کر خواب کی وادی سے نکالا ۔ پوٹے اٹھا کر بمشکل دیکھا ، کہ اس کی روم میٹ ماریہ اسے جگا رہی تھی ۔

توبہ ہے پاری ۔ تم نے نشہ تو نہیں پی رکھا ۔۔۔۔۔۔۔

پاری نے مسکرانے کی کوشش کی مگر مسکرایا نہ گیا ۔ آنکھیں پوری طرح کھولی نہ گئیں ۔ خود سے کروٹ نہ بدلی گئی ۔

اف ۔۔۔۔۔۔۔ وہ کتنی شل ہو چکی تھی ۔

کیا بات ہے ماریا ۔۔۔۔۔۔۔؟ اس نے بھاری آواز میں پوچھا ۔

تمہارے کوئی وزیٹر صاحب آئے تھے ۔۔۔۔۔۔۔ گھنٹہ بھر سے انتظار کر رہے ہیں ۔ میں تمہیں جگا کر جاتی ہوں ۔ تم پھر سو جاتی ہو ۔ اب تیسری بار جگانے آئی ہوں ۔ ایم تو نہیں کھائی تم نے ۔۔۔۔۔۔؟

پاری کوشش کر کے اٹھ بیٹھی ۔ اگر کیفیت وہی تھی جیسے کسی نے انجان جزیرے میں اتار دیا ہو ۔ اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گرد و پیش کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی ۔

کون وزیٹر ۔۔۔۔۔۔۔ اس نے بے دلی سے پوچھا ۔

مجھے کیا پتہ ۔۔۔۔۔۔۔؟ جا کر دیکھ لو ۔ جب تم لاہور گئی تھیں ۔ یہ تین بار آئے تھے ۔ آج پھر آدھمکے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ اس کی روم میٹ نے مڑ کر دیکھا ۔۔۔۔۔۔۔ چھاپہ مار ٹیم معلوم ہوتے ہیں ۔۔۔۔ اچھا ۔۔۔۔۔۔۔

تم جاگ چکی ہو یا میں تمہارے اوپر ٹھنڈا پانی ڈالوں ۔

جاگ چکی ہوں بھئی ۔۔۔۔۔۔۔ وہ بے زاری سے بولی ۔

تو پھر جا کر خبر لو ۔۔۔۔۔۔۔ میں تو جا رہی ہوں ۔ چوکیدار پھر میرے پاس آدھمکے گا ۔ پاری کو ایسی نشیلی کیفیت سے نکلنا اچھا نہیں لگ رہا تھا ۔ دل چاہ رہا تھا سوتی رہے ۔۔۔۔۔۔۔ سو جائے ۔۔۔۔۔۔ اسی عالم میں صدیاں گزر جائیں ۔۔۔۔۔۔۔ کیا خوبصورت مدہوشی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ مگر وہ ڈر گئی تھی ۔۔۔۔۔۔۔

کون آ گیا ۔۔۔۔۔۔۔ پھر کون آ گیا ۔۔۔۔۔۔۔

اٹھ کر غسل خانے میں چلی گئی ۔۔۔۔۔۔۔ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے سوچتی رہی ۔ کون آیا ہو

گا۔۔۔۔۔۔؟

ابھی ڈیوڈ کل ہی تو لاہور گیا ہے۔کہیں آج واپس نہ آ گیا ہو۔۔۔۔۔۔۔ ہے تو جنونی طبیعت والا۔۔۔۔۔جو جی میں آئے کر گزرتا ہے۔مگر وہ اسے سمجھا دے گی کہ اس نے اس کا کہنا مان لیا ہے۔وہ تسلی سے نوکری کرتا رہے۔ وار اسے بھی امتحان کی تیاری کرنے دے۔

اس نے منہ دھویا۔اوپر اوپر سے بال درست کیے۔چوٹی تو پہلے ہی گوندھی ہوئی تھی۔تھوڑی سی کریم ہاتھوں پہ ملک کے منہ پر لگالی۔کپڑوں کی سلوٹیں درست کرکے،دوپٹہ سنوارتی ہوئی باہر نکل آئی۔

کیسے بہکے بہکے قدم ہو رہے تھے۔چلنا بھی محال ہو رہا تھا۔کیسی بدلی بدلی طبیعت لگ رہی تھی۔

ایک سمجھ میں نہ آنے والی کیفیت سے گزرتی وہ وزیٹنگ روم تک آ گئی۔اندر آ کر ششدر رہ گئی۔

وہاں غزالی بیٹھے تھے۔۔۔۔۔۔۔؟

اسے دیکھ کر غزالی کھڑے ہو گئے۔انہیں دیکھتے ہی پاری کے جسم کے اندر اایک برقی لہر سی دوڑ گئی۔جس نے نیند میں گندھے ہوئے روئیں روئیں کو جگا دیا۔تھوڑی دیر پہلے خوابیدہ کیفیت پل بھر میں ہوا ہو گئی۔بلکہ اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔

پہلے ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔۔پھر آگے آئی۔

آپ۔۔۔۔۔۔آپ۔۔۔۔۔۔؟

ہاں غزالی نے معذرت خواہانہ لہجہ اختیار کیا۔میں تمہاری اجازت کے بغیر آ گیا۔۔۔۔۔۔۔

بیٹھیے۔۔۔۔۔۔۔پاری نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ بیٹھ گئے۔خود دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

پاری۔۔۔۔۔۔۔پچھلے ہفتے میرا ملتان کا ٹور نکلا تھا۔یہاں آنے سے پہلے میں نے فون پر ممانی جان کو بتایا تھا۔انہوں نے کہا میں تم سے ملتان آؤں۔۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔۔ انگوٹھی کا سائز بھی لیتا آؤں۔سو۔۔۔۔۔۔۔وہ ذرا سا رک کے۔۔۔۔۔۔۔ میں نے احتیاطاً ایک انگوٹھی خرید لی تھی کہ تم سے پسند بھی کروالوں گا اور سائز کا پتہ بھی چل جائے گا اس لیے پچھلے ہفتے تم سے ملنے تمہارے ہوسٹل آیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔

پچھلا ہفتہ پاری کے اندر پھر جھکڑ چلنے لگے۔۔۔۔۔۔پچھلا ہفتہ تو اس کی زندگی کی ساری بساط الٹ گیا تھا۔۔۔۔۔۔وہ نظریں جھکائے اپنی گرم ہتھیلیوں کی آڑھی ترچھی لکیروں کو دیکھتی۔کیا کہتی۔۔۔۔۔کیسے کہتی۔۔۔۔۔۔۔کیا کچھ کہتی۔۔۔۔۔۔۔؟

وہ بھی تھوڑی دیر انتظار کرتے رہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر خود ہی بولے۔۔۔۔۔۔۔۔

بلکہ پچھلے ہفتے تین بار تمہارا پتہ کرنے آیا تھا۔ان لوگوں نے بتایا تم لاہور گئی ہو ایک چکر لاہور کا لگایا۔تم وہاں نہیں تھیں۔۔۔۔۔۔پھر یہاں آ کر پتہ کیا۔۔۔۔۔۔غزالی پھر خاموش ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔

غزالی ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو خواہ مخواہ بات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔وہ چاہ رہے،پاری خود اس معمے کو حل کرے۔۔۔۔۔۔

اور پاری سوچ رہی تھی،بھید کھول دے یا ابھی پردے میں رہنے دے۔

پارسا تم کہاں تھیں۔۔۔۔۔۔۔؟

یکا یک غزالی نے پارسا کہا تو پاری لرز گئی۔دادا جان کے بعد آج کسی نے اسے پارسا کہا تھا۔پارسا کتنا اجنبی اور خوف دلانے والا نام لگا۔۔۔۔۔۔۔اور غزالی تو ہمیشہ اسے پاری کہتے تھے۔آج ان کی چھٹی حس نے انہیں کیا بتلا دیا ہے کہ وہ اسے پارسا کے نام سے بلا رہے ہیں۔یا پھر اسے یاد دلا رہے ہیں کہ اس کا نام پارسا کیوں رکھا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

بتاؤ۔۔۔۔۔۔کوئی مسئلہ تھا۔۔۔۔۔۔۔کوئی پریشانی تھی یا۔۔۔۔۔۔۔کیا تھا؟پہلی بار پاری نے نظر اٹھا کر ان کے چہرے کو دیکھا۔۔۔۔۔۔۔وہ پاری کا چہرہ غور سے دیکھ رہے تھے۔آج پاری کے نقوش پر عروس نو والا نکھار تھا۔اس کی آنکھوں میں وصل کی راتوں کا سارا کا سارا خمار تھا۔گال تمتمارہے تھے۔۔۔۔۔۔۔ہونٹ بھر سے گئے تھے۔۔۔۔۔۔۔چہرہ روشن روشن اجلا اجلا لگ رہا تھا۔اس وقت وہ اپنے حسن کے نصف النہار پر پہنچی ہوئی لگ رہی تھی۔گو بال چٹیا میں گندھے تھے مگر سونے سے کچھ لٹیں گردن اور پیشانی پر ڈھلک آئی تھیں۔۔۔۔۔۔۔جو اس کے مکھڑے کو چاند کا ہالا بنا رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے چہرے پر پریشانی والا کوئی تاثر نہیں تھا۔۔۔۔۔۔۔پھر بھی وہ یہ گتھی سلجھانا چاہتے تھے۔

پتہ نہیں کیا بات ہے،پچھلا سارا ہفتہ میں بے سکون رہا ہوں۔ایک رات بھی مجھے سکون سے نیند نہیں

آئی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔رات رات بھر جاگتا تھا۔اور تمہارے بارے میں سوچتا تھا۔ایسے لگتا تھا جیسے کچھ انہونی ہوگئی ہے۔یا ہونے جارہی ہے۔(پاری لرز گئی)

پہلی بار میں ایسی کیفیت سے مبتلا ہوا۔۔۔۔۔۔۔میں گھر واپس نہیں گیا، نہ لاہور والوں سے رابطہ کیا۔میں تمہیں مل کر جانا چاہتا تھا۔آج پتہ چلا کہ تم ہوسٹل میں آگئی ہو تو یہاں بیٹھا تمہارے انتظار کرتا رہا۔تم کہاں چلی گئیں تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔

پاری نے اپنی ساری ہمت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ساری قوت ارادی اور ساری خود اعتمادی جمع کی اور اپنے اندر بہت سا حوصلہ پیدا کیا۔تاکہ اس پل صراط میں گزر جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔بولی۔۔۔۔۔۔۔

''میں نے اورڈیوڈ نے شادی کرلی ہے۔۔۔۔۔۔۔؟

پاری نے اتنی جلدی یہ جملہ ادا کی اسے خود اپنے مکر جانے کا ڈر ہو۔۔۔۔۔۔۔

یہ جملہ غزالی کے ذہن سے ٹکرایا تو چہرے پر جوار بھاٹا ابھرا۔وہ حیران ہوئے پریشان ہوئے۔۔۔۔۔۔۔۔ویران ہوئے۔۔۔۔۔۔۔۔صدمے سے دوچار ہوئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر سب کچھ ان کی آنکھوں میں ہوتا رہا۔چہرے تو الگنی پر لٹکے ہوئے کپڑے کی طرح بے حس وحرکت رہا۔

اب پاری ان کو غور سے دیکھ رہی تھی۔اور ایک خوفناک ردعمل کی متوقع تھی۔خاموشی طاری رہی۔۔۔۔۔۔۔

غزالی سمندر کی طرح گہرے تھے۔انہیں یہ صدمہ برداشت کرنے کے لیے جتنے منٹ درکار تھے۔انہوں نے لیے تھے، اور پاری چاہ رہی تھی وہ اسے ڈانٹیں برا بھلا کہیں۔۔۔۔۔۔۔۔اونچ نیچ سے آگاہ کرکے اس کی عاقبت نا اندیشی پر اسے لعن طعن کریں۔کچھ اس کے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہو۔۔۔۔۔۔۔کافی دیر بعد جیسے وہ مراقبے سے باہر نکلے اور بولے۔

کب کی شادی۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

پچھلی اتوار کو۔۔۔۔۔۔۔

کہاں رہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

ایک ہوٹل میں۔۔۔۔۔۔۔

لگ رہا تھا کوئی حادثہ ہوگیا ہے۔۔۔۔۔۔۔حادثہ ہی سمجھو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان کا لہجہ ٹوٹ گیا مگر ان کی آواز سپاٹ تھی۔

پارسا!تم مشکل پسند تھیں۔تم نے ڈیوڈ میں کیا دیکھا کہ مجھے ٹھکرا کر اس سے شادی کرلی۔میں تمہیں اس سے بہتر زندگی دے سکتا تھا وغیرہ وغیرہ۔

ڈیوڈ آج کل کوئی جاب کررہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔؟انہوں نے پوچھا۔

کرتو رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔پارسا۔۔۔۔۔۔۔۔انہوں نے پھر کہا۔اب میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں۔

پہلی بار پاری کی آنکھیں بھیگ گئیں۔۔۔۔۔۔۔۔کتنے فاصلے درمیان میں آگئے تھے۔

پلیز آپ میری مدد کریں۔

امی ابو کو راضی کرنے میں۔۔۔۔۔۔۔۔میرا مطلب ہے ان کا دل صاف کرنے میں میرا مطلب ہے ان تک خبر پہنچانے میں۔۔۔۔۔۔۔وہ بوکھلا گئی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 29

تم جانتی ہو یہ کافی تکلیف دہ کام ہے۔۔۔۔۔۔۔۔تم جانتی ہو انہیں کس قدر صدمہ ہو گا تاہم خبر تو پہنچا دوں گا۔۔۔۔۔۔۔۔اتنی مدد کر سکتا ہوں دوسروں کے دل پر میرا اختیار نہیں ہے۔یہ کام کبھی نہ کبھی تمہیں خود کو کرنا ہو گا غزالی نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔جیسے انہیں کوئی بات یاد آ گئی ایک ڈبیا نکالی، بولے۔

یہ انگوٹھی میں نے تمہارے لیے خریدی تھی۔مجھے بہت پسند آئی تھی۔

انہوں نے ڈبیا پاری کو پکڑا دی۔

پاری نے ڈبیا پکڑ کے کھولی۔یاقوت اور زمرد میں جڑی ہوئی انتہائی خوبصورت اور قیمتی انگوٹھی تھی۔

پہن کے دیکھو۔۔۔۔۔۔۔۔

پاری نے پہن کر دیکھی۔۔۔۔۔۔۔۔بالکل پوری آئی۔

آپ کو میرے ناپ کا کیسے اندازہ تھا۔۔۔۔۔۔۔؟

ہو جاتا ہے،وہ سوگواری سے مسکرائے۔باقی اندازے غلط نکلے یہ ہی اندازہ ٹھیک نکلا۔

پاری نے انگوٹھی اتار کر ڈبیہ میں رکھی اور ڈبیہ ان کی طرف بڑھائی۔

اب اسے شادی کا تحفہ سمجھ کر تم رکھ لو۔وہ بولے۔تمہارے نام سے ہی لی تھی۔یہ اور بات ہے کہ میں تمہیں یہ انگوٹھی شب عروسی کے تحفے پر دینا چاہتا تھا۔

پاری کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔غزالی نے اس سے پہلے کبھی اس طرح کھل کر اپنے جذبوں اور ارادوں کا اظہار نہیں کیا تھا۔آج پاری ان کا ایک نیا روپ دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔اور حیران ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔اچھا اب میں چلتا ہوں۔وہ کھڑے ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔۔پاری بھی کھڑی ہو گئی۔جیسے کچھ سوچا۔پھر چلتے چلتے رک گئے، اور بولے۔

پارسا اب مجھے کوئی حق تو نہیں پہنچتا کہ میں تمہیں کوئی مشورہ دوں۔۔۔۔۔۔۔۔پھر بھی یہی کہوں گا۔اپنی تعلیم ضرور مکمل کرنا۔یعنی میڈیکل کا امتحان ضرور پاس کر لینا۔۔۔۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔۔۔۔وہ تابعداری سے بولی۔اسی لیے تو ہوسٹل آ گئی ہوں۔اگلے ماہ امتحان شروع ہو رہے ہیں۔انشاءاللہ امتحان دوں گی۔

اور۔۔۔۔۔۔۔۔انہوں نے جیب سے اپنا پرس نکالا۔۔۔۔۔۔۔۔

پانچ ہزار کے نوٹ گن کر میز پر رکھ دیئے۔

ممکن ہے کہ ماموں جان اب تمہیں ہوسٹل کا خرچہ بھیجنا بند کر دیں۔یہ تھوڑے سے پیسے ہیں۔رکھ لو۔۔۔۔۔۔۔۔نہ کام آئے تو واپس کر دینا۔

پاری کی آنکھیں بھر آئیں۔۔۔۔۔۔۔۔

انہوں نے کتنی دور تک سوچ لیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔کوئی اور وقت ہوتا تو اٹھا کے پیسے ان کے منہ پر دے مارتی۔مگر اب اس نے روپے ان کے سامنے اٹھا لیے۔۔۔۔۔۔۔۔جب کبھی میری مدد کی ضرورت ہو،فون کر لینا۔۔۔۔۔۔مجھے اچھا لگے گا۔۔۔۔۔۔۔۔یہ کہتے ہی وہ جلدی سے باہر نکل گئے۔۔۔۔۔۔۔۔گویا انہیں کوئی بھید کھل جانے کا ڈر ہو۔

اگلے ہفتے ویک اینڈ پر ڈیوڈ ملتان آیا۔تو بڑی بے تابی سے پاری کے ہوسٹل پہنچا۔وہاں سے اسے لے کر ہوٹل آیا۔

رات کو پاری نے پوچھا۔

تم نے اپنی ممی پاپا کو شادی کا بتا دیا ہے۔

بولا۔۔۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔

کب بتاؤ گے۔پاری نے پریشانی سے پوچھا۔

پاپا کو موڈ بہت خراب تھا۔میرے ایک ہفتہ غائب رہنے پر وہ بہت برہم تھے۔ایسی صورت میں اپنا مئوقف انہیں کیسے سمجھاپاتا۔

ماما سے بات کرتے۔۔۔۔۔۔۔۔

ماما آج کل بیمار ہیں۔گھٹنوں میں سخت تکلیف ہے۔میں نے دو تین بار کوشش کی۔۔۔۔۔۔۔۔مگر بس۔۔۔۔۔۔۔۔ہمت ہی نہ ہو سکی۔۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔ہم زیادہ دیر تک اس شادی کو خفیہ نہیں رکھ سکتے۔

مجھے معلوم ہے،وہ بولا۔

اس روز مجھ پر تم نے اتنا دباؤ ڈالا۔۔۔۔۔۔۔۔کہ مجھے سوچنے تک کی مہلت نہ دی۔

کیوں دیتا مہلت۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کچھ دن ٹھہر جاتے، ہم حالات معمول پر لے آتے۔

حالات کبھی معمول پر نہ آتے اور مجھے معلوم ہے تم نے کبھی فیصلہ نہ کر سکنا تھا۔لڑکیاں اس معاملے میں بزدل ہوتی ہیں۔شادی تو اس طرح زبردستی ہونا تھی۔میری جان! کہیں تم پچھتا تو نہیں رہیں۔۔۔۔۔۔۔

ڈیو نے اسے بانہوں میں لے کر گلے سے لگا لیا۔

ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔

تمہیں ایک ضروری بات بتانا تھی۔

اب کوئی خوفزدہ کرنے والی بات نہ بتانا۔۔۔۔۔۔۔

نہیں ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔۔پتہ ہے غزالی مجھے ملنے آئے تھے ہوسٹل۔۔۔۔۔۔۔۔

اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔انہیں کیسے پتہ چلا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ حیران ہوا۔

انہیں کچھ پتہ نہیں تھا، وہ تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پھر پاری نے ملاقات کی ساری تفصیل ڈیوڈ کو بتادی۔اور پرس میں سے انگوٹھی کی ڈبیا بھی نکال کر دکھادی۔

مگر روپے والی بات ڈیوڈ کو نہ بتائی۔اسے معلوم تھا ڈیوڈ برا مانے گا اور فوراً کہے گا۔میرے ہوتے ہوئے تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔میں تمہارے ہوسٹل کا خرچہ اٹھاؤں گا۔مگر وہ جانتی تھی کہ ساڑھے تین ہزار روپے تو اس کی تنخواہ ہے۔اور نوکری بھی پکی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔اب ہر ہفتے اسے ملتان بھی آنا ہوتا ہے۔وہ کس طرح اس کی تعلیم کا خرچہ اٹھا سکتا ہے۔

ڈیوڈ نے ڈبیہ کھول کے انگوٹھی کو خوب گھما پھرا کر دیکھا۔پھر قہقہہ لگا کر ہنسا۔۔۔۔۔۔۔

پاری اسے قسمت کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔انگوٹھی تو تم تک پہنچ گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر تم خریدنے والے کی نہ بن سکیں، چلو پہن لو۔۔۔۔۔۔۔۔

نہیں۔۔۔۔۔۔۔پاری نے کہا۔میں نے تو ویسے ہی ان کا دل رکھنے کے لیے رکھ لی تھی۔اب میں نے تمہاری انگوٹھی پہن لی ہے۔اب مجھے کسی انگوٹھی کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پہن لو یار۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے انگوٹھی نکال کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پہنانے لگا۔میرے ہاتھ سے، دوسرے ہاتھ میں پہن لو۔۔۔۔۔۔۔۔کم از کم دونوں ہاتھوں میں ایک ایک انگوٹھی تو رہے گی۔۔۔۔۔۔۔

نہیں ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔کل تمہیں ہی یہ انگوٹھی بری لگنے لگے گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ارے۔۔۔۔۔۔۔۔میری شوخ چنچل پاری اتنی جلدی عقل کی باتیں کرنے لگی۔نہ بھئی نہ۔۔۔۔۔۔۔۔سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔میں تم پر کبھی شک نہیں کر سکتا۔مجھے معلوم ہے تم نے غزالی کو شوہر کے طور پر کبھی قبول نہیں کیا تھا۔نہ وہ تمہارا آئیڈیل تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تمہارا آئیڈیل تو بس میں ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ کہہ کر ڈیوڈ نے اسے اپنی مستی بھری موٹی موٹی آنکھوں سے دیکھا، اس کا گہرا سانولا رنگ جذبات کی گرمی سے دمکنے لگا۔۔۔۔۔۔۔۔یہ لمحہ پاری کو کمزور کر دیتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس نے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو گھما کر دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔واقعی پہنی ہوئی بہت دلکش لگ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔

اس لیے بولی۔

ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے ایک اور کام بھی کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں نے غزالی سے کہہ دیا ہے کہ وہ امی ابو تک یہ خبر پہنچا دیں اور ان کا غصہ بھی ٹھنڈا کر دیں۔اسی لیے تو میں نے یہ انگوٹھی واپس نہ کی تھی۔

واہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔میری پاری کتنی ڈپلومیٹ ہو گئی۔

پھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔

انہوں نے وعدہ کیا تھا۔وہ یہ خبر ان تک پہنچا دیں گے۔

خبر پہنچانے کے لیے غزالی سب سے موزوں آدمی تھے۔تم نے بہت اچھا کیا پاری۔۔۔۔۔۔۔۔؟

وہ تمہاری ملازمت کا بھی پوچھ رہے تھے؟

یہ ملازمت تو مستقل نہیں۔مگر مجھے ملتان میں ایک جاب مل رہی ہے۔جو انشورنس کمپنی میں ہے۔میں سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔اب تم سے اتنی دور نہیں رہا جاتا۔

ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔میرے فائنل ہونے والے ہیں۔پلیز تب تک وہیں رہو۔

مجھے یکسوئی سے امتحان دینے دو۔اب امتحان پاس کرنا میرے لیے حیات وموت کا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔
میں جانتا ہوں۔کوئی بات نہیں ایک ہفتہ اور انتظار کرلوں گا۔
اور دیکھو ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔امتحان کے دوران بھی مت آنا۔۔۔۔۔۔۔تم راتوں کو جگاتے ہو۔اور صبح کو مجھ سے پڑھا نہیں جاتا۔میری ساری محنت اکارت جائے گی۔۔۔۔۔۔۔
ٹھیک ہے ملکہ عالیہ۔۔۔۔۔۔۔پھر آج کی رات کس حساب میں ضائع کی جارہی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔
دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔
جس وقت غزالی آنٹی کے گھر میں داخلہ ہوئے۔وہ ٹی۔وی لاؤنج میں دونوں ٹانگیں صوفے پر رکھے بیٹھی تھیں۔
جونہی غزالی نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔دوسری طرف سے اچانک ڈیوڈ نکل آیا۔دونوں نے ایک دوسرے کو چونک کر دیکھا ڈیوڈ نے نگاہ جھکالی۔غزالی نے بڑھ کر اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور بولے، کیسے ہو ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔؟
ٹھیک ہوں بھائی۔ڈیوڈ نے شرمندہ سی آواز میں کہا۔
آؤ بیٹھو۔۔۔۔۔۔۔غزالی نے خود کہا۔۔۔۔۔۔۔
ابھی آتا ہوں۔آپ بیٹھیں۔۔۔۔۔۔۔۔یہ کہہ کر ڈیوڈ دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔وہ جانتا تھا کہ غزالی اس گھر میں دھماکہ کرنے آئے ہیں۔اس لیے چاہتا تھا وہ دھماکا کرگزریں تو وہ ردعمل دیکھنے کے بعد اندر آئے۔یونہی سڑک پر نکل گیا۔
آپ کیسی ہیں آنٹی۔۔۔۔۔۔۔؟ وہ مینا کے قریب گئے۔
بیٹھو بیٹا۔۔۔۔۔۔۔آج تم کیسے بھول کے ادھر آگئے۔انہوں نے صوفی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
آج تو میں سوچ سمجھ کر آیا ہوں آنٹی۔۔۔۔۔۔۔پھر ان کے سوجھے ہوئے پاؤں دیکھ کر بولا۔۔۔۔۔۔۔
خیر ہے۔۔۔۔۔۔۔
بیٹا۔یہ آرتھرائٹس ہے،زندگی کے ساتھ رہتا ہے۔جب عاجز کردیتا ہے تو اپاہج بن کے بیٹھ جاتی ہوں۔ذرا سا آرام مل جائے تو چل پھر لیتی ہوں۔
علاج سے مطمئن تو ہیں۔
شہر کے بہترین ڈاکٹروں کا علاج ہورہا ہے۔اب وہ گھٹنے تبدیل کرنے کا آپریشن بتارہے ہیں۔میں وہ رسک نہیں لینا چاہتی۔کہتے ہیں پچاس فی صد ٹھیک ہونے کی امید ہوگی۔۔۔۔۔۔۔۔
ورنہ ہمیشہ کے لیے مفلوج ہوجاؤں گی۔اب کم از کم چل کر خود غسل خانے تک تو چلی جاتی ہوں۔ورنہ کون میری دیکھ بھال کرے گا۔پیٹر کی ملازمت کی مجبوریاں ہیں۔اور ڈیوڈ ازل کا بے پرواہ ہے۔۔۔۔۔کہاں گیا ہے ڈیوڈ آنٹی۔۔۔۔۔۔۔۔غزالی نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔۔۔۔۔۔۔۔میں کیا جانوں وہ کوئی بتا کر جاتا ہے۔پچھلے ایک ماہ سے عجیب پراسرار سرگرمیاں ہیں اس کی۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں کہاں جاتا ہے۔کہاں سے آتا ہے،نظر ملا کر بات نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔سب کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتا۔باپ کے سامنے نہیں جاتا۔پتہ نہیں کیوں چور سا بنا پھرتا ہے۔میں تو پوچھ پوچھ کر ہار گئی۔
بیٹا!تم ہی ذرا اس سے پوچھو آخر کیا بات ہے۔۔۔۔۔۔۔۔؟
غزالی تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھے رہے۔آنٹی نے خانساماں کو بلا کر چائے لانے کا کہہ دیا۔پھر اپنے ٹخنوں پر۔۔۔۔۔۔۔۔ایک ٹیوب کی دوا نکال کے ملنے لگیں۔۔۔۔۔۔۔
آنٹی غزالی نے سر اٹھایا۔
اور بجھی ہوئی آواز میں بولے۔۔۔۔۔۔۔۔یہی تو میں آپ کو بتانے آیا ہوں۔
کیا۔۔۔۔۔۔۔۔؟
کہ ڈیوڈ آج کل ایسا کیوں ہوگیا ہے۔۔۔۔۔۔۔
کیوں ہوگیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔آنٹی نے مالش والا ہاتھ روک لیا۔اور سر اٹھا کر پوچھا۔
تھوڑی دیر آنٹی اور غزالی ایک دوسرے کو سوالیہ انداز میں دیکھتے رہے۔۔۔۔۔۔۔۔پھر غزالی نے توقف کیے بغیر کہا۔۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ نے پاری نے شادی کرلی ہے۔سول میرج!
کیا۔۔۔۔۔۔۔کیا۔۔۔۔۔۔کہ۔۔۔۔۔۔۔کہ۔۔۔۔۔۔۔کہ۔۔۔۔۔۔۔آنٹی ہکلانے لگیں۔۔۔۔۔۔۔۔پھر کہو بیٹا!
آنٹی آپ حوصلہ کر کے سنیں۔۔۔۔۔۔۔۔میں پاری سے ملنے گیا تھا۔اس نے مجھے بتایا کہ ان دونوں نے شادی کرلی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

کب ۔۔۔۔۔۔۔کب ۔۔۔۔۔۔۔۔کب ۔۔۔۔۔۔۔۔آنٹی کا چہرہ خوفناک ہوگیا۔

ایک مہینہ ہوا۔۔۔۔۔۔۔پھر غزالی نے ساری تفصیل جو پاری سے سن کر آئے تھے۔آنٹی کو بتا دی۔اور کہا

۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ کو بلائیں میں یہ بات اس کے سامنے بتانا چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔۔

ہائے ۔۔۔۔۔۔۔آنٹی نے ایک چیخ ماری دوائی والی یوسب ان کے ہاتھ سے گر گئی۔۔۔۔۔انہوں نے سینے پر

دوہتڑ مارا۔۔۔۔۔۔۔

ہائے ڈیوڈ تو نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے وہ صوفے سے نیچے گر گئیں اور ہذیانی

انداز میں چیخنے لگیں۔ان کی آہ سن کر احسان نکل کر اپنے کمرے میں سے دوڑے آئے۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 30

کیا ہو انٹیا۔۔۔۔۔۔۔کیا ہوا۔۔۔۔۔۔۔

احسان اس لڑکے نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔۔۔۔۔۔۔۔۔مار ڈالا ہمیں برباد کر دیا۔ یہ کہتے ہیں وہ بے ہوش ہو گئیں۔۔۔۔۔۔۔

احسان صاحب نے انہیں بستر پر لٹایا۔ ہوش دلانے کی کوشش کی تھوڑی دیر بعد انہیں ہوش آ گیا۔

ہوش میں آتے ہی احسان صاحب نے کہا۔ چلو میں تمہیں ہسپتال لے چلوں۔۔۔۔۔۔۔

وہ بولیں۔ نہیں نہیں ہسپتال نہیں۔۔۔۔۔۔۔میں ہسپتال نہیں جاؤں گی۔۔۔۔۔۔۔

بلاؤ۔۔۔۔ڈیوڈ کو بلاؤ۔۔۔۔اس نالائق بدتمیز کو بلاؤ۔۔۔۔۔جس نے برسوں کی دوستی میں دراڑ ڈال دی۔۔۔

ہمارا سر جھکا دیا۔۔۔۔۔ہماری زندگی ختم کر دی۔ کیا ہوا ہے۔ بتاؤ تو سہی کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔؟

آنٹی نے غزالی کی طرف دیکھ کر کہا'۔۔۔۔۔۔

بیٹا ان کو بتاؤ۔۔۔۔۔۔۔اب تم ہی بتاؤ۔۔۔۔۔۔

غزالی نے دوبارہ بات دوہرا کر احسان صاحب کو بتا دی۔۔۔۔۔۔۔

احسان صاحب کا منہ غصہ سے لال ہو گیا۔ وہ کھڑے ہو گئے۔ مٹھیاں بھینچنے لگے۔ ہیجان میں ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔

بلاؤ اس ناخلف کو۔۔۔۔۔ نانہجار کو۔۔۔۔۔۔لاؤ میرے سامنے میں اس کو گولی مار دوں گا۔۔۔۔۔ گولی مار دوں گا۔۔۔۔۔۔گردن اتار دوں گا اس کی۔۔۔۔۔۔

مار دو۔۔۔۔۔۔گولی مار دو۔۔۔۔۔۔روتے ہوئے بیٹا آنٹی بولیں۔۔۔۔۔۔میری طرف سے اجازت ہے ۔ایسی نالائق اولاد کو جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

میں۔۔۔۔۔میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ احسان صاحب کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر اتنا بڑا اقدام اٹھا لیا۔۔۔۔۔۔ ہماری برسوں کی دوستی کو خاک میں ملا دیا۔۔۔۔۔۔۔ بیٹا میں تو تمہیں ہمیشہ کہتا تھا، تمہارا یہ بیٹا کوئی گل کھلائے گا۔۔۔۔۔۔ہمارا منہ کالا کرے گا۔۔۔۔۔ارے عرفان صاحب کی بیٹی کے ساتھ۔۔۔۔۔عرفان صاحب کی بیٹی کو ورغلا لیا۔۔۔۔۔ارے کوئی اور نہیں ملا اس کو۔۔۔۔۔ دیکھنا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔۔۔ڈیوڈ او ڈیوڈ۔۔۔۔۔انہوں نے باہر کی طرف منہ کر کے آواز دی۔۔۔۔۔جلدی ادھر آؤ۔

ڈیوڈ دروازے کے باہر کھڑا اس طوفان کے زیر و بم کو سن رہا تھا۔ اس کو معلوم تھا یہ زلزلہ آئے گا۔ وہ دروازے کے باہر سنتا رہا۔ اب بھاگ جانا فضول تھا۔ اب اس کا سامنا کرنے میں ہی عافیت تھی۔ وہ خود پچھلے ایک ماہ سے جس یقینی کیفیت میں تھا۔ اس سے نکلنا چاہتا تھا۔ اپنے آپ کو سزا دے کر بری ہونا چاہتا تھا۔۔۔۔۔

اس نے ذرا پردہ ہٹایا اور اندر قدم رکھا۔ احسان صاحب نے اسے دیکھا اور چیتے کی طرح جھپٹ کر آئے اور اس کا گریبان پکڑ لیا پھر اسے گھسیٹتے ہوئے اندر لے آئے۔ پتہ نہیں اتنی طاقت ان میں کہا سے آ گئی تھی۔۔۔۔۔۔ برا بھلا کہتے انہوں نے گھونسوں اور تھپڑوں سے ڈیوڈ کو مارنا شروع کر دیا۔ ڈیوڈ نے احتجاج نہیں کیا۔ نہ اپنے بچاؤ کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ وہ مارتے جاتے اور گالیاں دیتے جاتے بیٹا آنٹی بھی ان کی حوصلہ افزائی کرتی جاتیں۔۔۔۔

مارو احسان اسے خوب مارو۔۔۔۔۔۔اس کمینے نے ہمارا نام ڈبو دیا ہے۔ ہمارے ہمسائے۔۔۔۔۔ ہمارے دوست۔۔۔۔۔۔ ہمارے بھائی کی لڑکی کو ورغلایا۔۔۔۔۔ اغوا کیا۔۔۔۔۔ چوری چوری شادی کی۔۔۔۔۔ارے تیرے تو ماں باپ زندہ تھے آکے انہیں بتاتا تو سہی۔۔۔۔۔ ہر کام کرنے کے سو طریقے ہیں۔ یہ اکیسویں صدی کا عاشق بنا پھرتا ہے۔۔۔۔۔ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔۔۔۔۔

احسان صاحب نے واقعی اسے اتنا مارا کہ اس کے دانتوں میں سے خون نکلنے لگا۔ یہ دیکھ کر غزالی گھبرا گئے۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، ڈیوڈ کو احسان صاحب کے ہاتھوں سے چھڑانے لگے۔

یہ کیا کر رہے ہیں انکل بس چھوڑ دیں۔۔۔۔۔۔کیا اسے مار دینا چاہتے ہیں۔

ہاں ہاں میں آج اسے ختم کر دوں گا۔ وہ پھر مارنے لگے۔

نہیں انکل۔۔۔۔۔نہیں غزالی نے اسے زبردستی چھڑا لیا۔ سمجھانے اور سزا دینے کے اور بھی کئی طریقے ہیں۔۔۔۔۔بس اب اور نہ ماریں۔۔۔۔۔ چھوڑ دیں۔۔۔۔۔خود آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔

اصل میں احسان صاحب بھی تھک گئے تھے۔ جب غزالی نے بڑھ کر چھڑایا تو وہ پرے ہٹ گئے۔ اور لرزتے ہوئے بولے جسم کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے۔ شدت غضب سے ان کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔۔۔۔۔۔ آنٹی بیٹا ان کو دیکھ کر زار و قطار رو رہی تھیں۔۔۔۔۔۔

غزالی نے ٹشو پیپر سے ڈیوڈ کے منہ کا خون صاف کیا۔ ڈیوڈ کے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔ آج تک باپ نے اس پر

ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔۔۔۔۔اب اس نے ایسی تکلیف پہنچائی کہ انہوں نے زندگی بھر کی کسر نکال لی۔
غزالی دوڑ کر ڈائننگ روم میں گئے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال لائے۔ پہلے ایک گلاس بھر کے انکل احسان کو پلایا۔ انہوں نے پی لیا۔دوسرا گلاس بھر کے وہ ڈیوڈ کے پاس لے گئے۔ڈیوڈ نے گلاس پکڑ لیا۔گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔۔۔۔۔۔
آئی ایم سوری ڈیوڈ۔۔۔۔۔غزالی نے آہستہ سے کہا۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے آنکھوں سے ایسا اشارہ کیا جیسے کہہ رہا ہے۔۔۔۔۔۔کوئی بات نہیں یہ تو ہونا ہی تھا۔۔۔۔۔
آنٹی مینا مسلسل اونچی آواز سے روتی رہیں۔۔۔۔۔
انکل اب اپنا غصہ ٹھنڈا کریں۔جو ہونا تھا ہو گیا ہے۔اپنے گھریلو حالات ٹھیک کرنے کی کوئی سبیل کریں۔غصہ کرنے سے مسئلے کا حل نہیں نکل آئے گا۔۔۔۔۔سوچیں اب کیا کرنا ہے۔
کیا کرنا ہے۔آنٹی مینا زور سے بولیں۔۔۔۔۔
اس نالائق کو لے کر ہم ابھی عرفان بھائی اور ویدہ کے پاس چلتے ہیں،سزا دینے کا حق ان کو ہے۔۔۔۔۔وہ جو سزا چاہیں دیں۔۔۔۔۔بس مجھے تو اور کچھ نہیں سوجھ رہا۔۔۔۔۔
مینا!میں عرفان اور بھابھی ویدہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پا رہا۔۔۔۔۔
پلیز مجھے ابھی نہ لے جاؤ۔تم چلی جاؤ۔۔۔۔۔
ہاں میں جاؤں گی ابھی جاؤں گی۔۔۔۔۔مگر میں کیسے جاؤں گی۔میں تو چل نہیں سکتی۔۔۔۔۔
انہوں نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔۔۔۔۔پھر بولیں۔
غزالی بیٹے اس واقعے کا ویدہ اور عرفان بھائی کو علم ہے؟
نہیں۔۔۔۔۔غزالی نے نفی میں سر ہلایا۔مجھے پاری نے کہا تھا میں ان کو بتا دوں۔مگر میں مشورہ لینے پہلے آپ کے پاس چلا آیا۔۔۔۔۔
اوہو۔۔۔۔۔اوہو۔۔۔۔۔یہ نا خوشگوار کام بھی ہمیں ہی کرنا پڑے گا۔پھر روتے ہوئے بولیں۔ڈیوڈ اوہو میری وہیل چیئر لاؤ۔۔۔۔۔اٹھو میری وہیل چیئر لاؤ۔۔۔۔۔
ڈیوڈ کا منہ سوج گیا تھا۔چہرے پر جا بجا نیل کے نشان بن گئے تھے وہ کافی رو چکا تھا۔مگر اٹھ کر وہیل چیئر لے آیا۔۔۔۔۔اپنی ماں کو اس پر بٹھایا۔۔۔۔۔انہوں نے کہا اندر والے راستہ سے مجھے ویدہ کے گھر لے چلو۔
آؤ غزالی تم بھی ہمارے ساتھ آؤ۔ہمیں اس وقت مورل سپورٹ کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔
آگے آگے غزالی۔۔۔۔۔پیچھے پیچھے وہیل چیئر پر مینا آنٹی اور ان کے پیچھے کرسی دھکیلتا ہوا ڈیوڈ۔۔۔۔۔
جب ویدہ آنٹی کے گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے تینوں کے چہرے باری باری دیکھے۔۔۔۔۔ڈیوڈ کا سوجھا ہوا زخمی منہ۔۔۔۔۔مینا کی روئی آنکھیں غزالی کا بجھا ہوا چہرہ۔۔۔۔۔وہ تو دھک سے رہ گئیں۔ابھی کچھ پوچھنا چاہتی تھیں کہ مینا نے ڈیوڈ کا بازو پکڑ کے اسے ویدہ کے قدموں میں پھینکا اور بولی۔۔۔۔۔
آنٹی کے قدموں پر سر رکھ دو۔۔۔۔۔بس۔۔۔۔۔
اور خود دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔
یہ کیا کر رہی ہو،مینا۔۔۔۔۔کیوں رو رہی ہو۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے واقعی سر ان کے قدموں میں رکھ دیا۔۔۔۔
یہ کیوں کر رہے ہو ڈیوڈ۔۔۔۔۔اٹھو اٹھو۔۔۔۔۔سر اٹھاؤ۔۔۔۔۔پلیز اوپر بیٹھو اور مجھے سکون سے بتاؤ کیا ہو رہا ہے۔مجھے اختلاج ہو رہا ہے۔۔۔۔۔
ویدہ میر جان!یہ میرا ڈیوڈ تیرا مجرم ہے۔میں نے اسے تیرے قدموں پر لا گرایا ہے۔چاہے تو اس کا سر قلم کر دے۔میں کچھ نہیں کہوں گی۔۔۔۔۔مجھ سے قسم لے لے۔۔۔۔۔مگر دیکھو میری نیت پر شک نہ کرنا۔
پر ہوا کیا ہے۔وحیدہ عرفان اور بھی ہراساں ہوئیں۔خدا کے واسطے کچھ تو بتاؤ۔۔۔۔۔کچھ تو بتاؤ۔۔۔۔۔
مجھے تو اس بد بخت نے بولنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ویدہ اس نے زندگی بھر کے لیے میری گردن جھکا دی ہے۔۔۔۔۔تو بس اس کی گردن اتار دے۔۔۔۔۔میں خود اسے تیرے پاس لائی ہوں۔
یا اللہ۔۔۔۔۔مجھے کچھ تو بتاؤ۔۔۔۔۔غزالی بیٹے تم بتاؤ۔یہ کیا ماجرا ہے۔
ممانی جان آپ ذرا حوصلہ کریں تو میں آپ کو بتاؤں۔۔۔۔۔
حوصلہ کیا کروں،اس صورت حال میں تو میرا حوصلہ چھوٹا جاتا ہے۔بتاؤ کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔
ممانی جان!ڈیوڈ اور پاری نے شادی کر لی ہے۔۔۔۔۔
شادی۔۔۔۔۔ہیں۔۔۔۔۔!انہوں نے سینے پر ہاتھ رکھا اور سکتے میں آ گئیں۔۔۔۔۔
غزالی نے آگے بڑھ کے ان کو ہلایا جلایا۔۔۔۔۔انہوں نے حرکت کی تو غزالی نے کہا۔

ممانی جان! آپ نے سنا ہے۔۔۔۔۔پاری نے ڈیوڈ کے ساتھ کورٹ میرج کر لی ہے۔۔۔۔۔۔
ہائے میں مرگئی۔۔۔۔۔۔ہائے میں مرگئی۔۔۔۔۔۔
وحیدہ آنٹی دوہتھڑ ،مار کر زور زور سے رونے لگیں۔۔۔۔۔
کیا کہہ رہے ہو تم لوگ۔۔۔۔۔کیا میری پاری مرگئی ہے۔۔۔۔۔۔۔مر ہی جاتی تو اچھا تھا۔
غزالی نے پھر نئے سرے سارا قصہ سنا دیا۔۔۔۔۔۔
مینا بولی۔۔۔۔۔قسم لے لو وحیدہ مجھے اس کا سان گمان بھی نہیں تھا۔ مجھے بھی آج ابھی غزالی نے آ کر بتایا ہے۔میں اسی وقت اسے پکڑ کر تمہارے پاس لے آئی ہوں۔ان بچوں نے ہمیں خبر تک نہیں ہونے دی۔۔۔۔۔اس قدر خود سر اور خدغرض ہو گئے ہیں۔
مجھے یقین نہیں آتا۔۔۔۔۔ مجھے یقین نہیں آتا۔۔۔۔۔۔عرفان کو بلاؤ۔غزالی اٹھنے لگے تو انہوں نے دیکھا عرفان انکل دروازے میں کب سے کھڑے تھے۔شاید شور شرابا سن کے آ گئے تھے۔۔۔عرفان۔۔۔عرفان۔۔۔
وحیدہ اٹھ کر ان کے پاس دوڑی گئی۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ اسی طرح سر جھکائے فرش پر بیٹھا رہا۔۔۔۔۔۔
عرفان یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ہماری پاری ایسی نہیں ہو سکتی۔
مینا آنٹی نے عرفان صاحب کو دیکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔اور بولی۔
بھائی صاحب! یہ سب میرے بیٹے کا قصور ہے۔پاری ایسی نہیں ہو سکتی۔اسی نے اسے ورغلایا ہو گا۔ بھائی صاحب، مجھے ذرا بھی شک ہوتا میں اسے دنیا سے دور لے جاتی۔اس کمبخت نے ہمیں بھی نہیں بتایا۔۔۔۔۔۔
بھائی صاحب! میں بہت شرمندہ ہوں۔احسان تو آپ کو منہ نہیں دکھا سکتے۔۔۔۔۔بھائی صاحب! ہم شرمسار ہیں۔۔۔۔۔۔بہت شرمندہ ہیں۔اب جو آپ کہیں گے وہی کریں گے۔۔۔۔
اس کو جیل میں بھیجنا ہو، بے شک بھیج دیں۔۔۔۔۔۔اس کو سزا دلوانا چاہیں۔سزا دلوا دیں۔۔۔۔۔۔علیحدگی کروانا چاہیں ہم ہر بات کے لیے تیار ہیں۔۔۔۔۔۔مگر بھائی صاحب ہماری نیت پر شک نہ کریں۔۔۔۔۔۔۔ہم بالکل بے خبر تھے۔۔۔۔۔۔۔ہم بالکل انجان تھے۔۔۔۔۔۔۔ایک مہینے سے ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔۔۔۔۔۔
آج غزالی نے ہمیں آ کر بتایا۔۔۔۔۔۔
غزالی نے پھر نئے سرے سے پاری کے ساتھ اپنی ملاقات کی کہانی ان کے روبرو بیان کی۔۔۔۔۔۔
کچھ دیر پہلے جو حالت آنٹی مینا کی ہوئی تھی، اب وہی حالت آنٹی وحیدہ کی ہو رہی تھی۔وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی، مگر عرفان صاحب ضبط کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔
آنٹی مینا بار بار ہاتھ جوڑ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔
بھائی صاحب۔۔۔۔۔۔بھائی صاحب۔۔۔۔۔۔میری بات کا یقین کریں۔۔۔۔۔۔
مینا بھابھی! بالآخر عرفان صاحب نے اپنے اوپر جبر کر کے کہنا شروع کیا۔۔۔۔۔دونوں خاندانوں کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ ہے۔مگر شور نہ مچایئے۔چپ ہو جایئے۔دونوں اولادوں نے ہماری عزت کا جنازہ نکال دیا یہ۔شور چانے سے تعفن اٹھے گا۔بو باہر نکلے گی۔۔۔۔۔۔بدنامی ہو گی۔جگ ہنسائی ہو گی۔کوئی یقین نہ کرے گا کہ یہ سب حادثاتی طور پر ہوا ہے۔۔۔۔۔۔گھر کے نوکروں کو بھی اس بات کا پتہ نہیں لگنا چاہیے۔۔۔۔۔۔
آپ ڈیوڈ کو گھر لے جائیں۔۔۔اور ہمیں سوچنے کا موقع دیں۔۔۔اس صدمے سے گزرنے کا موقع دیں۔۔
ہم سوچ کر ہی اگلا قدم اٹھائیں گے۔۔۔۔۔۔۔آپ بھی بیمار ہیں۔۔۔۔۔۔۔اس وقت کچھ نہ کہیے۔۔۔۔۔۔
اچھا بھائی صاحب۔۔۔۔۔۔جیسا آپ کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔اٹھ ڈیوڈ مجھے گھر لے چل ڈیوڈ کھڑا ہو گیا۔سر جھکائے جھکائے اس نے وہیل چیئر کو موڑا اور باہر کی طرف چلا۔۔۔۔۔۔۔آنٹی مینا نے ابھی تک ہاتھ جوڑے ہوئے تھے۔۔۔۔۔۔۔اور روتے ہوئے کہتی جاتی تھیں۔۔۔۔۔۔۔
بھائی صاحب مجھے معاف کر دینا۔۔۔۔۔۔۔
بھائی صاحب مجھے معاف کر دینا۔۔۔۔۔۔۔
ان کے جاتے ہی وحیدہ عران واویلہ کرنے لگیں۔۔۔۔۔۔۔
پاری تو پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔۔۔۔۔۔پاری تو پیدا نہ ہوتی۔۔۔۔۔۔۔تجھے سانپ ڈس لیتا۔۔۔۔۔۔۔
پاری تجھے میں نے کیوں جنم دیا۔۔۔۔۔۔
پاری تو مر جائے اللہ کرے۔۔۔۔۔۔
پاری تو پیدا نہ ہوتی۔۔۔۔۔۔مجھ بدنصیب کے گھر تو پیدا نہ ہوتی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 31

تین دن دونوں گھروں میں سناٹا چھایا رہا۔۔۔۔۔۔

بیٹا احسان کے جانے کے بعد عرفان نے غزالی سے کہا تھا۔

بیٹا! تم دو تین دن کی چھٹی لے کر آجاؤ۔ اور آ کر اپنی ممانی کو سنبھالو۔ اس وقت انہیں سہارے کی ضرورت ہے۔

جی اچھا ماموں! صبح ہی چھٹی لے کر آجاؤں گا۔

اور میری نیک کو بلوا دو۔۔۔۔۔۔ وحیدہ عمران نے تڑپتے ہوئے کہا۔

کوئی ضرورت نہیں ہے اسے بلانے کی۔۔۔۔۔۔ غزالی بیٹا یہ غلطی نہ کرنا۔ تین مہینے پورے یہاں رہ کر گئی ہے۔ ان کو اس بات کی خبر نہ ہو۔ اس بات کی خبر کسی عزیز رشتہ دار کو نہ ہو۔ وحیدہ عرفان اپنے آپ کو سنبھالو۔۔۔۔۔۔ ورنہ تم دنیا کا سامنا نہ کر سکو گی۔

وحیدہ عرفان پھر رونے لگیں۔۔۔۔۔۔ پاری تو پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔۔۔۔۔۔

رات کو غزالی نے زبردستی ان دونوں کو کچھ کھلایا۔۔۔۔۔۔ اور ان کو ان کے کمرے میں بھیج کر سارے گھر کی بتیاں بند کیں۔ نوکروں کو صورت حال کا علم نہیں ہونے دیا صبح غزالی فیصل آباد گئے۔ تین دن کی چھٹی لے کر شام کو واپس آ گئے۔۔۔۔۔۔ کوئی کسی کو کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ قصور انہیں اپنی بیٹی کا ہی لگ رہا تھا۔ اگر ایسی کوئی بات تھی تو وہ انہیں اعتماد میں لے کر بتا سکتی تھی۔ وہ بیٹا اور اس کے میاں کو قصوروار بالکل نہ سمجھ رہے تھے۔۔۔۔۔۔

بیٹا آنٹی نے تو اس قدر غم کیا تھا کہ ان کا پورا جسم لوتھ ہو گیا۔ احسان صاحب نے فوراً سی ایم ایچ میں داخل کروا دیا۔ ڈیوڈ دن رات ان کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ اس ویک اینڈ پر ڈیوڈ ملتان نہیں گیا تھا۔ کیونکہ پاری کے فائنل شروع ہو گئے تھے۔ اور اس نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ یہ سب پاری کو بتانا کس قدر تکلیف دہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے پاری کو زبردستی آمادہ کر کے ڈرامائی انداز میں شادی کر لی تھی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا یہ گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکلے گا۔ مگر دونوں گھر کے بزرگوں کو اس قدر صدمہ پہنچے گا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

وہ خود بھی ہراساں ہو گیا تھا۔

وحیدہ عرفان کا بی پی بہت ہائی ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا۔۔۔۔۔۔ عرفان صاحب گم سم ہو گئے سارا دن کمرے میں بیٹھے کاغذوں میں کچھ لکھا کرتے۔۔۔۔۔۔

تین دن کسی نے کسی سے بات نہ کی۔۔۔۔۔۔ ہر ایک کے دکھ کا لاوا اس کے اندر پکتا رہا۔۔۔۔۔۔ نوکر چاکر بھی حیران رہے۔۔۔۔۔۔

دونوں گھر گویا کسی آسیب کی زد میں آ گئے تھے۔

چوتھے دن عرفان صاحب کاغذوں کا ایک پلندہ لے کر گھر میں داخل ہوئے، غزالی کو پاس بٹھا کر بولے ۔۔۔۔۔۔

بیٹا غزالی میں اپنے وکیل سے مل کر آ رہا ہوں۔ پچھلے تین دنوں میں، میں نے اپنی وصیت نئے سرے سے تیار کر لی ہے۔ اب میں یہ تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔

ماموں اپنے پاس رکھیں نا؟

میں نے اس کی ایک نقل اپنے پاس بھی رکھی ہے۔۔۔۔۔۔ بس تم میری بات چپ چاپ سن لو۔

جی ماموں۔۔۔۔۔۔

بیٹا! میں نے پارسا کو اپنی ساری جائیداد سے عاق کر دیا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ کیا کیا ہے آپ نے ماموں۔۔۔۔۔۔ چپ کر کے سنو مشورہ نہ دو۔ عرفان صاحب نے اسے ڈانٹا، وہ چپ ہو گیا۔ سامنے لیٹی ہوئی وحیدہ عرفان کے آنسو بہنے لگے۔

غزالی! میری وصیت کو غور سے سنو! اب میں نے اپنی ساری جائیداد نیک اور اس کے بچوں کے نام لگا دی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ میں نے بڑی سختی سے وصیت کر دی ہے کہ اب پارسا کبھی اس گھر میں قدم نہ رکھے گی۔ نہ میں اس سے کوئی واسطہ یا رشتہ رکھوں گا۔ اسے اس گھر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ میری بیوی وحیدہ اور میری بیٹی نیک بھی اس کے ساتھ واسطہ یا رابطہ نہیں رکھیں گی۔ میری وصیت کے خلاف ان دونوں نے اسے معافی دی یا اس گھر میں آنے دیا۔ تو یہ دونوں جائیداد سے محروم ہو جائیں گی۔۔۔۔۔۔ اور تو اور۔۔۔۔۔۔ اگر میں مر جاؤں تو پارسا کو میری صورت دیکھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اب وہ ہماری کچھ نہیں لگتی ہم نے اس دنیا میں ہی اس سے ہر قسم کا ناطہ توڑ لیا ہے۔۔۔۔۔۔ وصیت کو سنتے ہی وحیدہ عرفان اونچی اونچی آواز میں رونے لگی۔۔۔۔۔۔ ہائے میری پاری یہ تو نے کیا کیا۔۔۔۔۔۔

ہائے میری بچی۔۔۔۔۔۔

UrduPoint.com

ہائے عرفان میں اپنا کلیجہ کیسے کاٹ دوں۔۔۔۔۔۔

ہائے اللہ میری مدد کر۔۔۔۔۔۔

غزالی کی آنکھوں میں آنسو آ رہے تھے۔۔۔۔۔۔وہ بھی بہت اداس اور پریشان لگ رہے تھے۔پاری نے تو انہیں امی ابو کا دل صاف کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔مگر یہاں تو اس کے لیے سارے دروازے ہی بند ہو گئے تھے۔۔۔۔۔۔عرفان صاحب اٹھ کے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ان کے چہرے پر نہ جانے کیا تھا،غزالی ایک لفظ نہ بولے۔۔۔۔۔۔ان کے جاتے ہی وحیدہ عرفان غزالی کا ہاتھ پکڑ کر رونے لگیں۔۔۔۔۔۔رُل جائے گی میری بچی۔۔۔۔۔۔برباد ہو جائے گی۔۔۔۔۔۔کیا کرے گی۔۔۔۔۔۔

ہائے میری بہن صفیہ۔۔۔۔۔۔تو بھی نہیں ہے،تو میرا دکھ سمجھتی تھی۔آج تو زندہ ہوتی تو تیرے گلے لگ کے رو لیتی۔۔۔۔۔۔دیکھ صفیہ کیا ہو گیا۔۔۔۔۔۔تیرے جاتے ہی کیا ہو گیا۔

وحیدہ عرفان ہذیانی میں بولتی جاتیں،اور روتی جاتیں۔۔۔۔۔۔اپنی ماں کا نام سن کر غزالی بھی آبدیدہ ہو گئے۔وہ جانتے تھے کہ ان کی امی اور ممانی میں سگی بہنوں جیسا پیار تھا۔ممانی تو اپنا ہر دکھ ان کی امی کو بتا کر سکون محسوس کرتی تھیں اور آج کوئی انہیں تسلی دینے والا بھی نہیں تھا۔۔۔۔۔۔

عرفان صاحب دروازے میں نمودار ہوئے،اور بولے۔۔۔۔۔۔۔۔

میں ذرا ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔پندرہ بیس منٹ تک آ جاؤں گا۔

اپنی ممانی کو تسلی دو۔اور انہیں کچھ کھلا کے بلڈ پریشر کی دوا دے دو۔۔۔۔۔۔۔۔

رو رو کے ہلکان نہ ہوں۔ابھی رونے کے اور موقعے آئیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔؟

غزالی نے نظر اٹھا کر ماموں کے چہرے کو غور سے دیکھا۔کتنا عجیب ہو رہا تھا ان کا چہرہ۔۔۔۔۔۔جیسے رگیں رسیاں بن گئی ہوں اور زردیوں نے خیمے گاڑ دیئے ہوں۔آنکھیں کتنی ویران لگ رہی تھیں۔جیسے صدیوں سے نہ سوئے ہوں۔۔۔۔۔

جی اچھا ماموں۔۔۔۔۔۔کہہ کہ غزالی نے سوچا۔ماموں بڑے گہرے اور سنگین صدمے سے گزر رہے ہیں۔انہیں ماموں پر بڑا ترس آیا۔۔۔۔۔۔ان کا دل چاہا دوڑ کر ماموں کے پیچھے جائیں اور انہیں بے اختیار اپنے گلے سے لگا لیں۔۔۔۔۔۔اور کہیں ماموں جانی! اولاد تو کبھی ماں باپ کا دکھ نہیں جان سکتی۔۔۔۔۔۔کیوں سلگ رہے ہیں،آپ۔۔۔۔۔۔میں جو ہوں۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔میں اگر آپ کا داماد نہیں بن سکا تو کیا ہوا، آپ کا بیٹا بن کے دکھاؤں گا پارسا کی کمی پوری کر دوں گا آپ کے قدموں میں رہوں گا اپنی ذات کو اس طرح نہ توڑیئے پھوڑیئے۔۔۔۔۔۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ باہر موٹر اسٹارٹ کرنے کی آواز آئی۔ماموں باہر نکل گئے تھے۔۔۔۔۔

تمہارے ماموں کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے بیٹا!

جی ممانی۔۔۔۔۔۔غزالی بولے۔ان کے چہرے سے صاف لگ رہا ہے۔

انہوں نے یہ فیصلہ خوشی سے نہیں کیا۔۔۔۔۔۔

ممانی جی۔۔۔۔۔۔ایسے فیصلے کبھی ارادتاً یا خوشی سے کیے جاتے ہیں۔اپنے فیصلے کا ان کے چہرے پر ردعمل ہے۔ پاری کو بیٹا بنا کے پالا انہوں نے افسوس۔۔۔۔۔۔افسوس۔۔۔۔۔۔

ممانی جی!اب آپ حوصلہ کریں چھوڑ دیں رونا دھونا۔۔۔۔۔۔تھوڑا سا کھانا کھا کر دوائی کھا لیں،اور ماموں جان کے آنے سے پہلے اپنے آپ کو نارمل کر لیں۔جیسے کوئی عجیب بات نہیں ہوئی۔آپ ہی اس وقت انہیں سہارا دے سکتی ہیں اور پھر وقت بڑے بڑے گھاؤ بھر دیتا ہے اور اٹل فیصلہ بدل دیتا ہے۔

غزالی نے ان کے آگے کھانا لگوا دیا۔دونوں نے تھوڑا تھوڑا کھا لیا۔پھر غزالی نے انہیں دوائی کھلائی۔۔۔۔۔۔

ابھی دوا کی شیشی اس کے ہاتھ میں تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔اس نے لپک کر فون اٹھا لیا۔۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔جی جی۔۔۔۔۔۔جی اچھا۔۔۔۔۔۔میں آ رہا ہوں۔جی میں آ رہا ہوں اس نے ریسیور رکھ دیا۔

کیا بات ہے غزالی۔۔۔۔۔۔

کچھ نہیں ممانی۔۔۔۔۔۔میں ابھی آ کے بتاتا ہوں۔

بیٹا۔۔۔۔۔۔بیٹا۔۔۔۔۔۔اب کیا ہوا ہے،یا اللہ رحم۔۔۔۔۔۔رحم۔۔۔۔۔۔

مگر غزالی تیزی سے باہر نکل گئے۔۔۔۔۔۔کار نکالی اور سڑک پر دوڑنے لگے،ٹریفک پولیس کے افسر کا فون تھا۔وہ بتا رہا تھا ایک صاحب ٹریفک کی بتی کے آگے رکے تھے،پھر انہوں نے سر اسٹیرنگ پر رکھ دیا۔۔۔۔۔۔ٹریفک کھل گیا جب انہوں نے سر نہ اٹھایا تو انہیں ہلا جلا کر دیکھا غالباً ان کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔ٹریفک والوں نے

ان کی جیب سے کارڈ نکالا اور گھر فون کر دیا۔
غزالی کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ رہا تھا۔ اس سے کار چلائی نہیں جا رہی تھی دل میں یہی دعا کرتے جا رہے تھے خدا کرے وہ کوئی اور ہو، ماموں نہ ہوں۔۔۔۔۔۔۔
مگر جب چوراہے پر پہنچے اور دور سے ماموں کی کار پہچانی تو ان کی چیخ نکل گئی دوڑ کر آگے گئے۔۔۔۔۔ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا ماموں اسی طرح سٹیرنگ پر سر رکھے بیٹھے تھے۔۔۔۔۔۔۔
جیسے کہہ رہے ہوں یار! میں اتنا بہادر نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔۔ پوز کر رہا تھا، تھک گیا ہوں ٹوٹ گیا ہوں۔۔۔۔۔۔۔آرام کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔سٹیرنگ پر سونے دو مجھے۔۔۔۔۔۔۔!اب نہ کوئی دکھ کی خبر سنانا مجھے۔
پاری جب پیپر دے کر باہر نکلی تو اس کا دل بہت بوجھل تھا یہ نہیں کہ پیپر اچھا نہیں ہوا تھا، آج کا پیپر تو سب پرچوں سے بہتر ہو گیا تھا مگر صبح سے اس کی طبیعت کسلمند تھی۔ اداس تھی اور مایوس تھی۔ پچھلے چار ہفتوں سے ڈیوڈ نہیں آیا تھا۔ اس نے خود ہی اسے منع کر دیا تھا۔ کہ دوران امتحان نہ آئے۔۔۔۔۔۔مگر وہ ہر پیپر کے بعد رات کو اسے فون کر کے حالات دریافت کر لیتا تھا۔۔۔۔۔۔وہ بھی اس سے لاہور کی ساری خبریں پوچھ لیتی تھی۔۔۔۔۔۔
پھر بھی وہ عجیب کشمکش سے گزر رہی تھی۔ رات کو سکون کے ساتھ سو جاتی۔ مگر صبح اٹھتے ہی ایک پچھتاوا اس کے ساتھ بیدار ہو جاتا۔ پچھتاوا کیا تھا، اس کی سمجھ میں بالکل نہ آتا۔ کوئی شے اس کے دل کو مسلنے لگتی۔۔۔کوئی ملال سا پہلو میں جاگتا۔ وہ بہت حیران ہوتی۔ اپنے آپ سے پوچھتی، ٹھیک ہے اس نے ماں باپ کی مرضی کے بغیر شادی کر لی تھی وہ ایک الگ مسئلہ تھا مگر یہ دھیمی دھیمی آنچ کیا ہے جو دل کے ساتھ لگی ہے۔ یہ ہلکا دھواں کس چیز کا تھا کہ نیند سے بیدار ہوتے ہی اس کے خیالات پر چھا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔یہ تو روز کا معمول تھا۔۔۔۔۔۔کبھی وہ سوچتی امتحان کا فکر ہے۔۔۔۔۔کبھی کہتی تنہا ہو جانے کا خوف ہے۔ کبھی گمان کرتی کہ وہ اس قسم کی زندگی کی عادی نہ تھی رفتہ رفتہ عادی ہو جائے گی۔۔۔۔۔۔
مگر اس روز کچھ اس سے سوا تھا، وہ ناشتہ کیے بغیر پیپر دینے آ گئی تھی۔ پرچہ اس کی مرضی کے مطابق تھا بڑی محویت سے تین گھنٹے لکھتی رہی ادھر ادھر کا ہوش ہی نہ رہا۔۔۔۔۔۔
مگر باہر نکلی تو جیسے ہوا میں عجیب اداسی کی باس رچی تھی وہ ہوسٹل پہنچی اور اپنے کمرے میں جا کر دھواں دھار رونے لگی۔
ماریہ آ گئی۔۔۔۔۔اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔۔۔۔۔۔۔
ارے۔۔۔۔۔۔پاری کیا ہوا۔۔۔۔۔۔کیا پیپر اچھا نہیں ہوا۔۔۔۔۔۔
نہیں۔۔۔۔۔۔وہ روتے ہوئے بولی، پیپر تو بہتر ہو گیا ہے پھر کیوں رو رہی ہے۔
پتہ نہیں۔۔۔۔۔
پاری۔۔۔۔۔ماریہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔ پچھلے ایک مہینے سے تو کچھ عجیب سی نہیں ہو گئی۔۔۔۔۔
پاری چپ رہی۔۔۔۔۔۔۔
نہ تمہاری طبیعت کی شوخی۔۔۔۔۔نہ تمہاری حاضر دماغی۔۔۔۔۔۔نہ بات بات میں لپکنا۔۔۔۔۔۔نہ آتے جاتے لوگوں کو کچوکے لگانا۔۔۔۔۔۔
بتا۔۔۔۔۔۔ماریہ نے اسے گدگدی کی۔۔۔۔۔۔
اس کا ہاتھ روک کے پاری مسکرائی۔ آنسوؤں میں بھیگی مسکراہٹ
بتا کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔تجھے عشق ہو گیا ہے۔۔۔۔۔
پاری اسے کیا بتاتی کہ وہ تو ایک ہی جست میں عشق کی ندی پار کر آئی ہے۔۔۔۔۔اب تو کنارے لگنے کا فکر ہے۔
نہیں ماریہ۔۔۔۔۔مجھے ڈیپریشن ہو گیا ہے۔
کس بات کا۔۔۔۔۔؟
یہی بات سمجھ میں نہیں آ رہی، وہ بولی۔
یار! کئی لوگوں کو امتحان میں ڈیپریشن ہو جاتا ہے۔ امتحان بھی تو بھوت ہوتے ہیں۔ ڈراتے رہتے ہیں تو فکر نہ کر۔۔۔۔۔۔تو فیل تو ہرگز نہیں ہو سکتی، تجھے پوزیشن کا فکر پڑا ہو گا۔
نہیں۔۔۔۔۔پاری بولی۔۔۔۔۔۔بس ہر وقت رونے کو دل چاہتا ہے۔
یہ ری ایکشن ہے۔ تو ہر وقت منہ پھاڑے ہنستی رہتی تھی نا؟ اس کا ردعمل ہے کوئی بات نہیں باتھ روم میں بیٹھ کر رو لیا کر۔۔۔۔۔۔مگر میرے سامنے نہیں۔
پاری ہنسنے لگی۔

یار تو ساری دنیا کو سمجھاتی تھی اب تجھے کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔؟

ماری! تو تو جانتی ہے۔ساری دنیا کو سمجھانے والے ہی منہ کے بل گرتے ہیں۔۔۔۔۔؟ماریہ نے گھورا۔

میرا مطلب ہے وہ خود سب سے بڑے احمق ثابت ہوتے ہیں۔

اچھا اٹھ۔۔۔۔۔۔کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔آج میرا پیپر بھی بہت اچھا ہوگیا ہے۔اب صرف ایک پرچہ رہ گیا ہے کل چھٹی بھی ہے آؤ کچھ کھا کے غم غلط کرتے ہیں۔

ارے میں نے تو صبح سے ناشتہ بھی نہیں کیا، پاری بولی۔

اور میں نے کونسا کیا تھا،صرف ایک پیالی چائے کی پی کر چلی گئی تھی۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 32

پاری نے اٹھ کر منہ دھویا، اور دونوں کیفے ٹیریا کی طرف چل پڑیں مگر پتہ نہیں کیا بات ہے پاری نے دل میں سوچا ۔۔۔۔۔۔ساری فضا اداس اداس ہے ۔اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور چاروں طرف دیکھا۔۔۔۔۔۔یکا یک اسے اپنے ابو کا خیال آیا۔۔۔۔۔امی کا خیال آیا۔۔۔۔۔ پتہ نہیں ابو اس وقت کیا کر رہے ہوں گے۔پچھلی مرتبہ ڈیوڈ نے بتایا تھا کہ غزالی نے خبر سنا کر دھماکہ کر دیا ہے،مگر اس نے تفصیل نہیں بتائی کہہ رہا تھا جب آؤں گا بتاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔

ابو کو کتنا برا لگا ہو گا۔۔۔۔۔۔صدمہ بھی پہنچا ہو گا۔۔۔۔۔۔اللہ کرے وہ مجھے معاف کر دیں ۔امی کا کچھ نہیں میں انہیں منا لوں گی ۔مگر ابو کو منانا تو بہت ہی مشکل ہے کام ہوتا ہے ۔نیک سے کہوں گی ،ابو اس کی بہت مانتے ہیں پتہ نہیں ابو کب تک ناراض رہیں گے۔۔۔۔۔۔

پتہ نہیں میں کب گھر جا سکوں گی۔۔۔۔۔۔ پتہ نہیں ان کو کب دیکھ سکوں گی ۔ پتہ نہیں اب میرا کیا ہو گا،سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے ۔

کمال ہے وہ اپنی شادی کے صرف دو مہینے بعد ہی ایسی باتیں سوچنے لگی تھی ۔ڈیوڈ اسی طرح اس کے ساتھ والہانہ محبت کرتا تھا اس کے جنون میں کوئی کمی نہیں آئی تھی ۔

جب سے امتحانات شروع ہوئے تھے وہ مسلسل سوچتی تھی ۔اب میں کہاں جاؤں گی ۔اب میں کہاں سے زندگی شروع کروں گی ۔

کیفے ٹیریا کی میز پر بیٹھتے ہی ماریہ نے کہا۔۔۔۔۔۔اب پھر سوچنے لگی ، میں تجھے یہاں سوچنے کے لیے نہیں لائی۔۔۔۔۔۔

نہیں نہیں۔۔۔۔۔پاری نے چہرہ شگفتہ کرنے کی کوشش کی ۔۔۔۔۔تو آرڈر دے ماریہ۔۔۔۔۔۔مجھے کچھ معلوم نہیں۔۔۔۔۔۔

اچھا میں ذرا جائزہ لے آؤں۔۔۔۔۔۔

ماریہ اٹھ کے کیفے ٹیریا کے اندر چلی گئی۔۔۔۔۔۔

آج پتہ نہیں اس کے ابو کیوں اتنے یاد آ رہے تھے ۔بار بار یوں احساس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے دیکھ رہے ہیں ۔پتہ نہیں کہاں سے دیکھ رہے تھے۔۔۔۔۔۔اسے یوں لگتا جیسے ابو اس کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے ۔اور کہیں گے پاری یہ تم نے کیا کیا۔

مجھ سے پوچھا تک نہیں۔۔۔۔۔۔

اس کا دل چاہتا تھا وہ چیخے۔۔۔۔۔۔ابو ابو کر کے چیخے اور ان کے گلے سے لگ جائے۔۔۔۔۔۔

یہ وہی وقت تھا، جب عرفان صاحب کا جنازہ گھر کے صحن میں رکھا تھا بیگم وحیدہ عرفان بے ہوش پڑی تھیں اور سب لوگ نیک کا انتظار کر رہے تھے،گاڑی اسے ائیر پورٹ لینے گئی ہوئی تھی ۔

ڈیوڈ اپنی ماما کو ہاتھ سے تھامے ہوئے لایا اور ہوٹل کے اس کمرے میں بٹھا دیا جو اس نے پچھلے دو ماہ سے کرائے پر لے رکھا تھا۔

وہ کمرے میں آ گئیں جب بیٹھ چکیں اور دم لے چکیں تو بولیں ۔

ڈیوڈ!تم پاری کے ساتھ اس گھٹیا ہوٹل کے اس گندے کمرے میں رہتے ہو؟

مجبوری ماما۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

واہ میرے بچے۔۔۔۔۔ایسی بغاوت کا فائدہ کہ زندگی کو اپنے معیار سے گرانا پڑے اور ایسی محبت کا کیا فائدہ کہ تم نے اپنے محبوب کو بہتر زندگی نہ دے سکو۔۔۔۔۔۔اگر سب کچھ اس طرح اتنی جلدی نہ کرتے ،تو تم دونوں اس سے بہتر زندگی کے حق دار بن سکتے تھے ۔

ماں!یہ وقت، ڈانٹ ڈپٹ یا نصیحت کا نہیں۔۔۔۔۔۔جو ہو چکا وہ سو چکا۔۔۔۔۔آپ جس مقصد کے لیے آئی ہیں بس وہی کریں ۔

اچھا۔۔۔۔۔وہ بے دلی سے بولیں ۔مجھے تو اس بے چاری لڑکی پر ترس آ رہا ہے ۔

ہم نے کون سا ساری زندگی اس طرح رہنا ہے،پاری نے چونکہ فائنل امتحان دینا تھا اس لیے میں نے چند دن کے لیے یہ بندوبست کیا ہے۔۔۔۔۔جب وہ فارغ ہو جائے گی تو ہم کوئی اچھا سا گھر کرائے پر لے لیں گے ۔

اچھا اب تم جاؤ اور پاری کو لے آؤ۔۔۔۔۔وہ تمہارا انتظار کر رہی ہو گی ۔

ٹھیک ہے ماما۔۔۔۔۔۔میں جاتا ہوں ،آپ آرام سے بیٹھیں ۔

ڈیوڈ باہر نکل گیا۔

ثمینہ احسان بستر پر لیٹ گئیں۔ وہ آج ایک خاص مقصد کے تحت ملتان آئی تھیں۔ عرفان صاحب کی اچانک موت نے دونوں خاندانوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ خاص طور سے انہوں نے پاری کے بارے میں جو وصیت کی تھی اس کا ان لوگوں پر بہت اثر ہوا تھا۔ ثمینہ زیادہ وقت وحیدہ کے ساتھ ہی گزارتی تھیں۔ بے شک بیچ میں دراڑ آ گئی تھی۔ مگر اس غم کے موقع پر انہوں نے اپنی دوست کو تنہا نہیں چھوڑا۔ دو تین بار انہوں نے جان بوجھ کر پاری کا ذکر چھیڑا۔ مگر عرفان نے انہیں دوٹوک کہہ دیا کہ اب پاری سے ان کا کوئی رشتہ نہیں۔ وہ عرفان صاحب کی وصیت پر عمل کریں گی۔ نہ پاری کبھی اس گھر آ سکے گی اور نہ وہ اسے کبھی اپنی صورت دکھائیں گے۔ یوں سمجھیں پاری ہمارے لیے مر گئی۔ اور ہم سب پاری کے لیے مر گئے۔۔۔۔۔ ایسے میں ثمینہ آنٹی کو پاری کے ساتھ زیادہ ہمدردی محسوس ہوئی۔۔۔۔۔ دونوں میاں بیوی نے سوچا اگر اس وقت وہ بھی پاری کو نہیں اپنائیں گے تو وہ یہ غم برداشت نہ کر سکے گی۔

اب پاری کے امتحان ہو چکے تھے۔ پریکٹیکل بھی ہو چکے تھے، بس "وائے وا" رہ گیا تھا۔ جس کی ابھی تاریخ نہیں آئی تھی۔ اس لیے ثمینہ آنٹی ڈیوڈ کے ساتھ آ گئی تھیں۔ تا کہ اسے تسلی دے سکیں اور اپنائیت کا احساس بھی دے سکیں۔

امتحانات کی وجہ سے پاری اخبار میں اپنے ابو کی موت کی خبر نہ دیکھ سکی تھی اور پھر ان کے گھریلو حالات کی سختی کے پیش نظر ڈیوڈ نے اسے اطلاع بھی نہیں دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پاری کو باپ کے جنازے پر آنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ اس صدمے سے اس کا حشر برا ہو جائے گا اور جو ایک دو پرچے رہ گئے ہیں، پاری وہ بھی نہ دے سکے گی۔ اس طرح اس کا سال ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے وہ فون کرنے کے باوجود اس کے ابو کی وفات کے بارے میں مصلحتاً نہ بتا سکا۔

ایک بار اس نے غزالی سے کہا تھا کہ وہ پاری کو یہ خبر سنا دیں مگر غزالی نے صاف انکار کر دیا تھا انہوں نے کہا، یہ ناخوشگوار فریضہ ادا کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔۔۔۔۔

اس غرض سے اب ثمینہ آنٹی خود آئی تھیں۔

آنے سے ایک ہفتہ پہلے ڈیوڈ نے فون پر پاری کو ساری بات بتائی تھی کے اس کے ابو کی وصیت کے خوف سے اسے ان کی فوتیدگی کی اطلاع نہیں دی گئی۔۔۔۔۔ اس روز پاری کو یہ خبر ملی اسے رونے کو جگہ نہ مل رہی تھی۔ وہ غسل خانے میں گھس کر چیخ چیخ کر روتی رہی، وہ اپنے پیارے ابو کی موت کا سبب بن گئی تھی۔ مگر دوہری بدنصیبی یہ تھی کہ علی الاعلان چلا چلا کر رو نہیں سکتی تھی۔ اگر اسطرح اظہارِ غم کرتی تو ساری لڑکیاں پوچھتیں کہ آخر اسے سگے باپ کے مرنے کی خبر کیوں نہیں دی گئی۔ تو پھر اس کی خفیہ شادی کا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ جسے اس نے ہر ایک سے راز کی طرح چھپا کر رکھا تھا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ اس کے امتحان ختم ہو چکے تھے۔ ورنہ جس طرح وہ ریزہ ریزہ ہو رہی تھی امتحان دینے کے قابل ہی نہ رہتی۔۔۔۔۔

رو رو کر وہ سچ مچ بیمار ہو گئی تھی اور بستر پر پڑ گئی تھی۔ اس طرح اسے سکون ملا تھا۔ کیونکہ بستر میں منہ چھپا کر وہ کئی بار رو چکی تھی۔ ڈیوڈ نے ہوٹل سے نکلنے سے پہلے اسے فون کر دیا تھا اس لیے جب وہ ہوسٹل میں پہنچا تو وہ منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو چکی تھی۔۔۔۔۔ اس نے اپنے چند کپڑے بھی اٹھا لیے تھے۔۔۔۔

ڈیوڈ اسے لے کر ہوٹل میں آیا۔۔۔۔۔

جونہی کمرے میں آ کر اس نے ثمینہ آنٹی کو دیکھا اس کے ضبط کے بند ٹوٹ گئے دوڑ کر ان سے لپٹ گئی اور چیخ چیخ کر رونے لگی ثمینہ آنٹی کو معلوم تھا کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔ اس لیے انہوں نے اسے خوب رونے کا موقع دیا گلے سے لگائے رکھا، جب وہ رو رو کر ہلکان ہو گئی تو پھر اسے چمکار کر علیحدہ کیا۔ بہت پیار کیا صبر کی تلقین کی۔۔۔۔۔

آنٹی میں نے اپنے ابو کو مار ڈالا۔۔۔۔۔

آنٹی میں نے اپنے ابو کو مار ڈالا۔۔۔۔۔

بس وہ ہذیانی انداز میں یہی کہتی جاتی تھی۔

حوصلہ کرو بیٹی، صبر کرو بیٹی۔۔۔۔۔ جو قسمت میں لکھا ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔۔۔۔۔ کافی دیر تک وہ اسے تسلیاں دیتی رہیں۔۔۔۔۔

آنٹی میں بہت بری ہوں نا؟ وہ بولی۔۔۔۔۔ میرے جیسی اولاد کو پیدا ہوتے ہی مر جانا چاہیے، ہے نا آنٹی۔۔۔۔

بیٹی! اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے۔ امید رکھو آئندہ حالات بدل جائیں گے۔

مگر میرے ابو تو نہیں آئیں گے نا؟

بس بیٹی وہ اتنی ہی زندگی لکھوا کر لائے تھے۔۔۔۔۔ تم اس طرح نہ روؤ وہ وہاں بے سکون ہوں گے۔

آنٹی میں تو اپنی زندگی دے کر ابو کو بچانے کی سوچا کرتی تھی، میں نے اپنی ایک خوشی کے لیے ابو کی زندگی ختم کر دی۔

بس اب ایسی باتیں نہ سوچو۔۔۔۔۔۔۔جاؤ غسل خانے میں جا کر منہ دھولو۔

جاؤ بیٹی۔۔۔۔۔۔ذرا حوصلہ کرو۔

پاری اٹھ کر غسل خانے میں چلی گئی۔

ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔۔ماما! آپ بیٹھیں میں بازار سے آپ دونوں کے لیے کھانا لے آؤں۔

کیوں اس ہوٹل میں کھانا نہیں ہوتا۔

اس ہوٹل کا کھانا بہت گندہ ہوتا ہے ہم رہتے یہاں ہیں مگر کھانا باہر سے کھاتے ہیں۔

تمہیں معلوم ہے نا میری ایک کزن یہاں رہتی ہیں، میں نے آتے ہوئے اسے فون کر دیا تھا کہ میں رات وہاں رہوں گی۔تم دونوں میرے ساتھ چلو۔۔۔۔۔۔کہیں سے کھانا کھا لیتے ہیں۔پھر مجھے وہاں ڈراپ کر کے تم دونوں ہوٹل میں آجانا۔

اور کار۔۔۔۔۔ڈیوڈ بولا۔

کار تم اپنے پاس رکھو۔۔۔۔۔۔۔اسی لیے تو میں تمہیں کار پر لائی ہوں، یہاں آنے جانے میں آسانی رہے گی۔ ویسے بھی میں ایک ہفتہ یہاں رہ کر تمہارے سارے معاملات درست کر کے جانا چاہتی ہوں۔

پاری منہ دھو کر غسل خانے سے باہر نکل آئی۔ڈیوڈ نے جب اسے پروگرام بتایا تو وہ چپ چاپ ان کے ساتھ چل پڑی۔

چند دنوں میں اس کی زندگی بدل گئی تھی۔۔۔۔۔۔

وہ عرش سے فرش پر جا گری تھی۔۔۔۔۔

اس کے اندر کوئی شے ٹوٹ گئی تھی۔۔۔۔۔

اس کا دل چاہتا۔۔۔۔۔ساری دنیا سے منہ چھپا کر ایک کونے میں پڑی رہے وہ اس کے اونچے اونچے آدرش ۔۔۔۔۔۔۔اور لمبے لمبے منصوبے جانے کہاں اندھے منہ گر گئے تھے۔۔۔۔۔۔اس کی حالت شاخ سے گرے ہوئے پتے سی ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔جو دوبارہ شاخ پر تو نہیں لگ سکتا۔۔۔۔۔مگر ہوا کے اشارے کا محتاج ہو جاتا ہے۔

مینا احسان پورا ایک ہفتہ ملتان میں رہیں۔اپنی کزن کی مدد سے انہوں نے ایک انیکسی تلاش کی۔جس کا کرایہ بھی زیادہ نہیں تھا۔یہ انیکسی پوش علاقے میں تھی ایک بیڈ روم تھا۔ایک ڈرائنگ ڈائننگ ایک چھوٹا سا کچن اور اٹیچڈ باتھ روم تھا۔فی الحال انہوں نے تھوڑا سا فرنیچر کرائے پر لے لیا۔۔۔۔۔اور ان کا گھر سیٹ کر دیا۔اپنے سامنے پاری کا سارا سامان ہوسٹل سے منگوالیا۔اور اسے وہاں سیٹل کر دیا۔انہوں نے کہا اب ہوسٹل میں یا سستے ہوٹل میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔وہیں دو چار لوگوں سے مل کر انہوں نے ڈیوڈ کے لیے نئی ملازمت بھی تلاش کر لی۔تاکہ وہ پاری کے ساتھ رہے۔۔۔۔۔وہ جانتی تھیں کہ پاری اب لاہور نہیں جا سکتی۔نہ وہ اسے اپنے گھر میں رکھ کر اپنی بچپن کی دوست کو اذیت دے سکتی تھیں۔انہوں نے ڈیوڈ سے کہا کہ وہ ان کی کار بھی رکھ لے ۔۔۔۔۔۔اب وہ جہاز سے لاہور چلی جائیں گی۔

جس روز آنٹی مینا نے جانا تھا پاری جلدی جلدی انہیں ناشتہ بنا کے دے رہی تھی اور بہت اداس نظر آرہی تھیں۔

آنٹی نے اسے پاس بلایا اور بولیں۔۔۔۔۔

پاری! تمہاری شادی اس طرح سے ہوئی کہ ہم کچھ بھی نہ کر سکے۔حالانکہ میں نے ڈیوڈ کی دولہن کے لیے سب کچھ بنا کر رکھا ہوا تھا۔میرے بھی ارمان تھے کہ دھوم دھام سے شادی کروں گی۔۔۔۔۔۔اور اب تمہارے ابو کی وفات کے بعد تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔۔۔۔۔نہ کرنا مناسب ہے۔انہوں نے پرس کھولا اور اس میں سے ایک ڈبیہ نکالی۔

یہ لو یہ ایک سیٹ میں اٹھا لائی تھی۔یہ تم میرے سامنے پہن لو آنٹی اس کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔۔پاری نے گھبرا کر کہا۔

نہیں بیٹی! میری خوشی کی خاطر پہن لو، یوں تمہارا گلا ننگا مجھے اچھا نہیں لگتا کانوں میں بھی کچھ نہیں پہنا۔۔۔۔۔۔

انہوں نے اپنے ہاتھ سے وہ سیٹ پاری کو پہنا دیا۔۔۔۔۔۔

پاری کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو گرنے لگے۔۔۔۔۔۔اس کے بھی کچھ ارمان تھے۔کچھ شوق تھے۔۔۔۔۔ مگر نہ جانے کیسے وہ ایک دم۔۔۔۔۔۔۔ویران راستے پر آ گئی۔

آنٹی مینا نے اس کی پیشانی چوم لی۔۔۔۔۔۔

پھر پرس میں سے بیس ہزار کی ایک گڈی نکالی اور اس کے ہاتھ میں تھما دی فی الحال یہ بھی تم اپنے پاس رکھو۔۔۔۔۔

نہیں آنٹی مجھے ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

رکھ لو بیٹی۔۔۔۔۔۔انہوں نے کہا، تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکے۔۔۔۔۔

اب تم پردیس میں ہو، سو قسم کی ضرورتیں ہوتی ہیں۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ بھی یہاں نئی ملازمت جوائن کر لے گا۔۔۔۔۔ تمہارا رزلٹ آنے تک اور کوئی جاب ملنے تک یہ کام آئیں گے۔۔۔۔۔۔ویسے میں نے سال بھر کے لیے گھر کا کرایہ دے دیا ہے۔ تم فکر نہ کرنا جب بھی ضرورت ہو پیسے منگوا لینا۔۔۔۔۔اب میں تمہاری ماں ہوں، ماں سے تکلف نہیں کرتے۔

یہ سنتے ہی پاری بلک بلک کر رونے لگی اور پھر آنٹی مینا کے گلے سے لگ گئی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 33

ہاؤس جاب کے لیے پاری نے نشتر میڈیکل جانا شروع کر دیا ڈیوڈ کو بھی ایک ٹیکسٹائل مل میں پی آر او کی عارضی جاب مل گئی۔ جاتے ہوئے مینا آنٹی اپنی کار بھی ان کے لیے چھوڑ گئی تھیں۔۔۔۔۔۔۔پھر شام اتنی بوجھل ہوتی کہ پاری کا وقت ٹھہر جاتا۔۔۔۔۔۔۔

اتفاق سے اس کی ملاقات کالج کے ہی ایک ڈاکٹر صاحب سے ہوگئی۔جنہوں نے گل گشت کالونی میں بچوں کا ایک پرائیوٹ ہسپتال بنا رکھا تھا انہوں نے پاری کو آفر دی کہ وہ شام کے کچھ گھنٹے ان کے ہسپتال میں لگایا کرے۔پاری نے یہ آفر قبول کر لی۔یوں بی ڈیوڈ شام کے چھ بجے آتا تھا۔اب پاری نشتر میڈیکل کالج سے دو بجے شفیق چلڈرن ہسپتال میں چلی جاتی تھی۔

تین (۳) بجے سے لے کر چھ بجے تک بچوں کو دیکھتی تھی۔۔۔۔۔۔

اب پاری کے دل کو چوٹ لگ چکی تھی اس لیے یہ بیمار اور لاچار بچے بہت اچھے لگتے تھے۔کسی زمانے میں وہ نیک کے بچوں سے کتنے نفرت کرتی تھی ہمیشہ انہیں کیڑے کہہ کر ٹھکرا دیتی تھی۔اب جب اسے اپنی ایسی حرکتوں کا خیال آ جاتا تو پہروں رویا کرتی نیک آپا کو کتنا برا لگتا ہوگا جب وہ اس کے بچوں کو اٹھاتی نہیں تھی، پیار نہیں کرتی تھی، امی کو کتنا تنگ کرتی تھی وہ کن ہواؤں میں رہتی تھی، زمین پر تو اترتی نہ تھی۔

پر کیسی سزا ملی۔۔۔۔۔۔۔کہ عقل ٹھکانے آ گئی۔کاش اسے ایک اور موقع ملے تو وہ نیک آپا کے بچوں کو کلیجے سے لگا لے۔امی جان کی ہر بات مانے رات کو ان کے پاؤں دبائے، ان کے سر میں تیل لگائے۔۔۔۔

مگر یہ موقع اب ملے تو بھی کیسے؟

اس کا اپنے گھر جانے کو دل نہ چاہتا۔ذرا فارغ ہوتی پریشان خیال تنگ کرنے آ جاتے۔اس لیے وہ بچوں کے ہسپتال میں جلدی چلی جاتی وہیں کنٹین سے دوپہر کا کھانا کھا لیتی۔۔۔۔۔۔

پھر ایک ایک کمرے میں جا کر بچوں سے پیار کرتی۔ماؤں سے گپ لگاتی، سارے ہسپتال کا عملہ اس سے بہت مانوس ہو گیا۔مائیں اس کے انتظار میں بیٹھی رہتیں۔ڈاکٹر شفیق اس سے بہت خوش تھے اور انہی کے مشورے سے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ چائلڈ سپیشلسٹ بنے گی۔۔۔۔۔۔اور بیمار بچوں کی خدمت اپنا مشن بنائے گی۔

کبھی کبھی ویک اینڈ پہ ڈیوڈ لاہور چلا جاتا تھا۔اپنے والدین کی خبر لے آتا تھا۔۔۔۔۔۔اس نے پارسا کے گھر جانا چاہا تو وحیدہ عرفان نے منع کر دیا۔انہوں نے کہا اس کے آنے سے ان کے زخم تازہ ہو جاتے ہیں۔ہمیں اپنی بیٹی کی بے وفائی یاد آتی ہے کو اس کا کوئی قصور نہیں، مگر جب ہم اپنی بیٹی سے ناطہ توڑ چکے ہیں تو پھر اس کے آنے کا کیا مقصد ہے۔۔۔۔۔۔

پاری کے اپنے گھر میں تو فون نہیں تھا بچوں کے ہسپتال میں اس کا زیادہ وقت گزرتا تھا وہاں اس کے دفتر میں فون بھی تھا اس لیے وہ ہر ایک کو یہ نمبر دے دیا کرتی تھی ایک بار اس نے ڈیوڈ سے کہا تھا کہ وہ غزالی کو اس کے دفتر کا نمبر دے دیں تا کہ وہ کبھی کبھی اسے فون کر لیا کریں۔

ایک شام، مریض دیکھنے کے بعد پاری اپنے دفتر میں بیٹھی ڈیوڈ کا انتظار کر رہی تھی، ڈیوڈ چھ بجے نکلتا تھا اور واپسی پر پاری کو ساتھ لیتا آتا تھا۔۔۔۔۔۔اس کے آنے میں تھوڑی دیر تو ہو جاتی تھی مگر بس میں جانے سے بہتر تھا وہ اس کا انتظار کرے یوں کبھی کبھی ٹریفک کی وجہ سے اسے دیر ہو جاتی تھی تو وہ کافی دیر انتظار میں بیٹھی رہتی۔۔۔۔۔کوئی میگزین دیکھ رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

اس نے اٹھایا۔۔۔۔۔۔۔ہیلو۔۔۔۔۔۔

ادھر سے جو ہیلو ہوئی اسے خوب پہچانتی تھی، وہ غزالی تھے۔

کیا حال ہے پارسا!

ٹھیک ہو، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

ڈیوڈ نے مجھے تمہارا نمبر دیا تھا میں نے سوچا تمہاری خیریت دریافت کر لوں؟

کافی عرصہ ہوا آپ مجھے ملنے ملتان نہیں آئے، پاری نے کہا پھر پاری کے خود ہی آنسو نکل آئے۔

ادھر خاموشی چھا گئی پاری تھوڑی دیر روتی رہی۔۔۔۔۔۔پھر اپنے آپ کو سنبھال لیا۔اگر آنسوؤں کی کوئی آواز ہوتی تو غزالی کو پتہ چل جاتا وہ کتنا رو رہی ہے۔۔۔۔۔۔اسے کیا ہو گیا تھا وہ توجہ کی بھیک مانگ رہی تھی پھر اس نے اپنی آواز کو صاف کیا۔۔۔۔۔۔اور بولی۔

ہیلو۔۔۔۔۔۔آپ چپ کیوں ہو گئے۔۔۔۔۔۔میں نے کوئی معیوب سوال کر دیا ہے۔

کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب دینا اور جواب نہ دینا ایک برابر ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔

امی جی کیسی ہیں۔۔۔۔۔۔وہ اپنے آنسو سنبھال کر جلدی سے بولی۔

اپنے آپ سے لڑتی رہتیں ہیں ۔۔۔۔۔۔

نیک چلی گئی ۔۔۔۔۔۔

ہاں نیک ایک مہینہ رہ کر واپس چلی گئی ۔

نیک نے مجھے ملنے کی ضرورت نہیں سمجھی ۔۔۔۔۔۔۔پاری کے لہجے میں حسرتیں تھیں ۔

غزالی چپ رہے ۔

وہ شاید لایعنی سوال کر رہی تھی ۔ اس کو معلوم تھا ایک ناطے کے عوض اس نے سارے ناطے توڑ ڈالے تھے ۔۔۔۔۔۔

اچھا ۔۔۔۔۔۔وہ پھر بولی ۔

آپ کیسے ہیں؟

میں ٹھیک ہوں وہ بولے ۔

امی کے پاس آج کل کون ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔؟

میں ویک اینڈ پر چلا جاتا ہوں کوشش کر رہا ہوں میری ٹرانسفر لاہور ہو جائے اور میں ان کے پاس چلا جاؤں ۔۔۔۔۔۔۔ان کا اکیلا رہنا ٹھیک نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔۔

پاری کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے ۔

امی ہمیشہ کہا کرتی تھیں پاری کی شادی کے بعد غزالی کو گھر داماد بنا لوں گی ان دونوں کو اپنے پاس رکھوں گی ۔میری بڑھاپا کیسے گزرے گا ۔ ، نیک تو ملک سے باہر چلی گئی ہے ۔۔۔۔۔پاری کو ان کی یہ بات بہت بری لگتی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ ہمیشہ جل کر کہتی ،تو پھر میری شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے ویسے ہی مجھے گھنے سے لگا کے بٹھا لیں ۔

پاری تو کتنی کمینی ہوگئی ہے ۔۔۔۔۔۔۔امی ہنس کر کہا کرتیں ۔۔۔۔۔۔

پاری!تو ازلوں سے کمینی تھی ۔پاری نے دکھی دل کے ساتھ سوچا ۔۔۔۔۔

اچھا پارسا! اب اجازت دو ۔بس تمہاری خیریت دریافت کرنا تھی ۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ کو میرا اسلام کہنا ۔۔۔۔۔

جی اچھا ۔۔۔۔۔۔

خدا حافظ ۔۔۔۔۔۔اس نے فون بند کر دیا ، کتنا انتظار تھا ان کے فون کا ۔۔۔۔۔۔اتنی ہی تشنگی رہ گئی ۔۔۔۔۔۔ اور بھی اداس ہوگئی ۔

اسی وقت ڈیوڈ اندر داخل ہوا ۔

پارو! مجھے دیر تو نہیں ہوگئی ، آج سڑک پر ایک ایکسیڈنٹ ہوگیا ، راستہ کافی دیر بلاک رہا ، بور ہوئی ہو ۔۔۔۔۔۔۔

نہیں ۔۔۔۔پاری نے اپنا پرس اٹھایا ،غزالی کا فون آ گیا تھا ابھی تمہارے آنے سے ایک منٹ پہلے بند ہوا ہے ۔

کیا کہتے تھے ۔۔۔۔۔۔وہ دونوں باہر نکل آئے ۔

کچھ نہیں ۔۔۔۔۔۔کچھ خاص نہیں ۔۔۔۔۔۔تمہیں تو معلوم ہے وہ زیادہ باتیں نہیں کرتے ، اور ساری باتوں کا جواب بھی نہیں دیتے ۔

پر ہیں نفیس آدمی ۔۔۔۔۔۔

پاری چپ رہی ۔۔۔۔۔

تھوڑا سا پھل لے لیں ، راستے میں ڈیوڈ نے کہا ۔

لے لیں ۔۔۔۔۔۔

اس نے موٹر روک کر پھل لیا ، پھر چل پڑے ۔

گھر پہنچ کر پاری نے کپڑے تبدیل کیے اور کچن میں جا کر کھانا بنانے لگی ۔

ڈیوڈ بھی نہا دھو کر تیار ہو گیا ۔پاری نے میز پر کھانا لگا دیا ، دونوں چپ چاپ کھانے لگے ۔۔۔۔۔۔

کھانے کے بعد پاری تو برتن دھونے چلی گئی ، ڈیوڈ نے ٹی ۔وی لگا لیا ۔۔۔۔۔۔ فارغ ہو کے پاری آ کے اس کے پاس بیٹھ گئی ۔

تھوڑی دیر چپ چاپ رہی ۔۔۔۔۔۔۔پھر بولی ۔

ڈیوی ۔۔۔۔۔۔میرے دل میں ایک بات آئی ہے ۔

بتاؤ ۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے ٹی ۔وی فوراً بند کر دیا ۔۔۔۔۔۔۔بولا ۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوی کیوں نہ ہم باہر چلے جائیں ، میری مطلب ہے ملک سے باہر ۔۔۔۔۔۔

پاری۔۔۔۔۔۔۔وہ اک دم چلایا۔۔۔۔۔۔۔

کیا ہوا۔۔۔۔۔۔کیا میں نے غلط بات کہہ دی، پاری ڈر گئی۔

نہیں جان۔۔۔۔۔۔۔میں حیران اس لیے ہوا ہوں کہ میں بھی آج سارا دن یہی سوچتا رہا ہوں۔۔۔۔۔

سچ۔۔۔۔۔۔پاری کھل اٹھی۔

جان! جب سے میں نے اس مل میں نوکری کی ہے پریشان ہو گیا ہوں ایسے لگتا ہے جیسے سفارش پر مجھے زبردستی ٹھونسا گیا ہے۔۔۔۔۔۔نہ کوئی کام ہے نہ کوئی ذمہ داری ہے۔۔۔۔۔۔۔مگر ہر کوئی مجھ پر رعب جما رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔آج دن بھر میں سوچتا رہا۔۔۔۔۔۔۔یہاں جوتے چٹخانے سے بہتر ہے، ہم کنیڈا چلے جائیں۔

تم نے کنیڈا کا سوچ بھی لیا۔

ہاں پاری۔۔۔۔۔۔۔وہاں ہمارے کچھ عزیز بھی ہیں، مدد بھی مل جائے گی، اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو کنیڈا چلیں۔۔۔۔۔۔

مجھے کیوں اعتراض ہو گا، میں تو خود کئی دنوں سے سوچ رہی تھی، اگر یہاں رہ کر بھی ہم نے۔۔۔۔۔۔۔

پھر وہ چپ کر گئی۔

پاری میں تمہارا درد سمجھتا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں تم دن بدن بجھتی جا رہی ہو تمہاری فطرت کی شوخی اور چنچلتا کہیں کھو گئی ہے۔۔۔۔۔تم پہلے جیسی نہیں رہیں انکل کی موت نے تمہیں بدل کے رکھ دیا ہے۔۔۔۔۔میں بھی پہلے والی، کھلی کھلی۔۔۔۔۔۔۔شوخ اور حاضر جواب پاری چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔میں تمہیں تمہارے پہلے روپ میں ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔

پاری نے سر جھکا لیا۔

اچھا سنو پاری۔۔۔۔۔۔ڈیوی اپنی ڈائیری اٹھا لایا، اور بولا۔۔۔۔۔۔میرے ابو کی ایک کزن ٹورانٹو میں رہتی ہیں، انہیں قریب پندرہ سال ہوئے وہاں گئے۔ انہوں نے وہاں ایک ہندو سے شادی کر رکھی ہے۔۔۔۔۔۔دو سال پہلے وہ آئی تھیں انہوں نے آفر دی تھی کہ اگر میں ٹورانٹو آنا چاہوں تو وہ مجھے سپانسر کریں گی۔

ان کو یہ بات یاد ہو گی۔۔۔۔۔۔۔

کیوں نہ یاد ہو گی۔

کل میں انہیں PCO سے فون کروں گا، اور خط بھی لکھ دوں گا۔

سپانسر کرنے میں کافی وقت لگ جائے گا۔

کم از کم ایک سال۔۔۔۔۔۔میری جان! ڈیوڈ نے اسے بازوؤں میں لے کر کہا۔مگر ایک سال بھی آخر گزر ہی جاتا ہے۔۔۔۔۔اب اس کام میں لاپرواہی نہ کرنا۔

کیوں کروں گا۔۔۔۔۔۔؟میری تو دلی خواہش ہے۔

اور بیگم صاحب! پیسہ بھی تو جمع کرنا ہے۔۔۔۔۔۔۔یونہی خالی ہاتھ تو اٹھ کر نہیں چل دیں گے۔

اب تم یہ ملازمت نہ چھوڑنا۔۔۔۔۔۔

تم فکر نہ کرو۔

میں بھی فضول خرچی نہیں کروں گی۔

ارے رانی تم بالکل فضول خرچ نہیں ہو۔۔۔۔۔۔۔تم پیار میں بھی فضول خرچ نہیں کرتیں۔۔۔۔۔۔محبت میں کفایت شعاری سے کام لیتی ہو۔۔۔۔۔۔

بھلا اور کیسے کرو گی۔۔۔۔۔۔؟

دونوں ہنسنے لگے۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 34

ایک سال کے صبر آزا انتظار کے بعد ۔۔۔۔۔۔ان کے کاغذات مکمل ہو گئے ۔انہوں نے انٹرویو کے سارے مرحلے کامیابی سے طے کر لیے تو جانے کی اجازت مل گئی ۔ڈیوڈ نے جانے سے صرف ایک ماہ پہلے اپنے ماں باپ کو بتایا، اسے ڈر تھا کہ وہ انہیں روک لیں گے گو اب وہ روک تو نہ سکتے تھے ،مگر انہوں نے مخالفت کی ۔۔۔۔۔۔

ایک ہفتہ پہلے غزالی کا فون آ گیا تھا، اس نے ان کو یہ بات بتا دی ۔۔۔۔۔

وہ پہلے تو چپ سے ہو گئے ،پھر بولے ۔

پارسا! تم دور جانا چاہتی ہو۔

جی ۔۔۔۔۔۔۔پارسا نے آہستہ سے کہا۔

کس سے ۔۔۔۔۔۔؟

پاری کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

شاید اپنے آپ سے ۔۔۔۔۔پتہ نہیں!

اپنا آپ ہی تو دشمن ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔وہاں کیسے تمہیں چین لینے دے گا۔

اگر بے چین رہنا ہی؟ ہے تو پھر وہاں سہی ۔۔۔۔۔۔

ساری زندگی بھاگتی رہو گی ۔۔۔۔۔۔؟

پاری کی سمجھ میں نہیں آیا، اب کیا جواب دے ۔۔۔۔۔چپ ہو گئی ۔۔۔۔۔۔وہ خود ہی بولے ۔۔۔۔۔۔۔

اچھا اگر تم نے فیصلہ کر لیا ہے تو میں دعا کروں گا اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے ۔

مجھے آپ کی دعاؤں پر یقین ہے، پاری نے آہستہ سے کہا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ آپ کے جذبوں پر یقین رکھتے ہیں وہ آپ کی دعاؤں پر یقین رکھتے ہیں ۔

اچھا پارسا خدا حافظ ۔۔۔۔۔انہوں نے فوراً خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

ریسیور ہاتھ میں پکڑے پاری کتنی دیر تک گم سم بیٹھی رہی ۔۔۔۔۔۔۔ہمت ہی نہ ہو سکی کہ ریسیور کو واپس کریڈل میں رکھ دے۔

ایک سال سے تیاری کر رہی تھی ، پاکستان سے نکل جانا چاہتی تھی ۔ساری تلخ و شیریں یادوں کو پاکستان میں ہی دفن کر کے جانا چاہتی تھی کینیڈا جا کر نئے معنوں میں نئی زندگی شروع کرنا چاہتی تھی ۔پھر دوڑنا چاہتی تھی ، بھاگنا چاہتی تھی ۔۔۔۔۔۔پھر وہی راج دلاری بن جانا چاہتی تھی ۔۔۔۔۔۔۔سوچتی تھی سب ٹھیک ہو جائے گا، مگر اب جب ٹکٹ بھی آ گئے تھے ،سیٹیں ریزرو ہو گئی تھیں اور جانے میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا تو یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کالے پانی جا رہی ہے پھر کبھی لوٹ کر نہ آئے گی زندگی کا ہر سلسلہ اور ہر واسطہ چھٹ جائے گا ۔۔۔۔۔۔سب کچھ گرد و غبار میں دب جائے گا ۔پاکستان میں رہنے سے کم از کم یادیں تو ساتھ تھیں اور ایک موہوم سی آس بھی تھی ۔۔۔۔۔۔اپنے پیاروں کو دیکھ لینے کی اور پرانی راہ گزر پر جا نکلے گی ۔۔۔۔۔پتہ نہیں اب تو یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ آخر اس کے دل کی خوشی کس بات میں ہے ۔۔۔۔۔۔

اب تک تو معلوم نہیں اس دل کی تمنائیں کیا ہیں
سو بار ہنسا کر دیکھ لیا، سو بار رلا کر دیکھ لیا

اس نے اپنا اور ڈیوڈ کا سارا سامان باندھ کر رکھ دیا تھا ۔سامان تھا ہی کتنا ۔۔۔۔۔دو سوٹ کیس تھے جن میں دونوں کے روزمرہ کے کپڑے اور ضروری کاغذات تھے ۔باقی چھوٹی موٹی ضرورت کی اشیاء جو اس نے گاہے گاہے ضرورت کے تحت خریدی تھیں، اونے پونے بیچ دی تھیں ۔

ڈیوڈ لاہور گیا تھا اپنے والدین کو ملنے ۔۔۔۔۔۔اور اس بھری دنیا میں کوئی نہیں تھا جو اس کے جانے سے پہلے ملنے کو بے قرار ہوتا ۔۔۔۔۔۔۔باہر بیل ہوئی تو وہ چونک گئی کون ہو سکتا ہے شاید ڈاکٹر شفیق کی بیوی آ گئی ہو گی کہہ رہی تھی شام کو آؤں گی ۔۔۔۔۔۔اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا ۔۔۔۔۔۔ارے ۔۔۔۔۔سامنے غزالی کھڑے تھے ۔آپ ۔۔۔۔۔۔؟

آپ اور یہاں ۔۔۔۔۔۔۔؟

اندر آ سکتا ہوں ۔

آیئے ۔۔۔۔۔۔۔وہ انہیں اندر لے آئی ،صرف ایک بیڈ پڑا تھا سارا فرنیچر انہوں نے بیچ دیا تھا ۔

معاف کیجئے ۔۔۔۔۔۔بیٹھنے کی کوئی مناسب جگہ نہیں ۔۔۔۔۔۔۔کہتے ہیں نا؟ کہ آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا۔

گھبراؤ نہیں میں تھوڑی دیر بیٹھوں گا، غزالی اس کے بستر پر بیٹھ گئے ، وہ بھی دوسرے کنارے پر بیٹھ گئی ۔۔۔۔۔۔

کل ڈیوڈ ملا تھا اس نے اپنے جانے کی تاریخ بتائی میں نے اس سے تمہارا پتہ لے لیا تھا سوچا تمہیں مل

آؤں ۔۔۔۔۔۔ پاری کو کتنی خوشی ہو رہی تھی غزالی کو سامنے دیکھ کر ۔۔۔۔۔ انہوں نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور ساتھ اپنا کارڈ بھی نکالا۔ یہ میرے دفتر کا پتہ اور فون نمبر ہے جب کبھی ضرورت محسوس کرو تکلف نہ کرنا، مجھے یہ حق دینا ۔۔۔۔۔۔ پاری نے لرزتے ہاتھوں سے کارڈ پکڑ لیا ۔۔۔۔۔ اور یہ بھی لے لو ۔۔۔۔۔۔

کیا ہے ۔۔۔۔۔۔

پکڑ لو ۔۔۔۔۔۔۔

پاری نے لفافہ پکڑ لیا کھول کے دیکھا اس میں ڈالرز تھے۔

پارسا یہ ایک ہزار ڈالر ہیں آج کل کے زمانے میں ایک ہزار ڈالر کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ میں تمہیں یہ امانت کے طور پر دے رہا ہوں۔ میری امانت سمجھ کے اپنے پاس رکھ لو، جب کبھی تم پر کڑا وقت آئے کوئی چارہ نہ رہے تو ان میں سے پیسے نکال کر خرچ کر لینا، پھر تمہارے پاس پیسے آجائیں تو گن کر اس میں رکھ دینا۔

پاری ۔۔۔۔۔۔ اب بات کی گہرائی تک پہنچ سکتی تھی۔ رونے لگ گئی ۔۔۔۔۔ کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوا ۔۔۔۔۔

پتہ نہیں اب ہم کب ملیں گے اور کس عالم میں ملیں گے مگر میں چاہوں گا آئندہ ملاقات میں تم میرے یہ پیسے مجھے لوٹا دو ۔۔۔۔۔۔

آنسو بھری آنکھوں کو جھپک کر پاری نے ۔۔۔۔۔۔ گلوگیر آواز میں کہا۔

جی اچھا ۔۔۔۔۔ پاری نے انکار نہیں کیا، تکلف نہیں کیا ۔۔۔۔۔ کوئی بوجھل فقرہ نہیں کہا ۔۔۔۔۔ بس روتی رہی ۔۔۔۔۔ یہ سوچ کر کہ اس دنیا میں کوئی تو ہے جس کو اس کی پرواہ ہے جو اس کے لیے سوچتا ہے، جو اسے آنے والے وقتوں کے لیے تیار کر رہا ہے۔ اس نے لفافہ دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔ آپ امی کا خیال رکھیے گا۔

ضرور رکھوں گا میں ان کے پاس آ گیا ہوں وہیں رہتا ہوں انہوں نے مجھے تمہارا کمرہ دے دیا ہے، وہ سوگواری سے ہنسا ۔۔۔۔۔ میں نے اس کمرے کو ویسا ہی رہنے دیا ہے حتیٰ کہ چاروں طرف تمہاری سب تصویریں لگی ہوئی ہیں ایسے لگتا ہے جیسے ابھی تک تم اس کمرے میں ہو ۔۔۔۔۔۔

(اور ۔۔۔۔ اور ۔۔۔۔۔ آپ کے دل میں ۔۔۔۔۔۔؟)

ایک دن ممانی جان اندر آ گئیں۔ چاروں طرف دیکھ کر بولیں ۔۔۔۔۔ اس بدبخت کی تصویریں اتار دو ۔۔۔۔۔

میں نے کہا ممانی جان میں تو نہیں اتار سکتا، آپ اپنے ہاتھوں سے اتار تی جائیں ۔۔۔۔۔ وہ جلدی سے باہر نکل گئیں، اور باہر جا کر کافی دیر تک روتی رہیں ماں اپنی بیٹی کو کبھی نہیں بھول سکتی ۔۔۔۔۔۔

پاری کے پھر آنسو بہنے لگے، وہ کس منہ سے کہے کہ بیٹی کے اندر سے ماں کبھی نہیں نکلتی جوں جوں وقت گزرتا ہے ماں اس کے لہو میں دوڑنے لگتی ہے ۔۔۔۔

UrduPoint.com

اچھا پارسا اب میں چلتا ہوں، وہ کھڑے ہو گئے۔

میں آج آپ کی تواضع بھی نہیں کر سکی۔

تمہیں دیکھ لیا مل لیا، میری تو اضع ہو گئی، میں تو سوچ رہا تھا شاید جاتے وقت تم سے ملاقات نہ ہو سکے ۔۔۔۔۔

اس نے جب باہر کو قدم بڑھائے ۔۔۔۔۔۔ تو پاری پیچھے پیچھے آئی، دروازے کے پاس آ کر بولی ۔۔۔۔۔۔

غزالی! آپ مجھے معاف کر دیں گے میری خطا کو معاف کر دیں گے ۔۔۔۔۔۔

کون سی خطا ۔۔۔۔۔ غزالی نے اپنی گوتم بدھ جیسی آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، وہ لرز گئی ۔۔۔۔۔ اور آنکھیں بند کر لیں ۔۔۔۔

”میں نے انجانے میں اگر کوئی دکھ دیا ہو ۔۔۔۔۔؟“

اپنے اگر جان بوجھ کر بھی دکھ دیں تو پیارے لگتے ہیں، پھر تمہارا اور میرا تو خون کا رشتہ ہے ۔۔۔۔۔ پہلے تم بات بے بات ہنستی رہتی تھیں ۔۔۔۔۔ اب بات بات میں روتی ہو، گزری باتوں کا ملال چھوڑ دو اپنے آپ کو نئی زندگی کے حوالے کر دو ۔۔۔۔۔۔ فیصلہ برا ہو یا بھلا ۔۔۔۔۔ زندگی کو ناکام نہیں ہونے دینا چاہیے ۔۔۔۔ کیونکہ زندہ رہنے کے لیے اپنے وجود اپنے آدرش کو باقی رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے، پچھتاوے پرواز کو روکتے ہیں، میں تمہیں اپنے کیرئیر میں ایک کامیاب عورت دیکھنا چاہتا ہوں ۔۔۔۔

اچھا خدا حافظ ۔۔۔۔۔۔

وہ ہمیشہ کی طرح بغیر نظر ملائے باہر نکل گئے ۔۔۔۔۔ ان کے جانے کے بعد پاری نے اس نیلے لفافے کو سو طرح سے الٹ پلٹ کے دیکھا، کتنی اپنائیت تھی اس لفافے میں، اور کتنی انسیت امنڈ رہی تھی ان نوٹوں میں ۔۔۔

اس نے اپنا سوٹ کیس کھولا، اور بڑی احتیاط سے اپنے کپڑوں کی سب سے نچلی تہہ میں وہ لفافہ چھپا کے رکھ دیا،

اور میں نے دل میں تہیہ کرلیا کہ وہ ان پیسوں کے بارے میں ڈیوڈ کو بھی کچھ نہ بتائے گی۔
یہ پیسے ہی تو اسے حوصلہ دیا کریں گے، یہ ہی تو اس کی پشت پناہی کیا کریں۔۔۔۔۔۔۔
یہ میکے کی خوشبو میں بسا نیلا لفافہ ہمیشہ اس پر نظر رکھے گا ملتفت بنا کھڑا ہوگا۔محتسب بنا کھڑا ہوگا۔۔۔۔۔۔اس کی یاد کی تجوری میں ایک ہزار ڈالر پڑے ہوں گے۔وہ کبھی مفلس نہ ہوگی۔
قلاش نہ ہوگی۔۔۔۔۔۔۔تراش نہ ہوگی۔۔۔۔۔!!
آخر وہ دن آ گیا۔۔۔۔۔۔۔۔جب اس نے اپنی سرزمین سے جدا ہونا تھا، وہ اپنے وطن سے، اپنی ماں سے، اپنے ناطوں سے دور جا رہی تھی۔کیا سوچ کر جا رہی تھی کیا کرنے جا رہی تھی کیا زندگی کا مقصد کھوجنے جا رہی تھی۔۔۔۔۔۔یا انجانے دیس کی گلیوں میں اپنے آپ کو گم کرنے جا رہی تھی۔۔۔۔۔جو کچھ کھو بیٹھی تھی، اسے ڈھونڈنے جا رہی تھی یا جو پا لیا تھا اس کی حفاظت کرنے جا رہی تھی۔۔۔۔۔اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔۔۔۔۔۔یہ مقصد ہے یا فرار۔۔۔۔۔۔مگر وہ خوش تھی۔۔۔۔۔۔دن رات کی اذیتوں سے چھٹکارا ملے گا، نہ یہ ملک ہوگا نہ اپنے ضمیر کے کچوکے سنے گی۔۔۔۔۔۔بڑے سمندر میں اپنی شناخت گم کر دے گی۔اور نئے سرے سے زندگی کو اپنا ہمراز بنائے گی۔
اس مرتبہ ڈیوڈ ضروری سامان اور کار لاہور چھوڑ آیا تھا، اس لیے انہیں ائیر پورٹ کرائے کی ٹیکسی پر جانا پڑا۔۔۔۔۔۔
اپنے سفر کا مختصر سامان ٹیکسی میں رکھ کے اس نے کرائے کے مکان پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔۔۔۔۔۔کوئی خدا حافظ کہنے والا نہیں تھا۔۔۔۔۔شکر ہے، ورنہ ایسے میں محبت کرنے والوں کے چہرے دل پر گھٹا سی ڈال دیتے ہیں، جو بس آنسوؤں سے ہی چھٹ سکتی ہے۔
ٹیکسی ملتان ائیر پورٹ کی طرف جا رہی تھی، اور وہ باہر سڑکوں اور بازاروں کو دیکھ رہی تھی، پتہ نہیں یہاں پھر کب آنا ہوگا۔۔۔۔۔۔اور کس عالم میں آنا ہو، ملتان شہر اسے بہت پسند تھا۔اس کی زندگی کے چھ قیمتی سال یہاں گزرے تھے۔جو سنہری زمانہ ہوتا ہے، طالب علمی کا وہ تو سارا ملتان کے ساتھ ہی وابستہ تھا۔۔۔۔۔۔ایف۔ایس۔سی کرتے ہی یہاں آ گئی تھی۔
ابو کے ساتھ مل کے وہ ہمیشہ پلان بنایا کرتی تھی۔۔۔۔۔اس کو بڑی بڑی باتیں کرنے کا شوق تھا، کہتی تھی۔۔۔۔۔۔ابو جی! میں اپنا ایک پرائیوٹ ہسپتال بناؤں گی۔جس کی دنیا میں بڑی دھوم ہوگی، جس میں غریبوں کا علاج مفت ہوگا۔۔۔۔۔۔مجھے میری جائیداد کا حصہ دے دینا۔۔۔۔۔۔مجھے زیور کپڑے کی ضرورت نہیں ہے، میں انسانیت کی خدمت کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔۔۔۔۔
ابو ہنسا کرتے۔۔۔۔۔
امی ڈانٹا کرتیں، ہمیشہ کہتیں تو تو ازلوں کی کام چور ہے، ایک گلاس پانی بھر کے خود سے پیا نہیں جاتا، خانساماں نہ ہو تو باورچی خانے میں نہیں گھستی۔۔۔۔۔آج تک ماں باپ کو کچھ پکا کے کھلایا ہے۔۔۔۔۔۔آئی بڑی قوم کی خدمت کرنے والی۔۔۔۔۔۔۔
ماں۔۔۔۔۔۔ماں۔۔۔۔۔۔باورچی خانے کو میرے مشن کے بیچ مت لاؤ۔۔۔۔۔۔وہ چلا اٹھتی دنیا میں اربوں کھربوں عورتیں صرف باورچی خانے کا کام کرنے اور بچے پیدا کرنے کے لیے بھیجی گئی ہیں۔۔۔۔۔کام تو وہ ہے جو عام عورت نہیں کر سکتی۔جسے خاص خاص عورتیں کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔
جا جا۔۔۔۔۔امی کہتیں، جو گھر کا کام خوبصورتی سے نہیں کر سکتی، وہ دنیا کا کوئی کام بہتر طریقے سے نہیں کر سکتی۔۔۔۔۔۔
ماں۔۔۔۔۔۔ایک وقت آئے گا تم مجھ پر فخر کرو گی، میرا نام لے لے کر جیو گی۔۔۔۔۔اور باپ اس کا نام سن کر مر جائے گا۔
جیسے اس کے دل میں کانٹا سا چبھ گیا۔۔۔۔۔۔اسے کیا معلوم وہ ایسا قدم اٹھائے گی اس کی ماں کبھی اسکا نام ہی نہ لے گی۔۔۔۔۔پاری کی آنکھوں کے منڈیریں بھیگنے سی لگیں۔۔۔۔۔۔وہ نہیں چاہتی تھی یہ آنسو اس کے دامن پر چھلکیں۔۔۔۔۔۔اچانک سامنے ایک مسجد آ گئی۔اس کے بلند و بالا مینار دور سے نظر آ رہے تھے، کتنے بلند کتنے سچے، کتنے کھرے لگ رہے تھے، بالکل ماں کی محبت کی طرح۔۔۔۔۔اس سے پہلے اس نے مسجد کے میناروں کو اس نظر سے کبھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔۔۔اب غور کیا تو یوں لگا جیسے ان میناروں سے اس کا کوئی رومانی رشتہ ہے۔۔۔۔۔یہ مینار اسے غور سے دیکھ رہے ہیں۔۔۔۔۔بانہیں پھیلائے کھڑے ہیں، کہتے ہیں ہمیں تو ملتی جاؤ۔۔۔۔۔اس کا دل چاہا، ٹیکسی روک دے اور دوڑ کر مسجد کے اندر چلی جائے، اور اک اک مینار کے گلے لگ جائے۔۔۔۔۔

اس کے رخساروں پر دو آنسو گرے۔۔۔۔۔اس نے تو کئی دنوں سے نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ویسے تو وہ پنج وقت کی عادی نہیں تھی، مگر کبھی کبھار، امتحانوں کے نزدیک یا امتحانوں کے دوران نماز ضرور پڑھ لیتی تھی، یا پھر جب کوئی پریشانی ہوتی تو فجر کی نماز ضرور پڑھتی تھی۔۔۔۔۔

مگر اس نے ان امتحانوں کے دوران اور ساری ذہنی پریشانیوں کے دوران کوئی نماز نہیں پڑھی تھی۔۔۔۔۔پھر بھی میڈیکل میں اس کی فرسٹ پوزیشن آگئی تھی اس نے ناپ کیا تھا۔

اس نے شکرانے کے طور پر بھی نفل نہیں پڑھے تھے۔۔۔۔۔

ڈیوڈ نے اسے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا۔شادی کے بعد انہوں نے طے کرلیا تھا کہ دونوں اپنے اپنے مذہب پر رہیں گے۔ڈیوڈ اسے اپنے مذہبی تہوار منانے سے منع نہیں کرے گا۔۔۔۔۔اور وہ اس کے چرچ جانے پر اعتراض نہیں کرے گی۔

پھر بھی نہ جانے کیوں اتنے دنوں تک وہ اپنے اللہ کو نہیں پکار سکی تھی۔۔۔۔۔کھڑکی کی طرف منہ کر کے وہ کافی رو چکی تھی، ائیر پورٹ سے پہلے اس نے ٹشو پیپر سے اپنا چہرہ صاف کرلیا ڈیوڈ جانتا تھا کہ وہ اس وقت جذبات کے پل صراط سے گزر رہی ہے اس لیے اس نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

اس جہاز نے دو گھنٹے کے لیے کراچی رکنا تھا، اور وہاں سے سیدھے ٹرانٹو کے لیے روانہ ہو جانا تھا۔۔۔۔۔کراچی پہنچ کر رات کے بارہ بجے یہ فلائیٹ روانا ہوئی۔۔۔۔۔بیلٹیں کھولنے کے بعد ڈیوڈ اور پاری نے اپنے آپ کو ریلیکس کیا۔دونوں اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے آئندہ کے منصوبے بناتے رہے تھے۔پاری کو بھی محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ ذہنی طور پر بہتر محسوس کر رہی ہے۔۔۔۔۔وہ باتوں کے دوران مسکراتی بھی رہی۔۔۔۔۔ایک عرصہ بعد اس نے اردگرد کے ماحول پر تبصرہ کیا۔آئندہ کا لائحہ عمل بنایا۔۔۔۔۔اور پھر آنکھوں پہ کالی پٹی باندھ کے گہری نیند سوگئی۔۔۔۔۔ایسے جیسے ساری فکروں اور اندیشوں کو اس نے فضا میں تحلیل کر دیا ہے۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 35

حسب معمول جہاز دس گھنٹے لیٹ ہو گیا اور بوسٹن کے ہوائی اڈے پر ساری رات کھڑا رہا۔ رات کے جگراتے نے پاری کو ادھ موا کر دیا۔ پھر بھی جب دوپہر کے بارہ بجے وہ ٹورانٹو کے ہوائی اڈے پر اترے تو اللہ کا شکر ادا کیا۔ ہوائی اڈے پر ڈیوڈ کی آنٹی کوکو انہیں لینے آئی ہوئی تھی۔ آنٹی کا اصل نام تو نرملا تھا مگر ان کا پیٹ نیم کوکو تھا اور سارا خاندان ہی انہیں آنٹی کوکو ہی کہتا تھا ان دونوں نے شیشے کے باہر آنٹی کو دیکھ لیا تھا آنٹی نے بھی ہاتھ ہلا دیا تھا۔۔۔ اس لیے امیگریشن کے معاملات سے گزرنے کے لیے بڑے سکون سے اندر بیٹھے رہے۔۔۔۔۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ باہر نکلے۔ آنٹی کوکو ایک بنچ پر بیٹھی مزے سے سگریٹ پی رہی تھیں۔ اٹھ کے بڑے تپاک سے ملیں، پاری کو گلے لگایا، پیشانی پر بوسہ دے کر بولیں۔

ڈیوی۔۔۔۔۔ تمہاری بیوی ڈاکٹر ہے۔۔۔۔۔ بھئی شکل سے تو یہ میٹرک کی سٹوڈنٹ لگتی ہے اس پر وہ سب ہنسنے لگے۔۔۔۔۔ وہ انہیں گھر لے آئیں۔۔۔۔۔

آنٹی کا گھر ایک اچھی آبادی میں تھا باہر سے بھی خوش نما نظر آتا تھا آج ہفتہ تھا اور سب لوگ گھر پر ہی تھے۔ ڈیوڈ اور پاری سے بہت تپاک سے ملے۔ آنٹی کے شوہر راج گوپال بھی موجود تھے۔ ان کی ٹرانٹو میں مٹھائیوں کی دوکان تھی۔ آنٹی کوکو کی دو بیٹیاں تھیں۔ پریانیکا سولہ سال کی اور اپرنا چودہ سال کی۔ پاری ان سب کے لیے بڑے خوبصورت تحفے لے کر گئی تھی۔ آنٹی کوکو کے لیے ایک بنارسی ساڑھی اور گلے کا گولڈن لاکٹ لیا تھا۔ پریانیکا اور اپرنا کے لیے ملتانی کڑھائی کے کرتے اور ملتانی کھسہ خریدا تھا، جو انہیں بالکل پورا آ گیا تھا۔ تحفے لینے کے بعد وہ لوگ اس طرح گھل مل کر باتیں کرنے لگے، جیسے کہ وہ فیملی ممبر ہوں۔

پاری کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔

تین بجے آنٹی نے میز پر کھانا رکھنا شروع کر دیا۔

ڈیوڈ نے پاری سے کہا، تم آنٹی کی مدد کرو، پاری اٹھنے لگی تو آنٹی نے اسے زبردستی بٹھا دیا۔ اور بولیں آج وہ بے چاری اتنے لمبے سفر سے تھکی ہوئی ہے۔ آج مجھے میزبانی کر لینے دو، کل سے مل کر کام کر لیا کریں گے۔۔۔۔۔

پاری بیٹھ گئی اور گھر کا جائزہ لینے لگی۔ ایک چھوٹا سا ڈرائنگ روم تھا جس کے ساتھ جڑواں ڈائننگ روم تھا جہاں گول سی ڈائننگ ٹیبل کے گرد چار کرسیاں رکھی ہوئی تھیں سامنے ایک کاؤنٹر تھا اور اس کے پیچھے باورچی خانہ تھا کوئی پکاتے ہوئے گھر والے، مہمانوں سے بات چیت بھی کر سکتی ہے۔ ایک لکڑی کی سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔۔۔۔۔ اور ایک سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں غالباً نیچے بیسمنٹ تھی۔

کھانے کے بعد پاری کو باقاعدہ جمائیاں آنے لگیں۔ تھکن سے اس کا انگ انگ ٹوٹنے لگا۔ آنٹی اس کو دیکھ کر مسکرائیں اور بولیں۔۔۔۔۔

تمہیں سخت نیند آ رہی ہے۔۔۔۔۔ اب تم لوگ آرام کر لو۔ ڈیوڈ میں نے بیسمنٹ کو تمہارے لیے ٹھیک کر دیا ہے تم اپنا سامان لے کر نیچے آ جاؤ۔۔۔۔۔ آؤ پاری تمہیں کمرہ دکھاؤں۔۔۔۔۔

آنٹی سیڑھیوں سے نیچے اتر گئیں، پاری بھی ان کے ساتھ نیچے آ گئی۔۔۔۔۔ نیچے ایک کشادہ سی بیسمنٹ تھی۔ جس کے کونے میں گھر کا فالتو سامان پڑا ہوا تھا۔ درمیان میں دو پلنگ جوڑ کر اس پر بستر لگا دیا گیا تھا۔ ایک پرانا سا صوفہ بھی پڑا تھا۔

ڈیوڈ سوٹ کیس اٹھا کے نیچے آ گیا۔

فی الحال یہ تمہارا کمرہ ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔؟

فرسٹ کلاس۔۔۔۔۔ ڈیوڈ سوٹ کیس جماتے ہوئے بولا۔ پاری! تم پہلی دفع آئی ہو یہاں گھر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔

بس ہمارے پاس دو بیڈ رومز ہیں۔ ایک ماسٹر بیڈ روم ہے اور دوسرا چھوٹا سا کمرہ بچیوں کا ہے۔ جب تم لوگوں نے آنے کا لکھا تھا تو میں نے بیسمنٹ صاف کر کے سامان ایک طرف لگا دیا اور یہ تمہارا کمرہ بنا دیا اس میں گزارا کر لو۔۔۔۔۔

بہت اچھا ہے آنٹی، بالآخر پاری بولی۔۔۔۔۔ اور وہ کیا ہے اس نے ایک پردے کی طرف اشارہ کیا۔۔۔۔۔

ہاں وہ ایک چھوٹا سا باتھ روم ہے، وہ ہم سب نے مل کر خود ہی بنایا ہے، بیسن تو پہلے لگا ہوا تھا اس میں شاور اور سیٹ لگا دی گئی ہے۔ قانوناً یہاں باتھ روم بنانے کی اجازت لینا پڑتی ہے مگر ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا اس لیے اس کے آگے ایک پردہ لٹکا دیا ہے۔۔۔۔۔ بس تم دونوں نے ہی تو استعمال کرنا ہے۔

It's ok آنٹی، ڈیوڈ ہنس کر بولا۔ یہ کیا کم ہے کہ آپ نے ہمیں سہارا دیا ہے۔۔۔۔۔ ہم سب ٹھیک کر لیں گے۔

پاری کا نیند سے برا حال ہو رہا ہے پاری تم گرم پانی سے شاور لو اور مزے سے سو جاؤ۔۔۔۔۔

جی اچھا آنٹی۔۔۔۔۔پاری اپنا سوٹ کیس کھولنے لگی۔
اور ہاں۔۔۔۔۔آپ فکر نہ کریں، ڈیوڈ ہنسنے لگا۔
نہیں آنٹی میں ذرا آپ لوگوں کے ساتھ گپ شپ لگاؤں گا چائے پیوں گا۔
پاری تم آرام کرلو، ڈیوڈ نے جاتے جاتے کہا۔
اور وہ دونوں سیڑھیوں سے اوپر چلے گئے۔پاری نے کپڑے نکالے، نیم گرم پانی سے غسل کیا اور آکر بستر پر لیٹ گئی۔اوپر سے ان سب کے باتیں کرنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں آرہی تھیں وہ لوگ اتنے دنوں کے بعد ملے تھے خوب گھل مل کر باتیں کررہے تھے۔۔۔۔۔۔
پاری بستر پر گری تو پھر اسے ہوش نہ رہا، گھوڑے بیچ کر سوگئی۔۔۔۔۔۔رات کا پتہ نہیں کون سا پہر ہوگا۔جب پاری کی آنکھ کھل گئی۔۔۔۔۔آنکھ کھلی تو حیرت سے آنکھیں پھاڑے ادھر ادھر دیکھنے لگی، تھوڑی دیر تو اسے پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کہاں ہے۔زمین پر ہے یا آسمان پر ہے۔۔۔۔۔پھر رفتہ رفتہ وہ اپنے اوسان میں آنے لگی۔سیڑھیوں پر سے ایک ہلکی روشنی نیچے آرہی تھی۔اس میں اس نے اپنے ماحول کو دیکھنے اور پہچاننے کی کوشش کی تو اسے یاد آگیا کہ وہ پاکستان میں نہیں ہے کینیڈا آچکی ہے۔اور یہاں ٹرانٹو میں ہے۔۔۔۔۔جوں جوں وہ اپنے آپ میں آتی گئی۔چیزیں اس پر واضح ہوتی گئیں اس وقت وہ آنٹی کوکو کی بیسمنٹ میں تھی۔ساتھ والے پلنگ پر ڈیوڈ بے خود سا سو رہا تھا اسکے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آرہی تھی۔۔۔۔۔۔
پاری نے پاؤں بستر سے نیچے لٹکائے۔زمین چھوڑ کر پھر کھڑی ہوگئی۔۔۔۔۔۔اس وقت اسے شدید بھوک محسوس ہورہی تھی کل شام چار بجے وہ سوگئی تھی اور کسی نے اسے جگانے کی ضرورت ہی نہ سمجھی تھی، پتہ نہیں کب یہ لوگ رات کا کھانا کھا کر سو گئے تھے۔وہ بے اختیار سیڑھیوں کی طرف بڑھی، پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو اسے احساس ہوا کہ ادھر تو بالکل سناٹا ہے سب لوگ سو رہے ہوں گے۔ان کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں۔یہ تو وہ جانتی تھی کہ ان ملکوں میں رہنے والوں کے معمولات اپنے ہوتے ہیں پتہ نہیں کب سوتے ہیں کب جاگتے ہیں۔۔۔۔۔پہلے دن اجنبی گھر میں وہ کیسے باورچی خانے میں گھس جائے۔۔۔۔۔کیا کرے۔۔۔۔۔۔؟
وہیں کھڑے کھڑے اس نے اپنے کمرے کی بتی کا بٹن تلاش کیا، اسے سیڑھیوں کے پاس ہی مل گیا اس نے بٹن آن کردیا کمرہ روشن ہوگیا ڈیوڈ اس طرح بے ہوش پڑا تھا کہ بتی جلنے سے ذرا بھی نہ کسمسایا۔اس نے اک اک چیز کا جائزہ لینا شروع کردیا۔شام کو تو وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ کمرے کو غور سے نہ دیکھ سکی تھی۔اب اس نے دیکھا سیڑھیوں کے نیچے جہاں چھت سی بن گئی تھی وہاں ایک پرانی سی میز پڑی ہوئی تھی۔اس کے ساتھ دو کرسیاں بھی تھیں۔جیسے کہ کھانے کی میز اسے بنایا گیا ہو، قریب آکے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔تو یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔میز پر ناشتہ کا سامان پڑا تھا، ڈبل روٹی، جام، مکھن، چائے کی پتی، دودھ کا ڈبہ، چینی کا ڈبہ۔۔۔۔۔اور دو بڑے بڑے مگ اگر یہ سامان پڑا ہے تو چولہا کہاں ہوگا۔۔۔۔۔اس نے فوراً چولہا تلاش کرلیا۔وہاں ایک گیس کا چولہا بھی تھا، گویا وہ کارنر ایک منی کچن تھا۔۔۔۔۔یہ دیکھ کر اس کی بھوک اور بھی چمک اٹھی۔اس نے ایک پرانے سے ٹوسٹر میں ڈال کے ٹوسٹ سینکیں۔ان پر مکھن اور جام لگا کے کھانے لگی۔پھر اس نے چولہا جلایا اور چائے بنالی، مزے مزے سے پینے لگی، ساتھ میں سوچتی جاتی کہ یہ کتنے پریکٹیکل لوگ ہیں۔مہمانوں کے لیے آسانیاں پیدا کردی ہیں۔تاکہ وہ گھر والوں کو تکلیف ہی نہ دے سکیں۔جب وہ اچھی طرح پیٹ بھر کے ناشہ کرچکی تو اسے خیال آیا یہاں برتن دھونے کے لیے نوکر نہیں ہوتے۔اس لیے برتن اسے خود ہی دھو کر رکھنا پڑیں گے۔۔۔۔۔۔جتنے برتن اس نے استعمال کیے تھے انہیں اکٹھے کرکے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے وہ غسل خانے کی جانب جارہی تھی کہ ایک ڈھکن نیچے گر گیا جس سے ڈیوڈ کی آنکھ کھل گئی وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا اور نیند بھری آنکھوں سے بولا۔۔۔۔۔
پاری کیا کررہی ہو، کہاں جارہی ہو۔۔۔۔۔۔؟
ڈیوی۔۔۔۔میں یہ برتن دھونے جارہی ہوں۔۔۔۔۔
کیوں۔۔۔۔۔کیوں۔۔۔۔۔کیا کیا۔۔۔۔۔
لیکن جب اس کی نیند اچھی طرح کھل گئی تو ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی۔
بولا۔۔۔۔۔اچھا جاؤ، برتن دھوآؤ۔۔۔۔۔
وہ برتن دھو کر آگئی۔تو ڈیوڈ اچھی طرح جاگ چکا تھا اور آلتی پالتی مارے بستر پر بیٹھا تھا۔
پاری تم نے ناشتہ کرلیا ہے، اس نے پوچھا۔۔۔۔۔
ہاں ڈیوی، سخت بھوک لگ رہی تھی کسی نے رات کے کھانے پر مجھے اٹھایا ہی نہیں۔آنٹی اٹھانے لگی تھیں مگر تم اس طرح ڈوب کر سوئی تھیں کہ میں نے منع کردیا مجھے معلوم تھا تمہیں دو تین راتوں کا جگراتا ہے، میرا خیال تھا کہ تم نیند پوری کرلو تو اچھا ہے۔

ڈیوڈ وقت کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔پاری نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھ کر پوچھا، میں نے تو اپنی گھڑی پر پاکستانی وقت بدلا ہی نہیں تھا۔اس لیے پتہ نہیں چل رہا یہ دن ہے کہ رات۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے سرہانے رکھی اپنی گھڑی اٹھائی اور ٹائم دیکھ کر بولا صبح کے چار بج رہے ہیں۔یعنی دوسرا دن شروع ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔

ارے میں پورے بارہ گھنٹے سوتی رہی، پاری حیران ہو کر بولی۔

اسی لیے تو اتنی فریش لگ رہی ہو۔۔۔۔۔؟

اسی لیے تو مجھے اتنی بھول لگ رہی تھی۔۔۔۔۔۔وہ بولی

اچھا پھر مجھے بھی ناشتہ بنا دو، میں دانت صاف کر کے آتا ہوں۔ڈیوڈ دانت صاف کر کے وہاں آ بیٹھا۔۔۔۔۔۔

پاری اس کے لیے ناشتہ بنانے لگی۔

پاری تم تو اتنی مشاقی سے ناشتہ بنا رہی ہو، جیسے تم ہمیشہ سے یہاں رہتی ہو۔

اس میں مشکل کیا ہے سارا سامان انہوں نے رکھ دیا تھا۔

آنٹی کوکو کہہ رہی تھیں کہ اس طرح یہیں آرام ہو جائے گا ہم جب چاہیں ناشتہ بنا لیا کریں گے۔اور اپنی مرضی سے کر لیا کریں۔تمہیں معلوم ہے نا آنٹی کوکو اور انکل صبح آٹھ بجے کام پر نکل جاتے ہیں پریا نیکا اور اپرنا کی بس صبح سات بجے آ جاتی ہے۔ہمیں تو ایڈجسٹمنٹ کرنے میں کچھ دن لگ جائیں گے۔

نہیں مجھے تو یہ بندوبست بہت ہی اچھا لگا ہے۔ہم کیوں انہیں تکلیف دیں گے، میں روزانہ تمہیں ناشتہ بنا دیا کروں گی۔

ڈیوڈ ناشتہ کر کے گرم چائے پینے لگا۔پاری نے بھی دوسرا کپ چائے کا بنا لیا۔

ان کے ناشتے کے دوران ہی پو پھٹنے لگی تھی۔۔۔۔۔۔آہستہ آہستہ کھڑکیوں میں سے باہر کی روشنی اندر آنے لگی۔

پاری نے برتن دھو کر دوبارہ سے لگا دیئے۔

ڈیوڈ اپنے بستر پر چلا گیا۔۔۔۔۔پاری نے بتی بجھا دی وہ بھی جا کر بستر پر بیٹھ گئی۔

ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔پاری آج اتوار ہے، اتوار کو یہ لوگ بہت دیر سے اٹھتے ہیں کیونکہ انکل تقریباً رات بھر جاگتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔انہوں نے مجھے بتا دیا تھا۔

ہاں میں سمجھ گئی ہوں۔۔۔۔۔پاری نے کہا۔

پارو! اب ہماری زندگی کا ایک دور شروع ہو گا، جو انتہائی مشکل ہو گا۔

ڈیوڈ بولا۔

مجھے یہاں لا کے اب ڈرا رہے ہو پاری بولی۔

نہیں جان! ڈرا نہیں رہا۔بس ذہنی طور پر تیار کر رہا ہوں۔سب سے پہلے مجھے نوکری تلاش کرنا ہو گی۔جیسی تیسی مل گئی۔پکڑ لوں گا اور تم اتنی دیر آنٹی کا ہاتھ بٹا دیا کرنا، ان کے ساتھ گھر کا کام کروا دیا کرنا تا کہ انہیں تمہارے آنے سے سہولت ہو جائے کچھ معلوم نہیں ہمیں کب تک ان کے ساتھ رہنا پڑے۔پھر ہر جگہ اپنے گھر جیسی سہولت بھی تو نہیں ہوتی۔میں جانتا ہوں تم ناز و نعم میں پلی ہو۔تمہارے گھر میں نوکر چاکر تھے آرام و آرائش تھے مگر اب۔۔۔۔۔۔

کوئی بات نہیں ڈیوی۔۔۔۔۔۔پاری قوت ارادی سے بولی ہم تو اپنی کشتیاں جلا کے آئے ہیں، رہنا تو یہیں ہے نا؟

ہاں ابتدا میں بڑی محنت کرنا پڑے گی۔

اور میں بھی تو امتحان دینا چاہتی ہوں۔

ابھی نہیں۔جب میری کوئی ملازمت پکی ہو جائے گی ہم اپنا گھر علیحدہ بنا لیں گے۔تب تم میڈیکل کا امتحان پاس کر لینا تب تک تو تمہیں بہت اچھی ملازمت مل جائے گی۔

ہاں ڈیوڈ! ملازمت تو میں ضرور کروں گی۔ورنہ میری پڑھائی ضائع چلی جائے گی۔

آؤ سو جائیں۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے اس کے گرد اپنا بازو لپیٹا۔۔۔۔۔اور اچھے دنوں کے سپنے دیکھیں۔۔۔۔۔انشاء اللہ اچھے دن ضرور آئیں گے۔

پاری اپنے پلنگ پر لیٹ گئی، پھر بولی۔۔۔۔۔دیکھو ڈیوڈ میرے میٹریس میں کتنے گڑھے ہیں میرا خیال ہے یہ آنٹی کے بہت پرانے پلنگ ہیں۔۔۔۔۔

ڈیوڈ نے ہاتھ سے اپنے میٹریس کو چھوا اور پھر بولا تم میرے پلنگ پر آ جاؤ اس کا میٹریس کچھ بہتر ہے۔۔۔۔۔۔شکر ہے انہوں نے اپنے گھر میں رہنے کی جگہ دے دی ہے بس یہی کافی ہے۔

میں گلہ تو نہیں کر رہی پاری بولی، ویسے ہی کہہ رہی تھی یہ فرنیچر پرانا لگتا ہے۔

پاری۔۔۔۔ڈیوڈ بھی لیٹ گیا اصل میں اب ہماری زندگی اور ہماری محبت کا امتحان شروع ہوگا۔پاری تم گھبراتو نہیں جاؤ گی ،میرا ساتھ تو نہیں چھوڑ دو گی۔نہیں ڈیوی!پاری نے کہا۔۔۔۔۔جب تمہارے ساتھ یہاں تک آ گئی ہوں،تو ہر مشکل کو سہہ لوں گی۔۔۔۔۔حالات کا مقابلہ کروں گی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 36

یہ چوتھا مہینہ تھا، پاری اور ڈیوڈ کو آنٹی کوکو کے گھر میں رہتے ہوئے۔ پاری نے گھر کے دروازے سے باہر جھانک کر نہیں دیکھا تھا، کیسے دیکھتی۔۔۔۔۔۔اس پر تو گویا ذمہ داریوں کا پہاڑ گرا دیا گیا تھا۔

پہلے دن ڈیوڈ نے آنٹی سے کہہ دیا تھا پاری ان کا ہاتھ بٹا دیا کرے گی۔تو آنٹی نے اسے کام سکھانے شروع کر دیئے۔انکل راج کی مٹھائیوں کی دوکان تھی جس کی ساری مٹھائیاں آنٹی گھر پر بناتی تھیں اور بیس منٹ میں جو چولہا لگایا تھا وہ مٹھائیاں بنانے کے لیے تھا اب وہ کمرہ تو انہوں نے ڈیوڈ اور پاری کو دے دیا تھا گاس کے ساتھ ہی مٹھائیاں بنانے کی ذمہ داری بھی پاری کو سونپ دی تھی۔

شروع شروع میں جب آنٹی نے کہا۔آؤ میں تمہیں گلاب جامن، رس گلے، جلیبیاں، اور سنبو بنانے سکھاؤں تو پاری نے بڑی ذوق وشوق کا مظاہرہ کیا بہت توجہ سے سیکھتی۔اور بہت نفاست سے چیزیں بناتی۔اس کی بنائی ہوئی چیزیں آنٹی سارے گھر والوں کو چکھاتی اور اسے خوب داد ملتی۔اتوار کے دن لوگ Bruch کرتے تھے۔اس لیے پاری کو صبح سے لے کر شام تک حلوہ اور پوریاں بنانی پڑتی تھیں شروع شروع میں یہ کام بہت دلچسپ لگا پھر وہ اس سے تھک گئی مگر وہ اپنی تھکاوٹ اور بے زاری کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔پہلے پہلے آنٹی خود اس کے ساتھ بیٹھ کر ساری چیزیں بناتی تھی۔جب وہ ایکسپرٹ ہو گئی تو آنٹی سارا سودا اس کے پاس رکھ کر چلی جاتی تھی۔ہر روز اسے وہ مٹھائی بنانا پڑتی جس کا سٹاک ختم ہو جاتا تھا۔بعض اوقات آرڈر آجاتا تو اسے ساری مٹھائیاں کثیر تعداد میں بنانی پڑتی یہی نہیں رفتہ رفتہ آنٹی نے سارے گھر کا بوجھ اس پر ڈال دیا تھا۔جاتے وقت اسے کہہ جاتیں کہ فلاں سبزی پکا کر رکھ دینا۔برتن دھو کے رکھ دینا گھر کی صفائی کر دینا بعض اوقات تو یوں بھی ہوتا کہ سارے گھر والے کھانے کی میز پر بیٹھ جاتے اور پاری تازے پھلکے اتار کر انہیں کھانا کھلانے لگ جاتی۔جیسے وہ ان کے گھر کی پرانی ماما ہے۔

سب لوگ کھانا کھا کے اٹھ جاتے۔اسے کچن اور برتن بھی صاف کرنے پڑتے۔پندرہ دن کے بعد پاری کو لانڈری پہ کپڑے دھونا ہوتے۔سارے گھر کے کپڑے استری کرنا ہوتے پورا ہفتہ کیسے گزرتا ہے کہاں گزرتا ہے اسے ہوش ہی نہ رہتا۔اس پر آنٹی کی بیٹیاں اس قدر بدتمیز اور بگڑی ہوئی تھیں۔بار بار اس سے چائے بنواتیں اور اپنے کام کروایا کرتیں۔

ڈیوڈ ایک ہفتہ تک انکل کی دوکان پر جاتا رہا تھا۔پھر اسے سیکیورٹی گارڈ کی نوکری مل گئی۔انکل نے بتایا تھا کہ یہاں آسانی سے صرف سیکیورٹی گارڈ کی نوکری ہی مل سکتی ہے۔اس میں تنخواہ بہت کم ہوتے مگر جب تک کوئی اچھی نوکری نہیں ملتی اس سے کام چلا لے۔

دن کے وقت ڈیوڈ انکل کی دوکان پر ان کا ہاتھ بٹاتا۔اور وہاں سے دو بجے بس پکڑ کے نئی ڈیوٹی پر چلا جاتا۔دو بجے سے لے کر رات دس بجے تک اس کی ڈیوٹی تھی۔اتوار کے روز ڈیوڈ کو بھی گھر کے بہت سے کام کرنے ہوتے۔آنٹی کیس اتھ جا کر گروسری لاتا۔پھر آ کر ان کے لان میں مشین چلاتا۔پودوں کو پانی دیتا فارغ ہو کر رات کو پریانیکا اور اپرنا کو ہوم ورک کرواتا۔اس قدر تھک کر آتا کہ بستر پر گرتے ہی سو جاتا۔۔۔۔۔

یہ زندگی اتنی مشکل ہو گی، پاری کے سان گمان میں بھی نہیں تھا۔صبح ہوتی اور وہ قیدیوں کی طرح کام میں جت جاتی۔اس کا وزن کم ہو گیا تا اس کے خوبصورت ہاتھوں پر جلنے کے بے شمار داغ ابھر آئے تھے۔چوبیس گھنٹے چولہے کے آگے بیٹھنے سے اس کا رنگ کھلا گیا تھا۔شروع شروع میں جب اس کو پریکٹس نہیں تھی تو اکثر کڑاہی کا گرم پانی اس کے ہاتھوں پر گر جاتا تھا۔اپنے ہاتھوں کے چھالے دیکھ کر وہ اکثر رویا کرتی تھی۔۔۔۔۔۔اس کی زندگی اس قیدی کی مانند ہو گئی تھی جسے بیگار والے پکڑ لیتے ہیں اور دن رات اس سے مشقت کرواتے ہیں۔

مگر وہ دونوں تو صرف دو وقت کی روٹی کے قیدی تھے۔ایک معمولی سی رہائش کے قیدی تھے۔بیس منٹ میں ساری دن چولہا جلتا تھا اور مٹھایاں بنائی جاتی تھیں۔رات کو انتی گرمی ہو جاتی کہ سونا محال ہوتا۔مگر وہ زبان سے اف نہیں کر سکتی تھی۔کہتی بھی تو کس سے، بیچارا ڈیوڈ خود اس صورت حال کے لیے تیار نہیں تھا۔پاری کی ساری تکلیفیں دیکھتا تھا۔مگر کچھ کہتا نہیں سی تھا کہنے کا کیا فائدہ تھا۔۔۔۔۔۔ایک معمولی سی نوکری پر اس کی زندگی کا دارومدار تھا۔

اب تو آنٹی ذرا سی بات پر پاری کے ساتھ تلخ ہو جاتی تھیں اس کے کام میں کیڑے نکالنے لگ جاتی۔دبی دبی زبان سے طعنے بھی دیتی۔جنہیں پاری خاموشی سے سہہ لیتی۔وہ ڈیوڈ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔اور ڈیوڈ سب کچھ دیکھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔۔۔۔۔

ایک دن تو غضب ہو گی، پریانیکا اپنا شیمپو پاری کے غسل خانے میں چھوڑ آئی تھی۔پاری کا اپنا شیمپو ختم ہو چکا تھا وہ نہانے گئی تو پریانیکا کا شیمپو استعمال کر لیا۔رات کو جب کام ختم کر کے پاری بیس منٹ میں آ کر اپنے لمبے بالوں کو سلجھا رہی تھی اور ڈیوڈ پاس لیٹا ایک رسالہ دیکھ رہا تھا۔آنٹی کوکو تیزی سے سیڑھیاں اتر کے آئیں ان کے ہاتھ میں شیمپو کی بوتل پکڑی ہوئی تھی، بولیں۔

پاری! تمہیں اتنی تمیز نہیں ہے کہ تم نے بغیر اجازت کے پریانیکا کا شیمپو استعمال کر لیا۔ یہ دیکھو کل ہی بھری ہوئی بوتل لائی تھی تم نے ساری خالی کر دی ہے۔

پاری ہکا بکا سی انہیں دیکھنے لگی، وہ بولیں۔

ایک تو تمہارے بال اتنے لمبے ہیں جب اپنا شیمپو خریدنے کی توفیق نہیں ہے تو بالوں کا یہ جھنجھٹ کیوں پال رکھا ہے۔ کٹوا دو ان بالوں کو۔۔۔۔۔۔اور ہاں آئندہ ہماری اجازت کے بغیر ہماری چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا۔ اتنا بہت ہے کہ ہم نے تم لوگوں کو رہنے کا آسرا دے دیا ہے۔

پاری نے سر جھکا لیا، ڈیوڈ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بڑے آرام سے بولا۔

آنٹی! آئی ایم سوری۔۔۔۔۔۔آئندہ پاری آپ کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے گی۔

آنٹی کچھ شرمندہ ہوئیں۔۔۔۔۔مگر پھر تلخی سے بولیں۔

پاری کے بال کٹوا دو یہاں اتنے لمبے بال رکھنے کا فیشن نہیں ہے۔۔۔۔۔اسے کہو ورکنگ ویمن والے طور طریقے اختیار کرے۔ یہ عیاشیاں یہاں افورڈ نہیں ہو سکتیں۔۔۔۔۔

سیڑھیاں چڑھنے لگیں پھر بولیں۔۔۔۔۔

صبح میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گی، دس ڈالر دے کر اس کے بال کٹوا دوں گی، شیمپو کا خرچہ تو بچ جائے گا۔

وہ اوپر چلی گئیں۔۔۔۔۔پاری چپ چاپ روتی رہی۔۔۔۔۔اس کے بے آواز آنسو اس کے اپنے دامن میں گرتے رہے اتنی بے عزتی اس نے زندگی میں برداشت نہیں کی تھی۔۔۔۔۔۔دس ڈالر کو وہ کیا سمجھتی تھی مگر وہ تو تقدیر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے یہاں آ گئی تھی۔

آنٹی جاتے وقت شیمپو کی خالی شیشی چھوڑ گئی تھیں۔ پاری نے اٹھ کر شیشی پر لگی قیمت پڑھی۔ یہ شیمپو بھی دس ڈالر کا تھا۔ اس نے ڈیوڈ سے ڈالر مانگے۔ ڈیوڈ نے پرس کھول کر اسے دس ڈالر دے دیئے۔ پاری شیشے ہاتھ میں پکڑ کر اوپر گئی۔ پریانیکا اپنے کمرے میں آڑھی ترچھی لیٹی ٹی۔وی دیکھ رہی تھی۔ پاری نے اس کے آگے دس ڈالر رکھ کر اوپر شیمپو کی شیشی رکھ دی اور الٹے پاؤں واپس آ گئی۔

نہ تو پریانیکا نے کچھ کہا، اور نہ اس کی ماں نے۔۔۔۔۔

کمرے میں واپس آ کے پاری نے چپ بیٹھے ہوئے ڈیوڈ سے کہا۔۔۔۔۔ڈیوڈ میں بال ہرگز نہیں کٹواؤں گی۔ اگر تم نے یا تمہاری آنٹی نے مجھے مجبور کیا تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔

نہیں پاری۔۔۔۔۔گم صم بیٹھا ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔میں تمہیں بال کٹوانے کو ہرگز نہیں کہوں گا۔

وہ پاری کی ذہنی کیفیت کو محسوس کر رہا تھا بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا مگر پاری کے حوصلے کے بندھ ٹوٹ گئے تھے۔ ہچکیاں لے لے کر بولی۔۔۔۔۔تم نے دیکھا ڈیوڈ میں چار مہینوں سے نوکرانی بن کے ان لوگوں کی خدمت کر رہی ہوں مجھے آرام کا کوئی لمحہ نہیں ملتا۔ ہماری سات پشتوں میں کبھی کسی نے مٹھائی نہیں بنائی تھی مگ ران لوگوں کی خاطر میں نے یہ کام بھی سیکھا۔۔۔۔۔دیکھو میرے ہاتھ۔۔۔۔۔دیکھو نا؟

اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھرا کر ڈیوڈ کو دکھائے، ان کی پشت پر جا بجا چلے ہوئے نشان تھے۔۔۔۔۔

ڈیوڈ نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

دیکھو ایسے تھے میرے ہاتھ۔۔۔۔۔میں سارا دن چولہے کے آگے بیٹھی رہتی ہوں، کڑاہی میں سے جو دھواں اٹھتا ہے اس نے میری رنگت جھلسا دی ہے میں نے کبھی تم سے گلہ نہیں کیا۔۔۔۔۔یہ سوچ کر کہ مشکل وقت ہے گذر جائے گا۔۔۔۔۔آخر میں بھی انسان ہوں۔۔۔۔۔میں گھر بھر کے کام نوکرانی کی طرح کرتی ہوں۔ برتن میں مانجھتی ہوں۔ صفائیاں میں کرتی ہوں سارے کپڑے دھو کر میں استری کرتی ہوں۔۔۔۔۔بس مفت میں ہی نا؟۔۔۔۔۔

اور دن رات جھڑکیاں بھی سہتی ہوں، دو وقت کی روٹی کے لیے۔۔۔۔۔ڈیوڈ تم مجھے اس لیے یہاں لائے تھے پاری گھٹنوں پر سر رکھ کے رونے لگی۔

ڈیوڈ نے پاری کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چوم لیے۔ اور بولا۔۔۔۔۔پاری میں خود اپنے آپ سے شرمندہ ہوں جان! تم خود ہی کہوں ڈیوڈ، اگر اتنا کام میں کسی اور کے گھر میں کرتی تو کیا وہ مجھے تنخواہ نہ دیتے۔۔۔۔۔اس سے اچھا تھا تم مجھے کسی ہوٹل میں نکر کروا دیتے۔ کم از کم نیند تو اپنی ہوتی، کم از کم عزت نفس تو مجروح نہ ہوتی۔

ڈیوڈ نے پاری کو اپنے گلے سے لگا لیا اور بچوں کی طرح اسے تھپکتا رہا جب اس کی ہچکیاں ختم ہوئی تو بڑی آہستہ آواز میں بولا۔۔۔۔۔پاری! جب تک آدمی کسی کیساتھ آ کر نہ رہے اس کے اخلاق و آداب کا پتہ نہیں چل سکتا میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آنٹی یہیں بلا کر ہمارے ساتھ یہ سلوک کریں گی۔۔۔۔۔

جان میں نے تمہیں کبھی نہیں بتایا کہ میرے ساتھ کیا گزر رہی ہے۔۔۔۔۔اس خیال سے کہ تم اور پریشان ہو جاؤ

گی۔۔۔۔۔

پاری نے اس کے کندھے سے سر اٹھالیا۔۔۔۔۔۔

پتہ ہے صبح کو میں انکل کی وین چلا کر انہیں دفتر لے جاتا ہوں خود وہ اپنے دوسرے کاموں میں پر نکل جاتے ہیں واردو پہر تک میں وہاں سیلز مین کا کام کرتا ہوں۔ پھر اپنی شام کی ڈیوٹی کے لیے نکل جاتا ہوں۔۔۔۔۔۔وہ مجھے اتنا وقت نہیں دیتے کہ میں اپنے لیے کوئی دوسرے نوکری تلاش کروں۔۔۔۔۔۔ورنہ کیا مجھے اس شہر میں کوئی بہتر نوکری نہیں مل سکتی تھی۔تو کیا ہم ان کے ملازم ہو کر رہ جائیں گے، پاری نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔

دیکھوں میں کچھ کرتا ہوں، میری جان تم کچھ دن اور صبر سے گزارلو۔۔۔۔۔۔۔۔

پاری! میں چاہتا ہوں کہ ہم احسان فراموش نہ کہلائیں آخر انہوں نے ہمیں سہارا دیا تھا ہم جس طرح طریقے سے آئے ہیں اسی طرح سلیقے سے جائیں۔لڑائی کر کے یا ناراض ہو کے جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔آخر ہم نے بھی یہیں رہنا ہے۔

میں کب کہہ رہی ہوں کہ تم ایسا کرو۔۔۔۔۔۔۔۔مگر اب سوچنا شروع کرو کہ کب جائیں گے اور کیسے جائیں گے ۔۔۔۔۔۔۔کیونکہ سارا سال تو یہاں گل سڑ نہیں سکتے۔

ہاں پاری! تم ایک مہربانی کرنا جب تک میں کوئی بندوبست نہیں کر لیتا، سارے کام پہلے کی طرح کرتی رہنا۔ایسا نہ ہو کہ ان کے کان میں بھنک پڑ جائے اور وہ ہمیں اٹھا کر سڑک پر پھینک دیں۔

ٹھیک ہے ڈیوڈ!

صبح دفتر جانے سے پہلے ڈیوڈ نے آنٹی کو سمجھا دیا کہ وہ پاری کے بال کٹوانے اسے پارلر نہ لے جائیں۔آنٹی کو یہ سن کر غصہ بہت آیا۔مگر وہ خاموش رہیں۔

رات کو جب ڈیوڈ کام سے واپس آیا تو وہ پاری کے لیے صابن اور شیمپو کی دو تین بوتلیں لیتا آیا۔ایک بوتل اس نے پریانیکا کو دے دی جو اس نے بغیر کسی تکلف کے لے کر رکھ لی۔

چھ ماں گزر گئے۔سردیاں شروع ہو گئیں۔پاری کے حوصلے جواب دینے لگے۔اس کے کم کا بوجھ کم نہیں ہوا بلکہ موسم بدلتے ہی آنٹی نے گھر میں بہت سی دعوتیں اور پارٹیاں کرنی شروع کر دیں سارا کام پاری کے حوالے کر کے وہ خود مہمانوں میں بیٹھی گپیں لگاتی رہیں۔

اب کچھ دن سے پاری بیمار رہنے لگی تھی۔جونہی وہ گیس والے چولہے کے آگے بیٹھتی اس کا جی متلانے لگتا آگ کے آگے سے اٹھتی تو اسے چکر آنے لگتے۔اس کا سر گھومتا ہوا محسوس ہوتا۔اس نے دو تین بار ڈیوڈ سے بھی ذکر کیا تھا اس نے کہہ دیا کہ شام کو ذرا باہر کھلی ہوا میں نکل آیا کرو۔سارا دن اندر گھسی رہتی ہو آکسیجن کی کمی ہو جاتی ہے۔

اب کام ختم کر کے وہ تھوڑی دیر کے لیے سڑک پر نکل آئی تھی۔وہ کالونی شہر کے شور شرابے سے بہت دور تھی ۔۔۔۔۔۔آس پاس بہت خوبصورت گھر تھے۔مگر ہر کوئی ہر کسی سے لاتعلق رہتا تھا۔کسی کے گھر سے شور شرابے کی آوازیں نہیں آتی تھیں وہ تھوڑی دیر باہر نکل کر ٹہلتی تو اس کی طبیعت بہت کشادہ ہو جاتی۔اب اس نے روزانہ کا معمول بنا لیا تھا۔مٹھائی کا کام ختم کر کے سڑک پر نکل آتی۔۔۔۔۔ٹہلتی رہتی پھر اندر آجاتی۔دس بجے ڈیوڈ اپنے کام سے آتا تھا تب تک سب لوگ کھانا کھا کر اپنے کمروں میں چلے جاتے۔پاری بچا کھچا کھانا لے کر بیٹھی رہتی۔ ڈیوڈ آتا تو اسے کھلا کر، برتن اور باورچی خانہ صاف کر کے پھر نیچے جاتی تھی۔

اگلے ہفتے لونگ ویک اینڈ آرہا تھا۔آنٹی نے ایک گرینڈ گالا ڈنر کا اہتمام کر ڈالا۔ان کو مفت کی نوکرانی ہاتھ آئی ہوئی تھی اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ مہمانوں کو بلا رہی تھی۔

دعوت کے روز پاری کو صبح سے بہت چکر آرہے تھے اس نے ایک گولی بھی کھائی مگر اس کی طبیعت نیچے ہی جا رہی تھی ۔۔۔۔۔اتنے میں مہمان آنا شروع ہو گئے۔یوں وہ پاری کو کہہ دیا کرتی تھیں کہ وہ اچھے اچھے کپڑے پہن کر مہمانوں کے سامنے آیا کرے۔بہر حال سروس کا سارا کام پاری کو کرنا پڑتا تھا۔۔۔۔۔۔

پاری اپنا سفید کڑھائی والا سوٹ پہن کر مہمانوں کو مشروبات تقسیم کر رہی تھی اور ساری عورتیں اس کے سوٹ کی کشیدہ کاری کی تعریف کر رہی تھیں مہمانوں میں سکھ، مسلم، عیسائی، بدھ، ہر مذہب کے لوگ تھے۔۔۔۔۔ایک مہمان جو رانیا تھا، مسز اینڈ مسز فاروق یہ لوگ حال ہی میں پاکستان سے آئے تھے اور ان سے نئی دوستی ہوئی تھی۔سب عورتیں ان سے پاکستان کے حالات دریافت کرنے لگیں۔

اتنے میں پاری کوک کاٹرے اٹھائے اندر آئی۔۔۔۔۔

یہ کون ہے کوکو، مسز فاروق نے پوچھا۔۔۔۔۔۔

ارے میں نے تمہارا تعارف نہیں کروایا بھئی یہ میری بہو ہے۔۔۔۔۔۔

بہو۔۔۔۔۔۔؟ یہاں حیران کیوں ہوتی ہو، میرے ایک بھانجے کی بیوی ہے حال ہیں میں پاکستان سے آئے

ہیں۔
اچھا اچھا یہ بھی پاکستانی ہے۔۔۔۔۔۔
وہ دیکھو وہ بیٹھا میری بھانجا ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔پاری ڈیوڈ کی بیوی ہے۔
پاکستان میں کہاں رہتے تھے تم لوگ۔۔۔۔۔۔۔۔مسز فاروق نے براہ راست پاری سے پوچھا۔۔۔۔۔۔
لاہور میں۔۔۔۔۔۔لاہور کنٹونمنٹ میں
اچھا اچھا۔۔۔۔۔لاہور کی شکلیں الگ سے پہچانی جاتی ہیں بڑی پیاری لڑکی ہے کیا نام ہے تمہارا؟
پارسا۔۔۔۔۔۔۔!
پاری کو ایسے لگا جیسے اس نے یہ نام پہلی بار لیا ہو۔
پارسا۔۔۔۔۔۔؟وہ بولی۔۔۔۔۔۔۔کتنا عجیب نام ہے کرسچن تو ایسا نام نہیں رکھتے۔۔۔۔۔۔۔
ارے یہ تو مسلم ہے، آنٹی نے بڑی رعونت سے کہا۔۔۔۔۔۔
ہاں۔۔۔۔۔۔۔ہے تو مسلم فیملی سے مگر میرے بھانجے سے لو میرج کی ہے۔
اچھا۔۔۔۔۔۔مسز فاروق نے گہری نظر سے پاری کو دیکھا پاری نے باہر نکل جانے میں عافیت جانی۔۔۔۔۔
مگر چھوٹے گھروں میں اتنی دور کوئی نہیں جا سکتا۔۔۔۔۔۔کہ کان میں آواز نہ آئے۔
مسز فاروق بولی۔۔۔۔۔۔۔اچھے مسلم گھرانوں کی لڑکیاں کبھی دوسرے مذہب میں شادی نہیں کرتیں یہ ضرور کسی لو (Low) فیملی سے ہوگی۔۔۔۔۔۔
شکل سے ہی لگ رہی ہے کہ گھر سے بھاگی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔
پاری کو اتنی زور سے چکر آیا کہ بڑے اس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ بھی زمین پر پھسل سی گئی۔
آنٹی دوڑی آئیں ان کی سہیلیاں بھی آ گئیں۔۔۔۔۔ڈیوڈ پہلے بھاگ کر اندر آیا۔
پاری بے ہوش ہو گئی تھی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 37

ڈیوڈ اسے بازوؤں میں اٹھا کر بیس منٹ میں لے گیا اسے معلوم تھا کہ پاری کل رات سے کام کر رہی تھی۔۔۔۔۔ تھک گئی ہوگی۔۔۔۔۔۔اسے بستر پر لٹا کر وہ اس کے پاس خاموش بیٹھ گیا۔وہ کیا کر سکتا تھا۔۔۔۔۔اور اوپر ڈنر کا شور تھا موسیقی کا ہنگامہ تھا۔۔۔۔۔۔ہر کوئی اپنے خیال میں مگن تھا شاید کھانا شروع ہو رہا تھا اچھا ہوا کہ پاری بے ہوش ہوگئی ورنہ یہ ساری نوکری اسے دینا پڑتی۔۔۔۔۔۔

وہ اداس سا اپنی بیوی کے پاس بیٹھا رہا۔۔۔۔۔اتنے میں اسے سیڑھیوں پر چاپ سنائی دی۔۔۔۔۔۔انکل راج نیچے آ رہے تھے ان کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔

بھئی ڈیوڈ! مجھے کوکو نے ابھی بتایا کہ پاری بے ہوش ہوگئی ہے یہ راجیش ملہوترا ہیں میرے دوست، یہ ڈاکٹر ہیں۔ میں نے سوچا جانے سے پہلے پاری کو دکھا دوں کیا ہوش میں آگئی۔۔۔۔۔۔

نہیں انکل۔۔۔۔۔۔

کوئی بات نہیں، ڈاکٹر راجیش نے کہا میں ابھی دیکھ لیتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔

اس نے قریب آ کر نبض دیکھی پپوٹے کھول کر دیکھے۔۔۔۔۔۔ہاتھوں پاؤں کو ہلایا جلایا۔۔۔۔۔۔

اتنی دیر میں پاری کو ہوش آ گیا اس نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔

بولی۔ مجھے کیا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔؟

کچھ نہیں ہوا تھا تم بس بے ہوش ہوگئی تھیں ڈاکٹر راجیش نے کہا۔

ٹھہرو میں تمہیں اچھی طرح دیکھ لوں۔۔۔۔۔ڈاکٹر نے پھر اس کی نبض دیکھی۔

کھڑے ہو گئے بولے میرا خیال ہے۔یہ پریگنٹ ہیں۔حمل میں ایسی کمزوری ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔فکر کی بات نہیں۔انہیں آرام کرنا چاہیے اور جلدی آپ اپنی لیڈی ڈاکٹر کو بھی دکھا لیں۔۔۔۔۔۔

انکل راج اور ڈاکٹر راجیش واپس چلے گئے ڈیوڈ حیران سی پاری کی صورت دیکھ کر مسکرانے لگا۔۔۔۔۔۔

تم نے میری جان نکال لی تھی۔

اچھا اب تم شور نہ مچانہ۔جب تک میں لیڈی ڈاکٹر سے تصدیق نہ کرالوں۔

صبح تو ارتھی۔سب لوگ دیر سے اٹھے ڈیوڈ نے پاری سے کہہ دیا تھا اب وہ آرام کرے اور زیادہ کام نہ کرے۔

شام کو آنٹی کوکو بیس منٹ میں آ گئیں۔پاری لیٹی تھی۔اور ڈیوڈ اس کے پاس بیٹھا تھا آتے ہی بولیں۔

ڈیوڈ۔یہ کیا حماقت کی ہے تو نے۔۔۔۔۔۔

کونسی آنٹی، یہی تم نے پاری کو پریگنٹ کر دیا ہے۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ شرمندہ سا چپ ہو گیا۔

بے وقوف یہ کوئی بچہ پیدا کرنے کے دن ہیں۔ابھی تمہیں کوئی ڈھنگ کا جاب نہیں ملا، نہ کوئی گھر ہے نہ کھانے کو ہے۔پتہ ہے بچے کی پیدائش پر کتنے خرچہ آتا ہے۔

سنو گے تو ہوش اڑ جائیں گے۔

آنٹی بھلا ان باتوں پر بندے کا اختیار رہوتا ہے، ڈیوڈ نے کہا۔

کیوں نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔تم پاکستانیوں کی طرح اب بے وقوفی پر اتر آؤ تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔

پاری چپ لیٹی رہی۔۔۔۔۔۔اس نے جنبش بھی نہیں کی۔

آنٹی آ کر اس کے پاس بیٹھ گئی، اور بولیں۔۔۔۔۔میں اسے اپنی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی اگر واقعی حمل ٹھہر گیا ہے تو ابارشن کرا دوں گی۔

ابارشن۔۔۔۔۔۔کیوں آنٹی۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ بولا۔

ارے یہاں یہ ابارشن کروانا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔میں بھی دو مرتبہ کرا چکی ہوں۔

کیا کرے گی یہ بچہ پیدا کر کے، اور مصیبت ہو جائے گی۔بچے کے اخراجات کیسے اٹھاؤ گے؟

کیا کرو گے۔۔۔۔۔۔؟

اللہ مالک ہے آنٹی۔۔۔۔۔۔؟

ایسی جاہلوں والی باتیں نہ کرو۔دیر ہو گئی تو ابارشن میں مسئلے پیدا ہو جائیں گے۔کل مجھے بتا دینا۔میں اپنی لیڈی ڈاکٹر کو فون کر دوں گی۔اور اٹھو پاری تم کیا۔۔۔۔منہ لپیٹے پڑی ہو۔۔۔۔۔کام میں دل لگاؤ۔اوپر رات کے برتن ویسے ہی پڑے ہیں۔آ کر میرے ساتھ دھلوا دو۔یہ کہہ کر آنٹی اوپر چلی گئیں۔

ان کے جانے کے بعد پاری اٹھ کر بیٹھ گئی۔اور فیصلہ کن انداز میں بولی۔

ڈیوڈ: میں تمہیں صاف کہہ دیتی ہوں۔میں ہرگز بچہ ضائع نہیں کراؤں گی میں بچہ پیدا کروں گی مجھے بچے کی

ضرورت ہے۔
ڈیوڈ بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔
آج تک میں نے تم سے کچھ نہیں مانگا ۔۔۔۔۔۔ جب سے شادی ہوئی ہے کوئی مطالبہ بھی نہیں کیا۔ جس طرح تم نے رکھا میں رہی جہاں تم مجھے لے آئے میں آ گئی ۔۔۔۔۔۔ اس لیے میری پہلی ڈیمانڈ ہے کہ میں بچہ پیدا کروں گی۔
پھر ڈیوڈ کو چپ دیکھ کر بولی۔ اگر تم سمجھتے ہو، ہمارے مالی حالات ٹھیک نہیں ہیں اور ہم بچے کی پیدائش کا خرچہ نہیں اٹھا سکتے۔ تو پھر میں واپس پاکستان چلی جاؤں گی ۔۔۔۔۔۔۔ یہ ٹھیک ہے کہ میری ماں مجھ سے ناراض ہے مگر تمہارے ماں باپ مجھے اور بچے کو اون کریں گے میں سیدھی ان کے پاس چلی جاؤں گی ۔۔۔۔۔
سنا تم نے ۔۔۔۔ میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے اور اب اس گھر کے دروازے مجھ پر بند ہوا چاہتے ہیں بہتر ہے میں خود کہیں جا کر نوکری تلاش کر لوں۔ برتن ہی مانجھنا ہیں تو کسی ہوٹل میں جا کر مانجھ لوں گی۔ ۔۔۔۔
ڈیوڈ نے حیرت سے پاری کی طرف دیکھا۔ ۔۔۔۔ آج اس کے چہرے پر ایک عجیب اجالا تھا جو ڈیوڈ نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ ۔۔۔۔
اس نے جوتا پہنا اور اوپر کوٹ چلا۔ ۔۔۔
میری بات کا جواب دیئے بنا کہاں جا رہے ہو۔ ۔۔۔۔ ڈیوی!
میں آنٹی کا ہاتھ بٹانے جا رہا ہوں، تم آرام کرو! ڈیوڈ بولا۔
ایک ماہ اور گزر گیا۔ پاری خاموشی سے مٹھائی بنانے کا کام کرتی رہی۔ اتوار کو پوریاں تلتی رہی۔ اور گھر کا جس قدر کام ہو سکا کرتی رہی۔
ڈیوڈ نے آنٹی کو بتا دیا تھا۔ کہ پاری ابارشن کروانے پر راضی نہیں ہے۔
تب انہوں نے منہ چڑھا کر کہا تھا۔
''اونہہ یہ مسلم لڑکیاں ۔۔۔۔۔ یہ اپنے مذہب کے خول سے کبھی باہر نہیں آتیں۔ خواہ کتنی بھی تعلیم حاصل کر لیں۔ ہر بات کو گناہ اور ثواب کے پلڑے میں ڈالنے بیٹھ جاتی ہیں۔ جب بھیک مانگنے پر نوبت آئی۔ تب اسے پتہ چلے گا۔ اس ملک میں کوئی کسی کو ایک دن کے لیے بھی سہارا نہیں دے سکتا۔''
ڈیوڈ کو آنٹی کا پیغام مل گیا تھا۔ بس اس نے اتنا کہا ۔۔۔۔ میں اسے زیادہ مجبور نہیں کر سکتا۔ ۔۔۔۔
گھر کے ماحول میں سرد مہری سی آ گئی تھی۔ آنٹی اب ان لوگوں سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ ''پچھلے مہینے ڈیوڈ نے انکل راج سے معذرت کر لی۔ اور صاف کہہ دیا کہ اب وہ صبح کے نائم اس کی دوکان پر کام نہیں کر سکتا۔ پاری کے حاملہ ہو جانے کی وجہ سے اسے کوئی اور پارٹ نائم جاب تلاش کرنا ہے ۔۔۔۔۔''
وہ ان کا جواب سنے بغیر نکل گیا تھا۔ کیونکہ ان چھ سات مہینوں میں، وہ بازاروں اور جگہوں سے بہت واقف ہو گیا تھا۔ جہاں وہ سکیورٹی گارڈ کی ڈیوٹی دیتا تھا۔ وہاں ایک میکسیکن اس کا دوست بن گیا تھا۔ جس سے یہ جا کر چارج لیتا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے کسی جاب کے بارے میں معلومات دے گا۔
ایک مہینے کی تلاش کے بعد اسے جاب مل گیا تھا۔ جو صبح آٹھ بجے سے ایک بجے تک تھا ۔۔۔۔۔ ایمی لیو جو اس کا کولیگ تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کا ایک عزیز چھٹی پر وطن جا رہا تھا۔ وہ ڈاک خانے میں چھٹیاں تقسیم کرنے پر مامور تھا۔ اگر ڈیوڈ ایک ہفتہ اس کے ساتھ کام کر کے گھر گھر جانے کا تجربہ کر لے۔ تو یہ جاب اسے تین ماہ کے لیے مل سکتا ہے۔ اس کے بعد کوئی اور جاب مل جائے گا۔ مگر چھٹیاں چونکہ اس نے ''مسسی ساگا'' میں تقسیم کرنا ہوں گی۔ اس لیے اسے گھر بھی ''مسسی ساگا'' میں لے کر رہنا پڑے گا۔ پھر اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کا دوست ''رکی'' وہیں ایک سستے اپارٹمنٹ میں رہتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اسی کا اپارٹمنٹ کرائے پر لے کر رہ سکتا ہے ۔۔۔۔۔
ابھی ڈیوڈ کی تنخواہ محض پندرہ سو ڈالر ماہوار تھی۔ مگر اپنا ہر خرچہ بچا کر اس نے کافی رقم جمع کر لی تھی۔
کئی دنوں سے وہ پاری کا اداس اور بجھا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ کئی دنوں سے وہ آنٹی کا بیزار اور تنا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جب سے اس نے انکل کی دوکان پر جانا چھوڑا تھا۔ وہ اس سے بات تک کرنا گوارہ نہیں کرتے تھے ۔۔۔۔ اور تو اور پرینکا اور اپرنا ہر موقع پر پاری کو گالیاں دینے لگی تھیں۔ کئی بار صاف صاف کہہ دیتیں ۔۔۔۔۔ اگر تمہیں چائے بھی ٹھیک طرح بنانا نہیں آتی۔ تو جاؤ دفعہ ہو جاؤ۔ پاکستان واپس چلی جاؤ۔ یہاں تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ۔۔۔۔۔۔
کبھی کہتیں ۔۔۔۔ ماما ہمیں بیس منٹ خالی کرا دو۔ ہم نے وہاں اپنی فرینڈز کو بلا کر پارٹیاں کرنی ہیں ۔۔۔۔۔
پاری سب سن کر چپ رہتی تھی۔ جتنا کام ہو سکتا کرتی رہتی۔ وہ ڈیوڈ کا چہرہ دیکھتی وہاں بھی سوچ اور فکر کے سائے دیکھتی۔ دل ہی دل میں خدا سے دعا کرتی کہ اس کی مدد کرے اس مصیبت میں نجات کی راہ مل جائے ۔۔۔۔۔۔

اس مہینے کی تنخواہ لے کر جب ڈیوڈ آیا۔ تو آتے ہوئے پاری کے لیے تھوڑا سا پھل بھی لیتا آیا۔۔۔۔۔

جونہی بیسمنٹ میں اترا پاری وہاں اس کا کھانا تیار کیے بیٹھی تھی۔ پہلے تو وہ لوگ اپنا ناشتہ خود بناتے تھے۔ اور ڈیوڈ ناشتہ کی چیزیں بھی خود خرید کر لاتا تھا۔ مگر جب سے پاری حاملہ ہوئی تھی۔ اور انکے باورچی خانے کا کام چھوڑا تھا۔ آنٹی نے کہہ دیا تھا۔ وہ اپنا کھانا بیسمنٹ میں ہی پکا لیا کریں۔

تم دیکھ رہے ہو، ڈیو۔۔۔۔۔ پاری کہا کرتی۔ مشکل وقت میں عزیزوں کا ملمع کس طرح اتر جاتا ہے۔

ہاں دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔۔؟ ڈیوڈ کہہ دیتا۔ تم فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

آج جب ڈیوڈ سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ پاری نے محسوس کیا اس کے چہرے پر طمانیت کی ایک لہر تھی۔ جو اس سے پہلے پاری نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔۔۔۔۔۔

وہ آگے بیٹھا پاری نے کھانا گرم کر کے اس کے آگے رکھ دیا۔ جب اس نے کھانا کھا لیا۔ تو پاری نے کہا۔۔۔۔۔

ڈیوی کیا بات ہے۔۔۔۔۔

یعنی۔۔۔۔ ڈیوڈ نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے۔

آج کوئی خاص بات ہے۔

تم نے کیسے جانا۔۔۔۔

تمہارے چہرے پر لکھا ہے۔ کہ آج کچھ ہوا ہے۔ اب دیر نہ لگاؤ۔ مجھے بتا دو۔

پاری تم اتنی باریک باتیں کیسے جان لیتی ہو؟

ڈیوڈ: جن سے محبت کی جاتی ہے نا؟ بندہ ان کے نقش و نگار کی زبان بھی سمجھنے لگتا ہے۔ آج تمہارا چہرہ کچھ اور کہہ رہا ہے۔۔۔۔۔۔

تمہارا اندازہ درست ہے پاری! تمہاری اس ذہانت نے تو مجھے تمہارا غلام بنا دیا تھا۔ تبھی تو عشق میں کود پڑا تھا۔

اچھا اب لایعنی باتیں نہ کرو۔ مجھے جلدی بتاؤ۔

جان! اظہار محبت کو تم لایعنی باتیں کہتی ہو۔ بیویاں تو ایسے لمحوں کے لیے ترستی رہتی ہیں۔

ڈیوی: تم کیا جانو۔۔۔۔۔ محبت سے زیادہ ظالم یہ عزت نفس ہے۔ جس نے مجھے صولی پر لٹکا رکھا ہے۔۔۔۔۔ کیا بتاؤں مجھے دن رات کیا سننا پڑتا ہے۔ اور کس قدر ذلت کی نوکری دینا پڑتی ہے۔ پاری آزردہ ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ڈیوڈ اٹھ کے باتھ روم میں چلا گیا۔۔۔۔۔

واپس آیا۔ اور پاری کے قریب بیٹھ گیا۔ اپنا بازو اس کی کمر میں ڈال کے بولا۔۔۔۔۔۔۔ یہ جو ہمارا بچہ آنے والا ہے نا؟ نصیبوں کا بڑا دھنی ہے۔ مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔ اچھا کیا جو تم نے ابارشن نہیں کروایا۔۔۔۔۔

پاری منہ چھپائے چپ بیٹھی رہی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ڈیوڈ محض اسے ٹال رہا ہے۔

ڈیوڈ نے روٹھی ہوئی پاری کو اور قریب کر لیا۔ اور اپنے ہونٹوں سے اس کے کان کی لویں چوکر بولا۔۔۔۔۔

مجھے ایک دوسرا جاب مل گیا ہے۔

©۔جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 38

میں نے ایک گھر بھی تلاش کر لیا ہے۔۔۔۔۔۔

ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔پاری پھر چیخی۔۔۔۔۔۔۔

اور میں نے گھر کا ایڈوانس ایک سال کا ادا بھی کر دیا ہے۔

ڈیوی: میں مر جاؤں گی۔ایک دم سے بتاؤ نا؟

ڈیوڈ نے اسے قریب کر لیا۔

یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے پاری۔۔۔۔۔۔۔۔تم ایک مضبوط ارادے کی عورت ہو۔تم نے انہی باتوں سے اور حوصلوں سے میرا اندر جگایا۔۔۔۔۔

میں ارادہ باندھ کے نکل کھڑا ہوا۔۔۔۔۔۔۔

پاری اس کے سینے سے لگی لگی رونے لگی۔۔۔۔۔۔۔۔

اور سنو پاری ہم اس اتوار کو شفٹ ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔

سچ ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔پاری اس سے لپٹ گئی۔۔۔۔۔۔۔

وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنی جلد اتنا کچھ ہو جائے گا۔سمجھتی تھی پتہ نہیں کب اس عذاب خانے سے نکلیں گے۔۔پر دیکھنا جان۔۔۔۔۔۔۔۔وہ کوئی محل سرائے نہیں۔۔۔۔۔ایک کمرے کا خالی خالی گھر ہے۔پھر نئے سرے سے کچھ تکلیفیں سہنا ہوں گی۔

کوئی بات نہیں ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔۔پاری سر اٹھا کر بولی۔

اپنا گھر تو ہو گا۔اپنی مرضی سے تو جئیں گے۔عزت کی روٹی تو کھائیں گے۔۔۔۔۔۔۔اب مجھے بھی تجربہ ہو گیا۔میں بھی کوئی نوکری تلاش کر لوں گی۔۔۔۔۔

یہاں تو مفت میں،غسل خانے دھوتی ہوں۔جھاڑو لگاتی ہوں۔کپڑے دھو کر استری کرتی ہوں۔سارا دن چولہے کے آگے بیٹھ کے مٹھائیاں بناتی ہوں۔ایسی نوکری کہیں اور ڈھونڈ لوں گی۔کم از کم تنخواہ تو ملے گی۔رات کو تو اپنے گھر آ کر آرام کی نیند سو جایا کروں گی۔

بس اب تم آرام کرو۔ابھی یہ خبر انکل اور آنٹی کو سنانی ہے۔

اتوار کے روز ڈیوڈ ایک وین کرائے پر لے آیا۔کون کا سامان زیادہ نہیں تھا۔بس انہوں نے ضرورت کے تحت کچھ برتن خرید لیے تھے۔۔۔۔۔۔

مگر آنٹی نے ازرہ ترحم انہیں ایک کٹا پھٹا میٹریس دے دیا تھا۔اور ایک کمبل بھی۔جسے پاری لینا نہ چاہتی تھی۔مگر ڈیوڈ نے مصلحتاً لے لیا تھا۔اس نے کہا تھا۔

پاری!پھر بھی وہ ہمارے محسن ہیں۔انہوں نے سات آٹھ ماہ ہمیں سہارا دیا ہے۔ہمیں سپانسر کیا ہے۔یہ بھی بڑی بات ہے۔۔۔۔۔۔کچھ بھی نہ لینے کا مطلب ہے ہم ان کے ساتھ تعلقات منقطع کر کے جا رہے ہیں۔

یوں جب آنٹی نے سنا تھا کہ وہ اس اتوار کو شفٹ ہو رہے ہیں۔تو وہ بہت حیران ہوئی تھیں۔انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ایک مہینے کے اندر ڈیوڈ نوکری بھی تلاش کر لے گا۔اور گھر بھی لے لے گا۔

انہوں نے ناک منہ چڑھا کر کہا تھا۔۔۔۔۔۔کہاں گھر تلاش کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔

جب اس نے بتایا تو بولیں۔۔۔۔۔۔ہاں وہاں۔۔۔۔۔۔۔۔وہاں ''مسیسی ساگا'' کے سستے اپارٹمنٹ ہیں۔

جی آنٹی۔فی الحال ہم سستا اپارٹمنٹ ہی لے سکتے تھے۔

خیر لے لیا ہے تو ٹھیک ہے۔دو دو نوکریوں سے کام چلا لینا۔

ان کا کہنے کا مقصد تھا۔اب دوبارہ ہمارے پاس مدد کے لیے مت آنا۔کوشش کروں گا آنٹی۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے تابعداری سے کہا۔مگر ہم دونوں آپ کا احسان کبھی فراموش نہیں کریں گے۔آپ نے اتنے دن ہمیں اتنے آرام سے اپنے گھر میں رکھا۔

لو۔۔۔۔۔۔تم کوئی غیر تھوڑی ہو۔تم اپنے ہو بھئی۔انہوں نے پاری کو طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

تمہارا اپنا گھر ہے جب چاہو آنا۔۔۔۔۔مگر وہاں رہ کر تمہیں آٹے تیل کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔

پاری تم کیا کرو گی وہاں جا کر انہوں نے تیکھے انداز میں کہا۔۔۔۔۔۔۔۔ویسے میں نے تمہیں بھی مٹھائیاں بنانی تو سکھا دی ہیں۔حلوہ پوری بھی خوب بنا لیتے ہو۔۔۔۔۔اگر کچھ پیسے جمع ہو جائیں تو تم بھی مٹھائیوں کی دوکان کھول لینا۔۔۔۔۔۔۔۔یہ کہہ کر زور سے ہنس پڑیں پاری چپ رہی۔

پھر انہوں نے کہا۔۔۔۔۔مگر تم کیا کر سکو گی۔پسماندہ پاکستانی لڑکیوں کی طرح تمہیں بچہ پیدا کرنے کی بڑی جلدی ہے۔پاکستانی لڑکیاں سمجھتی ہیں۔اگر جلد بچہ نہ پیدا کیا تو شاید خاوند بھاگ جائے گا۔یا دوسری کر لے گا۔اونہہ

یہاں اس معاشرے میں جاب کو بچے پر ترجیح دی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔خیر۔۔۔۔۔۔اب تم بھگتو تمہیں تو پتہ چلے گا۔
پھر انہوں نے ایک پرانا سا میٹریس اور ایک پھٹا ہوا کمبل نکال کر انہیں دیا بولیں۔ابھی تمہیں پلنگ وغیرہ خرید نے کی توفیق نہیں ہوگی۔یہ رکھو۔۔۔۔۔۔۔جب تک تم نیا بستر نہیں خرید سکتے۔۔۔۔۔
یونہی انہوں نے اوپر لے دل سے کہا۔وین کیوں لے آئے ہو۔راج تمہیں چھوڑ دیتے۔مگر اتوار کو وہ ذرا لیٹ اٹھتے ہیں۔
تھینک یو آنٹی ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔۔۔میں نے لینڈ لیڈی سے کہہ دیا تھا۔کہ بارہ بجے آکر ان سے چابیاں لے لوں گا۔اس لیے پلیز اب اجازت دیں۔
ٹھیک ہے۔وش یو بسٹ آف لک۔۔۔۔۔۔۔" بھئی اپنی خبر دیتے رہنا۔فون تو تمہارے ہاں نہیں ہوگا۔کبھی کبھی ادھر ادھر سے فون کر لیا کرنا۔۔۔۔۔۔
وہ دونوں ایک نئے ولولے کے ساتھ اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے۔ڈیوڈ نے لاک کھولا۔اور ٹیکسی سے سامان اٹھانے کے لیے چلا گیا۔یہ اپارٹمنٹ سیکنڈ فلور پر تھا۔زیادہ سیڑھیاں نہیں چڑھنا تھیں۔
دروازہ کھول کے پاری نے اندر قدم رکھا۔یہ ایک چھوٹا سا لونگ روم (Living Room) تھا اس کے اندر ایک کاؤنٹر بنا کے کچن بنا ہوا تھا۔ایک چھوٹی سی کوکنگ رینج پڑی تھی جس کے صرف دو چولہے تھے۔اور نیچے اوون تھا۔ساتھ ہی ایک تین فٹ کا فریج پڑا تھا۔اس کے ساتھ واش بیسن تھا۔۔۔۔۔۔دوسرے کونے میں چھوٹا سا باتھ روم تھا۔کشادہ کھڑکیاں تھیں۔باہر کی ساری روشنی اندر آرہی تھی۔آگے ایک اور کمرہ تھا۔پاری اس میں گئی۔یہ غالباً بیڈ روم تھا۔جو بھی تھا۔اس بیس فٹ والے ڈربے سے بہر حال بہتر تھا۔پاری خوش ہوگئی۔ڈیوڈ سارا سامان لے آیا تھا۔اور وین والے کو پیسے دے کر رخصت کر آیا تھا۔
سامان ہی کتنا تھا۔کپڑوں سے بھرے ہوئے دو سوٹ کیس۔۔۔۔۔۔۔ضرورت کے چند برتن اور ایک پرانا میٹریس جس میں جا بجا گڑھے پڑے ہوئے تھے جو آنٹی نے اپنے معزز مہمانوں کے لیے رکھا تھا۔ایک پھٹا پرانا کمبل جس میں سوراخ تھے۔
بس۔۔۔۔۔۔
پاری نے بیڈ روم میں جھاڑو لگا کے وہاں میٹریس بچھا دیا۔اپنے بوکس سے نکال کے ایک بیڈ شیٹ کے اوپر ڈال دی۔جو بطور خاص ملتان سے لائی تھی۔کمبل تہا کے وہ کچن میں آگئی۔برتن اپنی جگہوں پر جوڑے۔غسل خانے میں تولیہ صابن رکھا۔۔۔۔۔۔۔
کیوں کیسا ہے تمہارا گھر۔۔۔۔۔۔تمہارا اور میرا گھر۔۔۔۔۔۔یعنی ہمارا گھر۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر پوچھا۔۔۔۔۔۔
پاری مسکرا دی۔۔۔۔۔۔ڈیوی! نہ پوچھو کیسا ہے۔گھر بنانے میں ایک عرصہ لگتا ہے۔مجھے تو خوشی ہے کہ یہ ہمارا ٹھکانہ ہے۔ہمیں اس پر ہر قسم کا حق ہے۔کوئی طعنہ نہیں دے گا۔کوئی ڈراوہ نہیں دے گا۔
پارو! ابھی یہاں عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔۔۔۔۔۔۔؟
کیوں ڈراتے ہو مجھے۔۔۔۔۔۔۔؟ پاری بولی
پارو یہاں نوبت فاقوں پر آسکتی ہے۔اور مہینوں فرش خاک پر بھی سونا پڑے گا؟
کوئی مضائقہ نہیں پاری بولی۔۔۔۔۔۔۔عشق والے تو بیابانوں میں گذر کر لیتے ہیں۔
یہ ہوئی نا؟ بات۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے خوش ہو کر پاری کی پیشانی پر بوسہ دیا۔دونوں نے مل کر خوشی خوشی رات کا کھانا پکایا۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے علی الصبح اپنی پوسٹ مین والی ڈیوٹی پر جانا تھا۔کیونکہ اگلے ہفتے رکی جا رہا تھا۔اور وہ ڈیوڈ کو ساری کالونی کے گھروں سے آشنا کرنا چاہتا تھا۔پھر وہیں سے ڈیوڈ نے دوپہر کو اپنی سکیورٹی گارڈ والی ڈیوٹی پر جانا تھا۔اس لیے وہ دونوں مستقبل کے سہانے خواب دیکھتے۔اور آئندہ زندگی کے منصوبے بناتے جلدی سو گئے
۔۔۔۔۔
آدھی رات کے وقت پاری کو محسوس ہوا۔جیسے وہ برف کی طرح سرد ہوتی جا رہی ہے۔اتنے کمبل کھینچا وہ تو اس کے اوپر تھا۔تھوڑی ہی دیر میں اس نے محسوس کیا۔ڈیوڈ بھی سو سو کر رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔دونوں اک پھٹے ہوئے کمبل میں کبھی سکڑ رہے تھے۔کبھی سمٹ رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔
بالآخر ڈیوڈ نے کہا۔پاری کہیں کھڑکیاں تو کھلی نہیں ہیں۔
نہیں ڈیوڈ میں نے خود بند کی تھیں۔
پھر اتنی سردی کہاں سے آرہی ہے۔
جانتے ہو۔کھڑکیوں کے آگے پردے نہیں ہیں۔اوہو! اس بات کا ہمیں خیال نہ آیا۔ورنہ آنٹی سے دو چار پردے

مانگ لاتے۔اب صبح جا کر مانگ لائیں گے۔
نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔اب ہم آنٹی سے کچھ مانگنے نہیں جائیں گے۔وہ جس قسم کے طعنے دیں گی وہ مجھ سے برداشت نہ ہوں گے۔
تو بتاؤ یہ سردی کیسے برداشت ہوگی۔۔۔۔۔۔۔
تھوڑی ہی دیر میں دونوں تھر تھر کانپنے لگے۔
پھر پاری بولی۔۔۔۔۔۔میں چولہا جلاتی ہوں۔آؤ چولہے کے پاس چل کر سوتے ہیں۔
وقت دیکھ لینا پاری۔۔۔۔۔۔۔صبح سات بجے گھر سے نکلنا ہے۔
ڈیوڈ پھر تو جاتے ہی رہتے ہیں۔
الغرض جس طرح بھی رات گذری۔صبح پانچ بجے پاری اٹھ گئی۔اور ڈیوڈ کے لیے ناشتہ بنا دیا۔ڈیوڈ تیار ہو گیا۔۔
پاری بار بار چھینک رہی تھی۔اور سوں سوں کر رہی تھی۔
پاری تمہیں تو زکام ہو گیا ہے۔اس نے پاری کے رخسار کو چھوا۔۔۔۔۔۔ارے تمہیں تو بخار لگتا ہے۔۔۔۔۔۔
کچھ نہیں ہو گا ڈیوڈ تم جاؤ۔۔۔۔۔
تم کیا کرو گی۔۔۔۔۔۔
میرے پاس دوائیاں ہیں۔ڈیوی میں ڈاکٹر ہوں مجھے معلوم ہے۔اب مجھے کیا کرنا ہے۔
بس تم آگے کی طرف دیکھو۔۔۔۔۔۔جاؤ۔
اچھا ڈارلنگ۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے اس کے ہاتھ کو بوسہ اور باہر نکل گیا۔
پری نے دوازہ لاک کر کے اپنے لیے چائے بنائی اور اسپرین کی گولیاں کھا کر سو گئی۔وہ گہری نیند میں تھی جب کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔اس نے وقت نہیں دیکھا۔وہ سمجھی کہ ڈیوڈ ہو گا۔نیند بھری آنکھوں سے دروازہ کھول دیا۔
باہر ایک معمر اور مدبر کینڈین عورت کھڑی تھی۔
ہیلو۔۔۔۔۔۔۔۔
ہیلو۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
Let me come in please مہربانی کر کے مجھے اندر آنے دو۔وہ بولی پاری نے راستہ دے دیا۔
وہ اندر آ کے بولی۔۔۔۔۔۔میرا نام شوارنا روجر ہے۔میں اس بلڈنگ کی مالک ہوں۔اچھا اچھا۔۔۔۔۔۔پاری خوش دلی سے بولی۔آپ ہماری لینڈ لیڈی ہیں۔ویلکم۔۔۔۔۔۔مگر۔۔۔۔۔ادھر دیکھ کر اداسی سے بولی ۔۔۔۔۔۔ہمارے پاس آپ کو بٹھانے کے لیے کوئی فرنیچر نہیں ہے۔
مسز روجر نے حیران ہو کر کہا۔۔۔۔۔۔تم بہت اچھی انگریزی بولتی ہو۔کہاں سے آئی ہو۔
پاری نے کہا میں پاکستان سے آئی ہوں۔
مسز روجر بولی۔میری عادت ہے جب میرے نئے کرائے دار آتے ہیں۔تو اگلے دن میں خود ان سے ملنے جاتی ہوں۔اور انہیں تمام رولز ریگولیشنز سے آگاہ کرتی ہوں۔
بہت شکریہ مسز روجر۔۔۔۔۔۔
مسز روجر نے دونوں کمروں میں گھوم پھر کر دیکھا۔پھر کہنے لگیں۔
تم نے کھڑکیوں پر پردے نہیں لگائے تم تو رات کو سردی سے مر گئے ہو گے۔پاری خجل مندی سے مسکرانے لگی۔لگا لیں گے جلدی۔۔۔۔۔۔
خالی کمروں کی کسمپرسی سے مسز روجر نے ان کے حالات کا اندازہ لگا لیا تھا۔بولی
آپ کو یہاں آئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔
پاری نے کہا۔تقریباً آٹھ مہینے۔۔۔۔۔
پہلے کہاں رہتے تھے۔۔۔۔۔۔
ایک عزیز کے ہاں۔۔۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 39

یہاں کوئی عزیز زیادہ دن تک نہیں رکھتا ۔۔۔۔۔۔اچھا کیا تم نے شفٹ کر لیا۔ پیاری لڑکی تمہیں معلوم ہے تمہارے شوہر نے مجھے سال بھر کا کرایہ دے دیا ہے۔اب اسے تھوڑا وقت لگے گا گھر کی چیزیں خریدنے میں ۔۔
جی میں جانتی ہوں ۔پاری نے شائستگی سے کہا۔۔۔۔۔۔۔کچھ دنوں میں میں بھی نوکری تلاش کر لوں گی۔
کتنی تعلیم ہے تمہاری۔۔۔۔۔۔۔وہ بولی۔
میں نے میڈیکل کیا ہے۔ایم بی بی ایس ۔۔۔۔۔۔۔۔
مائی گاڈ۔۔۔۔۔۔۔۔وہ حیران ہو گئی ۔تم تو بہت ٹیلنٹڈ لڑکی ہو۔معلوم ہے۔یہاں بھی ایک میڈیکل کا امتحان پاس کرنا ضروری ہوتا ہے۔اس کے بعد ڈاکٹر کو آسانی سے نوکری مل جاتی ہے۔
جی میں جانتی ہوں ۔اب اپنا گھر لے لیا ہے۔تو امتحان کے لیے تیاری کروں گی۔
تمہاری تو آنکھیں لال ہو رہی ہیں۔تمہیں بخار ہو گیا ہے۔
پاری چپ رہی۔اس نے آگے بڑھ کے پاری کا ماتھا چھوا۔۔۔۔۔۔۔
اوگاڈ۔تمہیں بخار ہے۔تمہیں رات کو سردی لگ گئی ہو گی۔تمہارا بستر بھی مکمل نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔
اس نے پھٹے ہوئے کمبل اور بوسیدہ میٹرس کو دیکھ کر کہا۔
پاری شرم کے مارے چپ رہی۔پھر بولی۔۔۔۔۔۔
مسز روجر میں آپ کو کافی پلاؤں۔۔۔۔۔۔۔۔؟
وہ بولی۔ذرا ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں ۔دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ پتہ نہیں اب یہ کیا کرے گی۔پاری سوچنے لگی۔ ہماری مفلوق الحالی کا اندازہ کر کے غالباً ہمیں گھر سے نکال دے گی۔مگر کرایہ تو انہیں نے سال بھر کا دے رکھا ہے۔
پاری شش و پنج میں کھڑی۔۔۔۔۔۔۔۔کھڑکی کے شیشوں سے باہر دیکھ رہی تھی ۔کہ وہ اندر آ گئی۔۔۔۔۔اس نے ایک گٹھڑ اٹھا رکھا تھا۔اندر آتے ہیں اسے زمین پر پٹخ دیا۔کہنے لگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔
یہ میں کچھ چیزیں لائی ہوں ۔یہ دونوں کمروں کی کھڑکیوں کے پردے ہیں لگا لو۔شرماؤ نہیں ۔جب تم اپنے پردے خرید لو گی ۔مجھے واپس کر دینا۔یہ ایک نیا کمبل ہے۔اور گرم بھی ہے۔یہ دو تکیے ہیں۔
یہ چیزیں رکھ لو۔جب تمہاری چیزیں آ جائیں تو مجھے لوٹا دینا۔۔۔۔۔۔تم مجھے بہت پیاری لگی ہو۔۔۔۔۔۔اور مجھے ڈر ہے تم اور بیمار نہ ہو جاؤ۔۔۔۔۔۔۔تم تو بالکل میری بیٹی کی طرح ہو۔۔۔۔۔۔۔
پاری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس نے مسز روجر کا ہاتھ پکڑ کر اس پر بوسہ دیا۔اور اس کا شکریہ ادا کیا۔اور بولی۔
مسز روجر اب تو میرے ہاتھ کی بنی ہوئی کافی پی لیں ۔۔۔۔۔۔میں بہت اچھی کافی بنا لیتی ہوں ۔۔۔۔۔۔۔
ٹھیک ہے میں پی لوں گی۔۔۔۔۔
وہ میٹرس کے اوپر بیٹھ گئی۔
پاری نے کافی بنا کے اسے پلائی ۔پی کر وہ بولی ۔پیاری لڑکی واقعی تم کافی بہت اچھی بناتی ہو۔۔۔۔۔۔۔بہت بہت شکریہ۔۔۔۔۔۔اب جب کبھی میرا دل چاہا کرے گا۔میں تمہارے پاس آ کر کافی پی لیا کروں گی۔
ضرور ضرور مسز روجر۔مجھے بے حد خوشی ہو گی۔
تم چاہو تو مجھے شوانا بلا سکتی ہو۔میرا نام شوانا ہے۔میری ننھی دوست۔۔۔۔۔۔۔
''ٹھیک ہے'' پاری نے ہنس کر کہا۔
پردے لٹکا لو گی کہ میں مدد کر دوں ۔۔۔۔۔۔
نہیں شوانا میں خود لٹکا لوں گی۔
ویری گڈ مجھے تمہارا یہ انداز اچھا لگا ہے۔۔۔۔۔۔دل گھبرائے تو میرے فلیٹ میں آ جایا کرو۔میں فرسٹ فلور میں رہتی ہوں۔
شکریہ شوانا۔۔۔۔۔۔۔۔میں ضرور آؤں گی۔
گڈ بائے ،کہہ کر وہ چلی گئی۔
پاری نے دونوں کمروں میں پردے لٹکائے ،نئے سرے سے بستر لگایا، پھٹا ہوا کمبل نیچے بچھا دیا۔نیا کمبل اوپر لگا دیا ۔رات بھر تکیوں کے بغیر سوئی تھی ۔اب سنبل کے دو نرم تکیے بھی مل گئے تھے اتنی سی بات سے اس کی طبیعت سنبھل گئی۔اس نے رات کے لیے کھانا بنا لیا۔
رات کو دس بجے جب ڈیوڈ گھر میں آیا تو پردے دیکھ کر حیران رہ گیا۔۔۔۔۔یہ کہاں سے آئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔؟
پاری نے مسز روجر کی خبر کی آمد کا سارا قصہ سنا دیا۔
تھینک گاڈ۔۔۔۔۔۔۔۔آج میں سارا دن سوچتا رہا تھا کہ بازار جانے کی فرصت نہیں ملی ۔رات کیسے بسر ہو گی

۔۔۔۔۔۔۔؟

ڈیوی! میں یہ سوچ رہی تھی، اپنوں سے غیر کتنے اچھے ہوتے ہیں اور انسانیت کسی ایک قوم کی میراث نہیں ہوتی۔ ہم انہیں کاروباری لوگ سمجھتے ہیں مگر یہ انسانوں سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔

ہاں پاری! اچھے برے لوگ ہر ملک اور ہر ملت میں ہوتے ہیں مگر میں تو مسلسل دیکھ رہا ہوں تمہارا خدا ہر مشکل میں تمہاری مدد کر دیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔پاری نے حیران سی آنکھیں ڈیوڈ کے چہرے پر گاڑ دیں۔۔۔۔۔۔

کیا تمہارا خدا میرے خدا سے الگ ہے؟۔۔۔۔۔۔

ارے میں نے تو یونہی مذاق کیا میری جانو۔۔۔۔۔۔۔آؤ آج آرام سے سو جائیں۔

ایک ہفتے میں معمولات طے ہو گئے۔ وہ لوگ نئے گھر سے مانوس ہو گئے۔ پاری کا بخار اتر گیا۔ ڈیوڈ کو نئی نوکری بھی مل گئی۔ پورا ایک ہفتہ وہ پرانے پوسٹ مین رکی کے ساتھ گھر گھر جاتا رہا تھا۔ اور پورے ''مسیسی ساگا'' کا واقف ہو گیا تھا۔ نئی ملازمت صبح آٹھ بجے سے دوپہر ایک بجے تک تھی۔ اور دوسری ملازمت تین بجے سے رات نو بجے تک۔ دونوں نوکریوں سے تھکا ہارا ڈیوڈ رات کو اس طرح آتا کہ چاہتا تو بس کھانا کھا کے سو جائے۔ اب اسے اس بات کی فکر رہتی کہ کم سے کم خرچہ کر کے پاری کی زچگی کے لیے رقم بچالی جائے۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں پہلے سے رجسٹریشن کروانی پڑتی ہے۔ اور اس میں بہت پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ فرنیچر وغیرہ خرید کر نہیں لایا اسی طرح گزارا کرتے رہے۔

ایک دن صبح جاتے ہوئے ڈیوڈ نے کھڑکی کا پردہ سرکا کے پاری کو بلایا اور کہنے لگا۔

پاری۔۔۔۔۔۔۔وہ دیکھو وہ جو سامنے گول سی عمارت نظر آ رہی ہے نا؟ وہ سڑک کے پار۔۔۔۔۔۔۔دیکھ رہی ہو۔

ہاں کافی دور ہے۔۔۔۔۔۔پاری نے کہا۔

نہیں میری جان دور نہیں ہے۔۔۔۔۔۔تم جب وہاں چل کر جاؤ گی تو بس پانچ منٹ لگیں گے۔۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔۔۔؟ پاری نے پوچھا۔

وہ یہاں کا شاپنگ مال ہے۔ تم دن کو فارغ ہو کر وہاں چلی جایا کرو۔

کیوں۔۔۔۔۔۔؟

بس یونہی۔۔۔۔۔۔۔ونڈو شاپنگ کیا کرو۔۔۔۔۔۔۔لوگوں کو دیکھا کرو۔۔۔۔۔۔۔یہاں کا کلچر سمجھا کرو اور گھر پھر کر انجوائے کیا کرو۔ گھر بیٹھ کر تو تم بور ہو جاؤ گی۔

کچھ دنوں میں، میں اپنی پڑھائی شروع کروں گی ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔

نہیں جان! ابھی پڑھائی شروع کرنے کی ضرورت نہیں میری مانو اور چلی جایا کرو۔ کبھی کبھار کوئی چیز پسند آئے تو لے لیا کرو۔۔۔۔۔۔ میں تمہیں پیسے دے دیتا ہوں۔

نہیں ڈیوڈ! پیسے میرے پاس ہیں، پہلے تم نے مجھے دیئے تھے۔

چلی جاؤ گی نا۔۔۔۔۔۔؟

کوشش کروں گی۔۔۔۔۔۔۔

اب وقت ہے تو ذرا ان کی دنیا دیکھو۔

ٹھیک ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔

یہ کہہ کر ڈیوڈ نکل گیا۔

گھر کا کام کرتے ہوئے پاری سوچتی رہی کہ ڈیوڈ نے اسے مارکیٹ جانے کا مشورہ کیوں دیا ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ تنہا بیٹھی بیٹھی اکتا جاتی ہے۔ مگر وہاں۔۔۔۔۔۔یکا یک ایک خیال بجلی کی طرح کوندا۔۔ اور بات اس کی سمجھ میں آ گئی کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنی گرم شال نکالی۔ یہ تو شکر ہے کہ وہ لوگ اپنے گرم کپڑے لے آئے تھے۔ ورنہ ان کا کیا حال ہوتا۔۔۔۔۔۔

شال اوڑھ کر اس نے گھر لاک کیا اور مارکیٹ کی طرف چلی۔ پہلے پہل تو اس کا دل گھبرایا مگر جب اس نے سڑک کراس کر لی تو اسے تسلی ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔ڈرتے جھجکتے وہ اک اک دوکان کے آگے گئی۔ سب نام انگریزی میں لکھے ہوئے تھے وہ پڑھتی جا رہی تھی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 40

بڑی بڑی اور شاندار دوکانیں تھیں ۔صاف ستھری روشن تھیں دکانوں کے شیشے چمک رہے تھے لوگ تہذیب یافتہ تھے ۔دروازے احتیاط سے بند کر دیتے ۔کہیں کوڑا کرکٹ نظر نہیں آرہا تھا ہر جگہ ڈسٹ بن پڑے ہوئے تھے ۔ہر ڈیپارٹمنٹل سٹور کے اندر ایک ریستوران تھا اور ایسی ایسی چیزیں سٹوروں کے اندر پڑی ہوئی تھیں کہ بندے کے ہوش اڑ جائیں ۔پہلا دن تو اس نے اس طرح گزارا جیسے کوئی دیہاتی شیش محل میں گھس جاتا ہے رات کو اس نے ڈیوڈ کو اک اک چیز کی تفصیل بتائی ۔وہ بہت خوش ہوا کہنے لگا یہی تو میں چاہتا ہوں کہ تم ان کی معاشرت کو دیکھو اور سمجھو۔۔۔۔۔۔۔پھر تو پاری ہر روز فارغ ہو کر مارکیٹ میں چلی جاتی ۔رفتہ رفتہ اسے سب دوکانیں اور راستے ازبر ہو گئے ۔کبھی کبھی وہ کسی ریستوران سے فرنچ فرائیز لے کر کھا لیتی اور ایک کوک بھی پی لیتی ۔ایک دو ڈالر سے زیادہ خرچ نہیں کرتی تھی ۔پتہ نہیں کیوں اسے ہمیشہ ایک انجانا سا خوف لگا رہتا تھا۔۔۔۔۔

وہیں گھومتے گھومتے اس نے سوچا کہیں ڈیوڈ اسے ملازمت تلاش کرنے کی ترغیب نہ دی ہو۔یہ سوچ کر اس نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا۔خوش قسمتی سے وہاں ایک پاکستانی سٹور بھی تھا۔پہلے دن وہ ہمت کر کے اس سٹور کے اندر چلی گئی ۔وہاں اور پاکستانی عورتیں اور ایک مرد کھڑا تھا۔۔۔۔۔۔۔وہ عورتوں کی طرف بڑھی اور جلدی سے السلام وعلیکم کہہ دیا۔ان عورتوں کو بہت ناگوار لگا۔جواب دینے کی بجائے ان میں سے ایک بولی۔

What do u want (تم کیا چاہتی ہو) ہکا لتے ہوئے پاری نے انگریزی میں جواب دیا کہ۔۔۔۔۔۔۔

میں جاب کی تلاش میں یہاں آئی ہوں ۔کیا آپ مجھے جاب دے سکتے ہیں ۔

دوسری عورت نے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا ۔اس کی شلوار کو حقارت سے دیکھ کر بولی ۔

کہاں سے آئی ہو؟

پاری نے جلدی سے کہا پاکستان سے۔۔۔۔۔۔

تو بہ ہے پہلی عورت بولی ہر فقیر فقراء پاکستان سے منہ اٹھا کر چلا آرہا ہے ہمارے پاس پاکستانیوں کے لیے کوئی جاب نہیں ہے ۔

کیوں۔۔۔۔۔۔پاکستانیوں میں کیا برائی ہے،پاری نے بھی انگریزی میں ہی پوچھا۔

جھوٹ بولتے ہیں،چور ہوتے ہیں،محنت سے جی چراتے ہیں ۔

تیسری بولی۔

اگر آپ کو اس بات کی گارنٹی دی جائے کہ میں ایسی نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔پاری نے ملائمت سے کہا۔۔۔۔۔۔

جاؤ۔۔۔۔۔۔جاؤ۔پہلی بولی ۔ہمارے پاس بھکاریوں کے لیے ملازمت نہیں ہے ۔جاؤ یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔؟

پاری اتنی شرمندہ ہوئی کہ اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ۔پھر وہ جو مرد وہاں کھڑا تھا،آگے آیا۔۔۔۔۔اور ان عورتوں سے کہنے لگا۔جھڑکنے کی کیا ضرورت ہے اس سے کہہ دو کہ یہاں جاب نہیں یہ پھر پاری کی طرف منہ کر کے انگریزی میں بولا۔۔۔۔۔۔

ہمیں افسوس ہے یہاں کوئی آسامی نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

اس نے باہر جاتے سنا وہ عورتیں کہہ رہی تھیں،یہ کم بخت لوگ غیر قانونی طریقے سے آجاتے ہیں یہاں آکر بھیک مانگنا شروع کر دیتے ہیں اور ہماری پوزیشن بھی خراب کرتے ہیں ۔

وہ دوکان سے باہر نکل گئی اس کی آنکھ میں بار بار آنسو آرہے تھے اسے امید نہیں تھی کہ وہ اس طرح اپنے ہم وطنوں کے ہاتھوں دھتکاری جائے گی۔۔۔۔۔۔۔

پھر کئی دن تک وہ مارکیٹ میں نہیں آئی۔۔۔۔۔۔۔

گھر بیٹھے بیٹھے جی گھبرانے لگا۔۔۔۔۔۔تو پھر مارکیٹ آنے لگی ۔دوسری طرف ایک انڈین سٹور تھا ایک دن دل کڑا کر کے اس سٹور کے اندر چلی گئی۔۔۔۔۔۔

Yes۔۔۔۔۔۔ایک ہندو لڑکی آگے آئی ۔

اس نے جلدی سے کہہ دیا۔۔۔۔۔۔میں جاب کی تلاش میں ہوں ۔

اس ہندو لڑکی نے اسے سر سے پیر تک دیکھا اور کہا۔

وہ سامنے ہمارے باس بیٹھے ہیں ان سے پوچھ لیں ۔

وہ ڈرتی جھجکتی کاؤنٹر پر گئی ایک بوڑھا آدمی عینک لگائے بیٹھا تھا۔

اس نے وہاں جا کر اپنا مدعا بیان کیا۔

وہ بولا۔۔۔۔۔آپ کہاں سے آئی ہیں ۔

پاری نے بتایا، پاکستان سے۔۔۔۔۔
وہ بولا ہمیں افسوس ہے ہم اپنے سٹور میں پاکستانیوں کو نہیں رکھتے ہم صرف انڈیا کے لوگوں کو ہی رکھتے ہیں۔
اس نے ان کا شکریہ ادا کیا۔۔۔۔۔۔اور باہر نکل آئی۔کم از کم انہوں نے اس کی بے عزتی نہیں کی تھی۔۔۔۔۔
اس کا دل بھر آیا۔وہ شام تک بے مقصد گھومتی رہی۔رات کو اس نے ڈیوڈ کو کچھ نہیں بتایا۔اپنی حرماں نصیبی کی داستان وہ ہر روز سنانا پسند نہیں کرتی تھی۔
پھر اس نے سوچا کہ وہ در در کی ٹھوکریں کھائے اور اپنی انا کو اچھی طرح مجروح کرے کہ احساس جیسی کوئی شہ اس کے اندر نہ رہے۔۔۔۔۔۔
وہاں مختلف قومیتوں کے لوگوں کے سٹور تھے۔ایک بہت بڑا چائنا ٹاؤن تھا۔ایک کورین سٹور تھا، ایک اٹلی کے پرسوں اور جوتوں کی شاپ تھی۔۔۔۔۔۔ایک شاپ جمیکا کے جھنڈیوں کی تھی۔ہر سٹور پر مختلف قومیتوں کے مرد اور عورتیں کام کرتے تھے۔وہ باری باری ہر سٹور پر گئی۔۔۔۔۔۔ہر جگہ سے اسے لفظ No سننا پڑا۔وہ ہائلی کوالیفائڈ تھی۔مگر قسمت اس کا ساتھ نہ دے رہی تھی۔اب بہت زیادہ گھومنے پھرنے سے اسے کمزوری محسوس ہونے لگی۔ جتنی دوائیاں ساتھ لائی تھی سب ختم ہو گئی تھیں پھر بھی اسے معلوم تھا حمل میں کس قسم کے وٹامن لینے چاہیں۔۔۔۔۔۔وہاں ایک فارمیسی کی دوکان تھی جس کے باہر اقبال فارمیسی لکھا ہوا تھا۔وہ ہر روز وہاں جاتی مگر وہ دوکان بند ہی ملتی۔وہ اس دوکان کے باہر سیڑھیوں میں بیٹھ جاتی اور آنے جانے والوں کا نظارہ کرنے لگتی۔اس کا خیال تھا یہ دوکان بھی کسی پاکستانی مسلم کی ہے۔اس لیے اس کا نام اقبال فارمیسی ہے۔لیکن وہ یہاں نوکری مانگنے نہیں آئی تھی اپنی دوائیاں خریدنے آئی تھی۔۔۔۔۔۔دوکان بند دیکھ کر وہ ایک کونے میں دبک کر بیٹھ جاتی ۔۔۔۔۔۔تب اسے اپنی گزری ہوئی زندگی کی ایک ایک بات یاد آتی۔۔۔۔۔
وہ ہمیشہ سے بڑی ضدی اور خودسر تھی۔وہ نیک آپا کی چیزیں چھین لیتی تھی۔ان کے کپڑے نکال کر سکول میں پہن جاتی۔۔۔۔۔۔وہ بے چاری رو دھو کر چپ کر جاتی۔۔۔۔۔۔ابو اس کے سارے لاڈ اٹھاتے تھے جب کبھی امی گلہ کرتیں تو وہ کہا کرتے وحیدہ تمہیں یاد ہے اس بچی کو ایک عرصہ تک تم نے لڑکوں والا لباس پہنائے رکھا ہے اس کی حجامت بھی تم لڑکوں والی کرتی تھیں۔میں تمہیں بہت منع کرتا تھا کہ اس کی شخصیت بگڑ جائے گی دیکھ لو یہ لڑکوں کی طرح بے باک اور زبان دراز ہو گئی ہے۔۔۔۔۔۔اب اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔میچور ہو گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔
پاری نے ضد کر کے میڈیکل میں داخلہ لے لیا۔۔۔۔۔۔امی بالکل نہیں چاہتی تھیں۔اس لیے تو انہوں نے بچپن میں۔۔۔۔۔۔اس کی نسبت پھوپھی زاد سے طے کر دی تا کہ وہ یہ تابو میں رہے۔
مگر وہ کب کسی کی سنتی تھی، امی ہمیشہ کہتیں۔
پاری تمہارا کیا ہو گا۔۔۔۔۔تمہاری عادتیں دیکھ کر میں تمہارے بارے میں فکرمند رہتی ہوں۔۔۔۔۔
امی آپ میرا فکر نہ کریں فکر اس کا کریں جس کے پلے مجھے باندھیں گی اس بیچارے کا کیا ہو گا۔
امی سر پر ہاتھ مار کے چپ ہو جاتیں۔
کبھی کبھی امی بڑے پیار سے کہتیں۔
پاری چندہ، گھر کے کاموں میں بھی دلچسپی لیا کر۔لڑکیوں کی قسمت کا پتہ نہیں ہوتا جب ہوسٹل سے آجاتی ہے تو ماں کی خدمت کر لیا کر۔
وہ اپنی دونوں ہتھیلیاں کھول کر کہتیں۔۔۔۔۔۔
ماں! مجھے اپنی قسمت کا پتہ ہے میری قسمت ان لکیروں میں لکھی ہے، تیری بیٹی شہزادی ہے شہزادی۔۔۔۔۔۔راج کرے گی راج۔۔۔۔۔۔ماں یہ ہاتھ باورچی خانے کا کام کرنے کے لیے نہیں بنائے گئے۔۔۔۔یہ ہاتھ یہ خوبصورت ہاتھ صرف قلم چلانے کے لیے بنائے گئے ہیں۔
کبھی امی کو غصہ آجاتا تو امیں کہتیں۔۔۔۔۔۔کوئی سخت ساس مل گئی تو تیرا مزاج درست کر کے تیرے پاس آجاؤں گی۔
میری بچی واپس آنا آسان نہیں ہوتا۔وہ ایک ایسا سنسار ہے جہاں بس جانے کا راستہ ہے واپسی کا راستہ نہیں ہے ۔۔۔۔۔
اوماں۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔۔وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر کہتی۔۔۔۔۔۔میں یعنی کہ مابدولت خود واپسی کا راستہ ایجاد کریں گے۔۔۔۔۔۔
یہاں تک سوچتے سوچتے پاری دھواں دار رونے لگی۔اسے امی کی ساری باتیں یاد آتیں۔۔۔۔۔۔اسے اپنی نادانیاں اور بے ہودگیاں بھی یاد آتیں۔۔۔۔۔اس نے کبھی اپنی ماں کی بات نہ سنی۔۔۔۔۔

اس نے زندگی کو ہمیشہ مذاق سمجھا۔۔۔۔۔۔زندگی نے اس کے ساتھ مذاق کر دیا۔۔۔۔۔
کتنا بڑا مذاق۔۔۔۔۔۔وہ گھنٹوں ''اقبال فارمیسی'' کی سیڑھیوں میں بیٹھی رہتی۔بچپن کو یاد کرتی رہتی۔۔۔۔۔۔
روتی رہتی۔۔۔۔۔بچھتاتی رہتی۔۔۔۔۔۔۔
ایک بار امی نے علی الصبح اسے کیسٹیں سنتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔
بیٹی پاری۔۔۔۔۔۔۔صبح کی نماز ہی پڑھ لیا کرو۔صبح صبح گانے سننے سے نحوست چھائی رہتی ہے۔
اس نے ناک چڑھا کر کہا تھا ماں عبادت کے لیے بڑھاپا ہوتا ہے۔
جب میں بوڑھی ہو جاؤں گی تو خوب نمازیں پڑھا کروں گی۔
امی جان کا پارہ چڑھ گیا انہوں نے گھور کر اسے دیکھا اور صرف اتنا کہا۔بڑھاپا بھی خوش نصیبوں کو دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔
ماں۔۔۔۔۔پاری چھلانگ لگا کے ماں کے کندھے سے لگ گئی، دیکھ ماں میری عمر پورے 102 سال ہے
۔۔۔۔۔
اچھا اچھا کہہ کر امی باہر نکل گئی تھیں۔
کبھی کبھی بڑے درد سے کہتیں، پاری! مجھے خوف آتا ہے تجھے دیکھ کر اور تیری باتیں سن کر مجھے خوف آتا ہے کچھ انہونی نہ ہو جائے۔
ماں انہونی ہی تو سب سے زیادہ بڑی فتح ہوتی ہے وہ ہو جائے جس کا آپ کو گمان تک نہ ہو۔زندگی انہی سپنوں سے خوبصورت بنتی ہے ماں۔۔۔۔۔۔پر تو میرا فکر نہ کیا کر۔میں بڑی نصیبوں والی ہوں۔شہزادی ہوں شہزادی ۔۔۔۔۔راج کروں گی راج لوگ میرے رستوں میں دل لے کر کھڑے رہیں گے۔۔۔۔۔میں ایسی شان سے گزر جایا کروں گی وہ جل کر ماں کو دکھاتی۔۔۔۔۔۔۔
بیٹی اللہ کو غرور پسند نہیں۔۔۔۔۔۔تو بہ کیا کرو۔۔۔۔۔۔۔۔
واہ ماں خود اعتمادی کو تو غرور کہتی ہے دیکھو میں تو ہر سال فرسٹ آتی ہوں بس آگے رہنا میری خود اعتمادی کا نتیجہ ہے۔۔۔۔۔۔
اللہ تجھے ہدایت دے۔۔۔۔۔۔اللہ تجھے ہدایت دے۔۔۔۔۔۔
وہاں بیٹھے بیٹھے پاری کو اپنا کہا ہوا ایک ایک فقرہ یاد آیا۔اپنی ہر بات یاد کر کے وہ روئی۔ماں کی نگاہ کتنی دور رس ہوتی ہے۔۔۔۔۔ماں کو خوف رہتا ہے کسی انہونی کا۔۔۔۔۔۔مگر پاری تقدیر کو بھی مذاق سمجھتی تھی۔۔۔۔۔۔
میرے اللہ! میں بڑی گستاخ ہوں، نافرمان ہوں، ایک عرصہ سے تجھے نہیں پکارا۔کیونکہ سمجھتی ہوں کہ میں تجھے پکارنے کے اہل نہیں ہوں پر تجھے ہی تو غفور الرحیم کہتے ہیں۔میری خطائیں معاف کر دے۔۔۔۔مجھے پردیس میں ذلیل وخوار نہ کرنا میں توبہ کرتی ہوں۔۔۔۔۔۔
اس نے ماں کو تنگ کیا، اس نے ماں کی بات کبھی نہ مانی۔۔۔۔۔۔
اس نے ماں کا دل توڑا۔۔۔۔۔
اس کی ماں اس سے ناراض ہو گئی۔۔۔۔۔۔
اس ماں کی بددعا لگ گئی۔۔۔۔۔۔
اس کا خدا اس سے ناراض ہو گیا۔۔۔۔۔۔
وہ شال میں منہ چھپائے روتی رہی اس کا دل چاہتا اڑ کر جائے اور ماں کے قدموں پر سر رکھ دے۔۔۔۔۔۔اپنے آنسوؤں سے ماں کے قدم دھو ڈالے۔دن رات ماں کی خدمت کرے۔۔۔۔۔۔اپنی جنت کو منا لے۔۔۔۔۔
اس کے ہاتھوں پر چھالوں کے جتنے نشان ہیں وہ جا کر اپنی ماں کو دکھائے اور بتائے ماں تو ٹھیک کہتی تھی، دنیا بڑی ظالم ہے، دنیا ماں نہیں ہے۔
دنیا ناز نخرہ نہیں دیکھتی۔۔۔۔۔
دیکھو ماں تیری لاڈلی کے ہاتھوں پر کتنے چھالے ہیں، جس نے کبھی پانی کا گلاس خود سے بھر کر نہیں پیا تھا کڑاہی میں چمچ چلاتے چلاتے اس کے ہاتھ پھٹ گئے ہیں۔۔۔۔۔
ماں تیری ناز کی پالی۔۔۔۔۔۔ویران ہو گئی۔۔۔۔۔بکھر گئی۔۔۔۔۔ریزہ ریزہ ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔تیرے محلو ں میں سے نکل کر تیری بیٹی بھکارن بن گئی۔۔۔۔۔۔فقیر ہو گئی۔۔۔۔۔۔دلگیر ہو گئی ماں۔۔۔۔۔۔تیرے جیسا دنیا میں کوئی نہیں۔۔۔۔۔۔میری بدنصیبی دیکھ کہ میں تجھ سے فون پر بات نہیں کر سکتی۔۔۔۔۔ماں دنیا کے میلے میں، میں تجھ سے بچھڑ گئی تیرا ہاتھ میں نے خود چھوڑا۔ماں میں گم ہو گئی۔۔۔۔۔۔میری شناخت گم ہو گئی ۔۔۔۔۔۔۔۔میری منزل گم ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔

ایک دن وہ یونہی بیٹھی تصویر میں اپنی ماں سے باتیں کر رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ کہ ایک سردار جی اس کے قریب آ کے کھڑے ہو گئے ۔وہ بہت حیران ہوئی ، روئی ہوئی سرخ آنکھیں اٹھا کر ان کو دیکھا ۔۔۔۔۔۔

وہ بولے ۔۔۔۔۔۔۔

ایکسکیوزمی میڈم یہ میری دوکان ہے میں دوکان کھولنے آیا ہوں ۔

آئی ایم سوری کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی ، بلکہ سیڑھیوں سے پرے ہٹ گئی ۔سردار جی نے دوکان کھولی ۔شٹر اٹھائے اور دوکان کے اندر چلے گئے ۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں ۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 41

پاری تھوڑی دیر باہر کھڑی رہی اس نے اپنا چہرہ ٹھیک کیا پھر پرس میں سے اپنی پیٹنٹ (Patant) دوائیوں کی لسٹ نکالی۔ جو دوائیاں کہ بغیر ڈاکٹری نسخے کے مل جاتی ہیں پھر وہ ڈرتی جھجکتی دوکان کے اندر داخل ہوئی۔

سردار جی نے اسے دیکھ کر خوش دلی سے کہا۔

آیئے آیئے۔۔۔۔۔۔

اب پاری کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں صرف انگریزی زبان بولنی چاہیے۔

اس لیے انگریزی میں بولی۔۔۔۔۔۔ مجھے کچھ دوائیاں درکار ہیں اور نسخہ سردار جی کی طرف بڑھایا وہ تھوڑی دیر اس نسخے کو دیکھتے رہے پھر بولے۔

آپ خود ہی پڑھ کر بتا دیں جس سے پاری کو اندازہ ہوا کہ سردار جی کی انگریزی کافی کمزور ہے۔

اس نے دوائیوں کے نام بولے اور پھر انہیں سمجھایا کہ اس دوائی کی برانڈ کا کیا نام ہے۔ سردار جی کو دوائیاں نکالنے میں بھی دقت ہوئی تو بولے۔

میڈم آپ خود آ کر ڈھونڈ لیں۔

وہ کاؤنٹر کے اندر گئی اور اپنی مطلوبہ دوائیاں نکالنے لگی۔ اتنے میں ایک کینڈین اندر آ گیا اور کسی دوائی کا نام لے کر پاری سے پوچھنے لگا۔

اس نے سمجھا کہ پاری سیلز گرل ہے پاری کچھ کہنے والی تھی کہ سردار جی نے اشارہ کیا کہ آپ ہی بات کریں۔

وہ مسلز کے درد کی ایک خاص دوائی ڈھونڈ رہا تھا پاری نے اس کے ہاتھ سے چٹ لے لی اور اسے سمجھایا مسلز کے لیے کون کون سی دوائیوں کے ری ایکشن اور ردعمل کے بارے میں اسے سمجھایا، وہ ایک دوائی خرید کر پیسے سردار جی کو دے گیا۔

سردار جی دوڑ کر اس کے قریب آئے اور بولے۔

آپ کو دوائیوں کی بڑی سمجھ ہے جی۔۔۔۔۔۔

وہ بولی۔ میں ڈاکٹر ہوں ایم بی بی ایس ڈاکٹر۔۔۔۔۔۔

اچھا۔۔۔۔۔۔ سردار جی نے سر سے لے کر پیر تک اسے دیکھا۔۔۔۔۔۔

آپ کس شہر سے ہیں جی۔۔۔۔۔۔

لاہور کی رہنے والی ہوں۔

اچھا جی۔۔۔۔۔۔ تبھی تو آپ میں اپنائیت سی لگ رہی ہے۔ جھٹ سردار جی پنجابی پر اتر آئے۔

آپ لاہور سے ہو جی تو پھر میں آپ کو بہن جی کہوں گا، بہن جی لاہور میں آپ کا گھر کس جگہ ہے۔

کنٹونمنٹ میں۔۔۔۔۔۔

اچھا جی تسی فوجیوں کے خاندان سے ہو۔

جی ہاں۔۔۔۔۔۔ پاری نے ہنس کر کہا لاہور چھاؤنی میں ہمارے بہت سے یار رہتے ہیں بہن جی۔

کتنا عرصہ ہوا لاہور سے آئے۔۔۔۔۔۔۔۔

ابھی سال نہیں ہوا۔۔۔۔۔۔

مگر یہاں تو آج نظر آئے ہو۔۔۔۔۔۔؟

مسی ساگا میں آئے ایک مہینہ ہوا ہے۔

تبھی تبھی میں نے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا آپ کو سچی بات بتاؤں میں نے یہ فارمیسی سٹور لاٹری میں جیتا ہے۔

لاٹری میں۔۔۔۔۔۔؟ پاری حیران ہوئی۔

ہاں آپ کو ابھی معلوم نہیں ہے یہاں لاٹری سسٹم بہت چلتا ہے میں نے ایک لاٹری کے ایک ہزار ٹکٹ خرید لیے تھے۔

ایک ہزار ٹکٹ۔۔۔۔۔۔؟

ہاں ایک ڈالر کا ایک ٹکٹ میں خریدتا گیا۔۔۔۔۔۔ ہر روز خریدتا گیا پھر پتہ ہے کیا ہوا، میرا پچاس ہزار ڈالر کا انعام نکل آیا۔۔۔۔۔۔؟

پچاس ہزار ڈالر کا انعام۔۔۔۔۔۔ پاری بہت حیران ہوئی۔

بہن جی۔۔۔۔۔۔ یہ لوگ کماتے بھی بہت ہیں مگر لاٹریوں میں بے ایمانی نہیں کرتے۔

بڑے خوش قسمت ہیں آپ سردار جی۔۔۔۔۔۔

UrduPoint.com

میں نے سوچا پیسے ضائع ہو جائیں گے یہ سٹور سیل پر تھا۔ میں نے پچاس ہزار ڈالر میں خرید لیا۔ مجھے ابھی دوائیوں شوائیوں کی سمجھ نہیں ہے اسی لیے سٹور باقاعدہ نہیں کھولتا، دوائیاں بیچنے کی ٹریننگ لے رہا ہوں۔

مگر اس کا نام تو۔۔۔۔۔پاری رک گئی۔

بہن جی میرا نام اقبال سنگھ ہے۔

اچھا اچھا۔۔۔۔۔بہن جی میرے پتا جی علامہ اقبال کے بڑے چاہنے والے تھے اسی لیے انہوں نے میرا نام اقبال سنگھ رکھ دیا تھا۔

اور میں ہمیشہ اس سٹور کے آگے آ کر بیٹھتی تھی۔ یہ سوچ کر کہ یہ کسی پاکستانی کا سٹور ہے۔

بہن جی۔۔۔۔آپ کچھ بیمار ہو۔۔۔۔۔؟

ہاں۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔پاری بوکھلا گئی۔ وہ حیران ہو کر دیکھنے لگا۔

میں بیمار تو نہیں سردار جی مگر۔۔۔۔۔ I am Pregnant

اوہ۔۔۔۔۔اوہ۔۔۔۔۔اچھا اچھا۔۔۔۔۔آپ کا آنا شبھد ہے بہن جی۔ ایک گاہک بھی آ گیا مجھے تو سمجھانا نہ آتا، آپ نے میری مشکل حل کر دی، دھنے باد۔

اچھا سردار جی! میں اب چلتی ہوں بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔۔۔۔۔پاری نے بل ادا کیا۔

بہن جی اسے اپنی دوکان ہی سمجھیں۔ سردار جی بولے، جب دل چاہے آ جایا کریں۔

مگر آپ تو باقاعدہ سٹور کھولتے ہی نہیں۔۔۔۔۔میں یہاں کافی دنوں سے آ رہی ہوں۔

بہن جی ڈاؤن ٹاؤن میں میرا ایک بہت بڑا گروسری سٹور ہے، جسے آج کل میری پتنی چلاتی ہے۔ میں نے اس علاقے میں یہ فارمیسی سٹور کھول لیا ہے تو اور دوائیاں بیچنے کا لائسنس بھی لے لیا ہے مگر ابھی مجھے دوائیاں بیچنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ میرے ایک دوست کا ایسا ایک فارمیسی سٹور ہے اس کی دوکان پہ جا بیٹھتا ہوں ٹریننگ لینے کے لیے۔۔۔۔۔اگلے ہفتے میں اخبار میں اشتہار دوں گا کسی ایسے سیلز مین کے لیے جسے دوائیں بیچنے کا تجربہ ہو اور شعور بھی ہو۔۔۔۔۔پھر باقاعدہ سٹور کھولنے لگ جاؤں گا۔

اچھا۔۔۔۔۔پاری جانے لگی تو اقبال سنگھ دروازے تک آ گیا اور بولا۔

بہن جی۔۔۔۔۔ویسے مجھے اچھا تو نہیں لگتا مگر ڈرتے ڈرتے پوچھ رہا ہوں۔

کیا آپ کہیں جاب کر رہی ہیں؟۔۔۔۔۔

نہیں۔۔۔۔۔پاری نے سر ہلا کر کہا۔

یہاں تو ڈاکٹروں کی بڑی مانگ ہے جی۔۔۔۔۔ڈاکٹروں کو تو فوراً جاب مل جاتا ہے۔

سردار جی! آپ کو معلوم ہے؟ یہاں آ کر ایک میڈیکل کا ایک ٹیسٹ پاس کرنا پڑتا ہے۔۔۔۔۔ابھی میں نے اس ٹیسٹ کی تیاری نہیں کی۔ پاری اسے نہیں بتانا چاہتی تھی کہ اس مارکیٹ میں وہ جاب ڈھونڈتے ڈھونڈتے کتنی ذلیل ہو چکی ہے۔

یہ تو ٹھیک ہے بہن جی۔۔۔۔۔مگر یہاں تو جاب کے بغیر رہنا بڑی غلطی ہے۔

جی۔۔۔۔۔تب تک کوئی اور جاب نہیں کر سکتی۔

کر سکتی ہوں اگر۔۔۔۔۔ابھی پاری نے فقرہ مکمل نہیں کیا کہ سردار جی بولے۔۔۔۔۔اگر آپ برا نہ مانیں تو تب تک میرے سٹور پر آ جائیں۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔؟ پاری اتنی حیران ہوئی کہ اقبال سنگھ نے سمجھا۔۔۔۔۔اسے برا لگا ہے۔ کوئی نہیں جی۔۔۔۔۔

اقبال سنگھ لجاجت سے بولا۔ آپ کی لیاقت کو دیکھ کر مجھے خیال آ گیا تھا ابھی وہ کینڈین آیا ہوا تھا آپ اس کے ساتھ اتنی اچھی انگریزی بول رہی تھیں۔ اسے مختلف دوائیوں کے بارے میں مشورہ دیا تو اس نے فوراً مان لیا۔۔۔۔۔اگر آپ کچھ دنوں کے لیے میری آفر مان لیں تو میرے بھاگ سنور جائیں گے۔

پاری بے اختیار ہنس پڑی۔ کہاں تو وہ ایک ماہ سے ماری ماری پھر رہی تھی اور یہاں محض دوائی خریدنے آ گئی تھی۔۔۔۔۔اور یہاں اسے نوکری کی آفر اپنے آپ مل رہی تھی۔۔۔۔۔

بہن جی میں آپ کو فی الحال دو ہزار ڈالر ماہانا دوں گا۔

دو ہزار ڈالر۔۔۔۔۔پاری نے بے اختیار کہا۔

فی الحال۔۔۔۔۔بعد میں بڑھا بھی دوں گا۔

اچھا پاری بولی۔۔۔۔۔بہت شکریہ سردار جی۔۔۔۔۔میں اپنے شوہر سے مشورہ کروں گی۔

ضرور کریں جی۔۔۔۔۔مگر مجھے بتا ضرور دینا کہاں رہتی ہیں آپ۔۔۔۔۔

وہ جو سڑک کے پار اوک والا زہیں نا؟ وہاں۔۔۔۔۔

اچھا اچھا میں سمجھ گیا یہاں سے تو بس پانچ منٹ کا راستہ ہے۔
میں کل آپ کا انتظار کروں گا۔
کیا کل آپ سٹور کھولیں گے؟
اگر آپ نے جوائن کر لیا تو پھر کوئی مسئلہ نہیں۔فوراً کھول لوں گا۔
ٹھیک ہے سردار جی۔۔۔۔۔۔میں کل آپ کو ضرور بتا دوں گی۔
وہ دوکان سے باہر نکل آئی۔۔۔۔۔۔۔
ایک گروسری سٹور سے اس نے تھوڑی سی سبزی خریدی اور گھر کی طرف چل پڑی۔۔۔۔۔۔دل ہی دل میں کہتی جاتی۔۔۔۔۔
میرے اللہ تو کتنا مہربان ہے میں یونہی تجھ سے دور دور ہوں۔آج تجھ سے گلہ کیا تو نے فوراً سن لیا۔کتنا روئی میں تجھے میرے آنسوؤں پر رحم آ گیا۔۔۔۔۔۔یہ درست ہے کہ بندہ ناشکرا ہے تو تو گنہ گاروں سیاہ کاروں کی بھی سنتا ہے۔۔۔۔۔تو تو سارے جگ والا ہے۔
رات کو جب ڈیوڈ آیا۔تو کھانا کھلانے کے بعد اس نے پورا واقعہ اسے سنا ڈالا وہ بھی بہت خوش ہوا۔۔۔۔ہنستے ہنستے بولا۔۔۔۔۔۔
اسے کہتے ہیں چھپر پھاڑ کے دینا۔۔۔۔۔۔میں نے تمہیں نہیں کہا تھا پاری کہ تمہارا خدا تمہارے سارے کام کر دیتا ہے میرے کاموں میں ڈنڈی مار دیتا ہے۔
ڈیوڈ۔۔۔۔۔پاری نے برا مان کر کہا ایسا کیوں کہتے ہیں، کیا میرا اور تمہارا خدا الگ الگ ہے ایک ہی خدا ہے ہمارا۔۔۔۔۔۔۔
پارو میں یونہی مسخری کرتا ہوں تو برا مان جاتی ہے۔
اگلے دن پاری نے آ کے ”اقبال فارمیسی“ پر کام کرنا شروع کر دیا۔پہلے دن وہ بڑی دلجمعی سے سارے سٹاک کی لسٹیں بناتی رہی۔شام کو جب وہ جانے لگی تو سردار اقبال سنگھ نے اسے ایک کارڈ دیا۔کہنے لگا آپ اسے پر کر دیں اس کارڈ پر اپنے نام کے ساتھ اپنے شوہر کا نام بھی لکھنا تھا۔اور باقی سارے کوائف بھی۔۔۔۔۔۔
سردار اقبال کارڈ کو غور سے پڑھنے لگا پھر کہنے لگا۔
بہن جی آپ کے شوہر کا نام ڈیوڈ اگروال ہے۔
وہ بولی جی ہاں۔۔۔۔۔۔
اور آپ کا نام پارسا ہے۔۔۔۔۔۔
جی ہاں۔۔۔۔۔
اور آپ کے پتا جی کا نام عرفان اللہ ہے۔
پاری ہنسنے لگی ٹھیک ہی تو ہے سردار جی۔۔۔۔۔۔مگر آپ کا اور آپ کے پتا جی کا نام تو مسلمانوں والا ہے۔
پاری دھک سے رہ گئی۔۔۔۔۔۔مگر اس نے جھوٹ بولنا مناسب نہ سمجھا۔۔۔۔۔سردار جی میں مسلمان ہوں اور ڈیوڈ کرسچن ہے۔
اچھا جی۔۔۔۔۔مگر اس سے آگے سردار جی نے کچھ نہیں کہا، کینیڈا میں ایسی شادیاں عام ہوتی تھیں مگر پاکستان کی کسی لڑکی کی ایسی شادی پر اسے تعجب ہو رہا تھا۔
سردار جی۔۔۔۔۔پاری تحمل مندی سے ہنس کر بولی یہ سب محبت کی کارستانی ہے۔
میں سمجھ گیا ہوں بہن جی۔۔۔۔۔کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔۔یہاں تو ایسی شادیوں کا بہت رواج ہے۔ہاں بہن جی۔۔۔۔۔۔میں یہ کہنے لگا تھا یہاں دوکانوں پر کام کرنے کا ایک یونیفارم ہے کہتے ہیں جیسا دیس ویسا بھیس۔۔۔۔۔۔
اس لیے آپ بھی وہی کپڑے پہنا کریں میرا مطلب ہے کہ۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 42

ہاں میں سمجھ گئی سردار جی۔۔۔۔۔۔۔آج پہلا دن تھا نا مجھے خیال نہیں آیا۔۔۔۔۔
بہن جی پچھلی طرف ایک چائنیز سٹور ہے نسبتاً سستا ہے۔وہاں سیلکس اور جینز ملتی ہیں آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو دلوا دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔
یہاں ابھی۔۔۔۔۔۔۔آج ہی۔۔۔۔۔۔۔اگر کچھ رقم ایڈوانس میں درکار ہو تو میں دے دوں گا۔
نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے سردار جی۔۔۔۔۔۔۔رقم تو میرے پاس ہے ویسے وہ اپنے پرس میں ہمیشہ سو ڈیڑھ سو ڈالر رکھا کرتی تھی۔
دوکان بند کرنے کے بعد وہ سردار جی کے ساتھ چائنیز سٹور میں گئی سیلکس اور بلاؤز خریدا۔ان کا شکریہ ادا کیا ۔۔۔۔۔۔۔اور گھر چلی گئی۔۔۔۔۔۔
پاری!تو تو غضب ڈھا رہی ہے لگتا ہے یہ لباس بنا ہی تیرے لیے ہے۔۔۔۔۔۔
یار!ایسے لگتا ہے آج میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔
شرم کرو ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔ایسی باتیں کر رہے ہو جیسے لفنگے کرتے ہیں۔
ہاں میں لفنگا ہوں،ڈیوڈ نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔
چھوڑو مجھے دیر ہو جائے گی۔
یار!یہ سردار اقبال کہیں تیرا عاشق تو نہیں ہو گیا ایسے ایسے مشورے دے رہا ہے اور خاص طور پر تم میں دلچسپی لے رہا ہے۔
ڈیوڈ!تمہارا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا وہ سارا دن بہن جی،بہن جی کہتا نہیں تھکتا۔۔۔۔۔۔اور تم لگے طعنے دینے چار دن نوکری تو کرنے دو۔
ڈیوڈ قہقہے لگا کے ہنسنے لگا۔۔۔۔۔۔۔تمہیں پتہ ہے میں مذاق کیا کرتا ہوں۔
یار کتنے دنوں بعد ہم لوگ ہنسے ہیں۔ذرا ریلیکس ہوتے ہیں تمہیں معلوم ہے نا ہم دونوں تو ہنسنا ہی بھول گئے تھے۔
ہاں ڈیوڈ،تم ٹھیک کہتے ہو۔دونوں تالا لگا کر باہر نکل آئے ڈیوڈ کو بس پکڑنا تھی اور پاری کو پیدل سڑک کے پار جانا تھا۔۔۔۔۔
سڑک پر دونوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔اونچی آواز میں بولا۔۔۔۔۔۔۔۔
دھیان سے جانا۔۔۔۔۔۔۔آج کسی کی خیر نہیں۔۔۔۔۔۔
پاری نے ہاتھ ہلایا اور مڑ گئی۔
اگلا ایک ماہ پاری کے لیے بڑا تجرباتی اور بڑا عجیب تھا۔سردار اقبال سنگھ کو واقعی فارمیسی کی دوکان چلانے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔پاری نے اس کی اجازت لے کر سب سے پہلے ساری دکان کو نئے سرے سے ترتیب دیا۔،ایک قسم کی ایک جینڈ روالی دواؤں کو الگ شوکیس میں جمایا۔ہر شوکیس کو نئے سرے سے ترتیب دیا،شوکیسوں کے باہر سٹاک کی لسٹیں لگا دیں۔میک اپ کی چیزوں کا خانہ الگ بنا دیا۔ہر ضرورت کی چیز کی کیٹگری علیحدہ کر دی دوکان خوبصورت لگنے لگی۔ہر شے چمکنے لگی۔اقبال سنگ تو اتنا خوش ہوا کہ اس کا شکریہ ادا کرتا نہ تھکتا تھا دوکان میں گاہک آنے لگ گئے تھے۔پاری انہیں بہت سلیقے سے اٹینڈ کرتی۔وہ فرفر انگریزی بولتی بلکہ کوئی پوچھتا تو دوائیں بھی تجویز کرتی۔نئی دواؤں کے بروشر بھی پڑھتی رہتی۔اور نیا سٹاک منگوانے کے لیے فہرستیں بھی بناتی رہتی۔سردار اقبال سنگھ کاؤنٹر پر بیٹھا رہتا اور صرف رقم وصول کیا کرتا۔بعض اوقات وہ پورے دن کے لیے پاری کو دوکان پر بٹھا کر چلا جاتا اور اکثر کہا کرتا وہ لنچ ٹائم کے لیے دوکان بند کر دیا کرے۔۔۔۔۔مگر پاری اپنے لیے سینڈوچ بنا کے گھر سے لے آتی تھی۔ایک کوک وہاں سے خرید لیتی اندر ہی لنچ کرتی۔وہ تو اب ڈوڈالر بھی فالتو خرچ کرنا نہ چاہتی تھی زندگی کی اذیتیں اس نے دیکھ لی تھیں۔ایک ایک پائی جمع کرنا چاہتی تھی۔اب اس کا چوتھا مہینہ ختم ہوا تھا زچگی کے لیے اسے دس ہزار ڈالر کی ضرورت تھی۔وہ اپنی تنخواہ کا ایک ایک سینٹ جمع کرنا چاہتی تھی۔اب وہ مطمئن نظر آتی تھی اس کے چہرے پر رونق آ گئی تھی اب وہ دونوں خاندان کی اور بچپن کی باتیں بھی بتایا کرتی۔سردار اقبال بھی اپنے گھر کے معاملات میں اس سے مشورے لے لیتا تھا۔۔۔۔۔
ایک دن سردار اقبال نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔
بہن جی میری پتنی بھی آپ سے ملنا چاہتی ہے۔میں ہر روز آپ کے کام کی اتنی تعریفیں کرتا ہوں کہ وہ کہتی رہتی ہے اپنی بہن جی سے مجھے تو ملواؤ۔
اس سنڈے کو ہم آپ کے گھر آئیں گے اور میں بھی اپنے جیجا جی یعنی مسٹر ڈیوڈ سے ملوں گا۔

پاری کچھ سنجیدہ ہوگئی اور بولی۔۔۔۔۔۔۔۔
سردار جی! ابھی میں آپ کو اپنے گھر نہیں بلا سکتی۔۔۔۔۔۔۔ کیونکہ میرے گھر میں بٹھانے کو کوئی کرسی بھی نہیں۔۔۔۔۔
پھر اس نے اپنے گھر کا نقشہ کھینچا۔۔۔۔۔۔ کہنے لگی۔تھوڑا وقت لگے گا، جب ہم اپنے گھر کو بنالیں گے۔پھر آپ کو اور آپ کی پتنی کو خود مدعو کروں گی میرا بھی انہیں ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔
جب مہینہ ختم ہوگیا اور سردار اقبال سنگھ نے پاری کو پہلی تنخواہ دی تو کہنے لگا۔
بہن جی! بہت ڈرتے ڈرتے ایک بنتی کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔ بلکہ اسے مشورہ سمجھ لیں۔
ضرور سردار جی۔۔۔۔۔۔۔ضرور مشورہ دیں۔
بولا جہاں ہم رہتے ہیں وہاں کافی آبادی ہے اور مکس آبادی ہے یعنی ہر طبقے کے لوگ ہیں وہاں ہر اطوار کو۔۔۔۔۔گیراج سیل لگتی ہے۔۔۔۔۔۔۔
گیراج سیل کیا ہوتی ہے سردار جی۔۔۔۔۔۔۔۔
عام طور پر گھروں کے مکینوں کو بعض گھریلو چیزوں کی ضرورت نہیں رہتی۔یا نقل مکانی سے پہلے وہ چیزیں فروخت کرنا چاہتے ہیں تو اپنے گیراج میں ان چیزوں کو سجا کر ان پر قیمتوں کی چٹیں لگا دیتے ہیں۔گھریلو استعمال کی اشیاء گھریلو فرنیچر وہاں سے ستا مل جاتا ہے، میں اور میری پتنی گھر کے استعمال کی اکثر چیزیں وہاں سے لے آتے ہیں۔پرسوں اتوار ہے اگر آپ سستی چیزیں خریدنا چاہیں۔۔۔۔۔۔تو میں آپ کو اور آپ کے شوہر کو لے جاؤں گا۔۔۔۔۔۔
میں ڈیوڈ سے پوچھ کر بتاؤں گی مگر سردار جی۔۔۔۔۔۔ میں اپنی پہلی تنخواہ ان چیزوں پر خرچ کرنا نہیں چاہتی۔۔
بہن جی! آپ سوچ نہیں سکتیں کہ سو ڈیڑھ سو ڈالر میں گھر کی کتنی چیزیں مل سکتی ہیں۔بازاروں میں تو سیکنڈ ہینڈ چیزیں بھی مہنگی ہوتی ہیں۔
اچھا میں ڈیوڈ سے مشورہ کروں گی۔مگر ہم جائیں گے کیسے۔۔۔۔۔۔۔۔؟
لو جی یہ تو میں بتانا بھول گئی میری پتنی ہے نا؟ اس کا نام ستونت کور ہے میں اسے سونو بلاتا ہوں جی پیار سے۔۔۔
اسی نے کل مجھے کہا تھا کہ تم ہی بہن جی اور جیجا جی کو گھر بلا لو۔وہ تو ہمارے ساتھ ہمارے گھر آسکتے ہیں ہمارے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں۔
سردار جی آپ کھانے کا تکلف نہ کریں، پاری بولی۔
کیوں نہ کروں جی۔۔۔۔۔۔ آپ جیجا جی کو ہمارے طرف سے دعوت دیں کہ سنڈے کا دن ہمارے ساتھ گزاریں۔دوپہر کا کھانا کھائیں۔گیراج سیل بھی دیکھیں۔بارہ بجے آکر آپ کو لے جاؤں گا اور رات کو ہم آپ کو چھوڑ جائیں گے۔۔۔۔۔۔
رات کو جب پاری نے ڈیوڈ کو بتایا تو وہ فوراً مان گیا کہنے لگا ممکن ہے ہمیں کوئی سستا پلنگ اور کرسیاں مل جائیں۔۔۔۔۔۔۔اس کو ہان کی شکل کے گدے پر کب تک سوئیں؟ آخر دو چار سو ڈالر تو خرچ کرنا ہی پڑیں گے تم اپنی تنخواہ جمع کرتی رہو۔میں اپنی تنخواہ سے تمہیں یہ چیزیں لے دوں گا۔۔۔۔۔۔۔
اب اتنی خساست بھی نہ کرو کہ ہم انسانوں کی طرح نہ رہ سکیں۔
بس ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔دکھ اتنے دیکھے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ ایک ڈالر بھی ضائع نہ ہو۔اس دنیا میں ڈالر ہی ملتے ہیں۔کوئی رشتہ ناطہ نہیں ملتا۔
دوسرے دن جب پاری نے سردار اقبال سنگھ کو بتایا کہ وہ اس کے گھر چلیں گے تو وہ بہت خوش ہوا۔۔۔۔۔۔۔
اتوار کے روز دوپہر بارہ بجے اقبال سنگھ اپنی فوکس ویگن کے ساتھ آگیا۔پاری اور ڈیوڈ تیار بیٹھے تھے۔رسمی تعارف ہوا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر اس کے گھر آگئے۔اس کی بیوی ستونت کور سونو اس کی منتظر تھی۔پہلے تعارف کے بعد ہی سب گھل مل گئے۔سونو نے انہیں مشروبات لا کر دیئے۔اقبال سنگھ کے دو بیٹے تھے ایک بارہ سال کا اور دوسرا نو سال کا۔۔۔۔۔۔۔
اقبال سنگھ نے بتایا بڑے کا نام عمران سنگھ ہے اور چھوٹے کا نام مکران سنگھ ہے۔۔۔۔۔جب ڈیوڈ اور پاری حیران ہوئے۔۔۔۔۔تو اس نے وضاحت کی۔۔۔۔۔۔کہنے لگا۔
بڑا بیٹا ان دنوں میں ہوا جب پاکستان ورلڈ کپ جیتا اس لیے انہوں نے اس کا نام عمران سنگھ رکھ دیا مگر پیار سے اسے لاڈو بلاتے ہیں۔
دوسرے بیٹے کا نام مکران سنگھ اس لیے رکھا کہ وہ عمران کے ساتھ قافیہ ملانا چاہتے تھے، اس پر سب نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔اقبال سنگھ نے مزید کہا ہمارے چھوٹے کو لڈو کھانے کا بہت شوق۔اس لیے ہم اسے پیار سے لڈو بلاتے

ہیں۔
پاری نے گھر سے چلتے وقت سونو کے لیے تحفہ اٹھالیا تھا وہ اپنے ساتھ ملتان کی کڑھائی کے کچھ دوپٹے اور کرتے لائی تھی۔ کچھ تقسیم کر چکی تھی کچھ رہ گئے تھے۔ اس میں سے اس نے ایک پنجابی کرتا اور خوبصورت دوپٹہ پیک کر لیا تھا ۔۔۔۔۔۔۔ اقبال سنگھ کے لیے ایک ڈیا ڈورانٹ خرید لائی تھی ۔۔۔۔۔۔ بچوں کے لیے ایک گیم خرید لی تھی وہ سب پیک کر رہی تھی تو ڈیوڈ نے پوچھا تھا۔
یہ کیا کر رہی ہو ۔۔۔۔۔۔؟ پاری نے بتایا تھا جب کسی عزیز یا دوست کے گھر پہلی بار جاتے ہیں تو خالی ہاتھ نہیں جاتے کوئی تحفہ لے کر جاتے ہیں۔
پاری! واقعی ان باتوں کا شعور صرف عورتوں کو ہوتا ہے میرے تو ذہن میں یہ خیال تک نہیں تھا۔
چلو اچھا ہے تم نے عورتوں کی ایک خوبی تو مانی ۔۔۔۔۔۔۔
نہیں جانِ تمنا! میں عوتوں کی بہت سی خوبیاں مانتا بھی ہوں ایک آنکھ بند کر کے بولا ۔۔۔۔ پہچانتا بھی ہوں ۔۔۔۔۔
اب پاری نے ان کے گھر پہنچ کر یہ پیکٹ ان سب کو باری باری تھمائے تو سب ہی خوش ہوئے ۔۔۔۔۔۔
سونو نے فٹ اپنا پیکٹ کھول لیا دوپٹہ اور کرتا دیکھ کر نہال ہوگئی۔
شکریہ بہن جی ۔۔۔۔۔۔ وہ پاری کی پیشانی چوم کر بولی۔ میں نہیں کہوں گی کہ آپ نے ناحق تکلف کیا۔ مجھے معلوم ہے آپ یہ چیزیں بڑی محبت سے لائی ہیں اور مجھے پسند بھی بہت آئی ہیں ۔۔۔۔۔ پھر بولی۔
بالا! آپ کی اتنی تعریف کرتا ہے اپ کو معلوم ہے یہ سات بھائی ہیں ان کی بہن نہیں ہے مجھے تو لگتا ہے مجھے ایک نند مل گئی ہے ۔۔۔۔۔
سچی بات یہ اقبال سنگھ بولا ۔۔۔۔۔۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ بہن کیا ہوتی ہے آپ سے ملا تو یوں لگا سگی بہن مل گئی۔
اچھا اب تھوڑا سا ذکر بہنوئی کا بھی کرو، ڈیوڈ نے خوش دلی سے کہا۔
سب نے قہقہہ لگایا ۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ آپ تو جانتے ہیں ہم پنجابیوں کے ہاں داماد اہم چیز ہوتا ہے۔ آپ ہمارے سر متھے پر ہیں۔ پہلے جیجا جی اور بعد میں دیدی جی ۔۔۔۔۔۔
ہاں جی پاری جی ۔۔۔۔۔ میں آج سے آپ کو دیدی کہوں گی مجھے معلوم ہے آپ مجھ سے چھوٹی ہیں۔ مگر چونکہ مجھے دیدی کہنے کا شوق ہے اس لیے میں پاری دیدی ہی کہوں گی۔
یہ کہہ کر وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔
پاری اس کے پیچھے گئی اور بولی ۔۔۔۔۔ بھابھی جی، میں آپ کی مدد کراؤں۔
نہ جی نند جی ۔۔۔۔۔ کھانا میں نے تقریباً پکا لیا ہے۔ بس اب پلاؤ کو دم دینا باقی ہے۔
آج تو میں اپنی پیاری نند کو اپنے ہاتھ کا پکا ہی کھلاؤں گی پھر اس نے اپنے شوہر کو آواز دی۔
بالے جی ۔۔۔۔۔ کیوں وقت ضائع کر رہے ہو۔ بہن اور بہنوئی کو لے جاؤ اور سیل دکھا لاؤ۔ تب تک میں میز پر کھانا لگا دوں گی۔
ہاں یہ ٹھیک ہے اقبال سنگھ بولا۔ پتہ نہیں زنانیاں ہمیشہ عقل کی بات کیوں کرتی ہیں ۔۔۔۔۔ چلو جی آؤ۔
لالو اور لڈو کو چھوڑے جار ہا ہوں ان بدمعاشوں سے کام کراؤ ۔۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر اقبال سنگھ باہر پورچ میں آ گیا ، ساتھ ہی پاری اور ڈیوڈ بھی آ گئے ۔۔۔۔۔۔ اس نے انہیں اپنی کار میں بٹھایا اور کار آہستہ آہستہ کالونی کے اندر چلنے لگی۔ جہاں کہیں گیراج کا بورڈ لگا ہوتا وہ کار روک لیتے ۔۔۔۔۔ اور اتر کر چیزیں دیکھنے لگتے ۔۔۔۔۔
خدا کا کرنا یہ ہوا کہ پہلی گیراج میں ہی انہیں ایک ڈبل بیڈ پسند آ گیا۔ اس کا میٹریس بھی ٹھیک حالت میں تھا ۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ دو سائیڈ ٹیبل بھی تھیں قیمت بھی بالکل مناسب تھی ۔۔۔۔۔
اس سے اگلی گیراج میں انہیں مناسب قیمت کا صوفہ پسند آ گیا ۔۔۔۔۔ اور تیسری گیراج میں صرف ایک ڈائننگ ٹیبل رہ گئی تھی چوکور میز تھی جس کے چاروں طرف چار کرسیاں ہی رکھی جا سکتی تھیں کرسیاں تو ٹھیک تھیں مگر میز کا رنگ روغن اڑ چکا تھا چونکہ سستی مل رہی اس لیے پاری نے پسند کر لی۔ کہنے لگی اس پر ہم میز پوش ڈال لیا کریں گے ۔۔۔۔۔۔
ایک پرانا سا قالین بھی مل گیا ۔۔۔۔۔ البتہ کمبل اور پردے کہیں نظر نہ آئے ۔۔۔۔۔
انہوں نے ہر جگہ نقد قیمت ادا کر دی۔ کیونکہ پاری پیسے اپنے پرس میں رکھ کر لائی تھی۔ اسے خوشی اس بات کی تھی کہ اس نے صرف دو سو ڈالر خرچ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ساری چیزیں اسے ڈیڑھ سو ڈالر میں مل گئی تھیں ۔۔۔۔۔

اقبال سنگھ نے کہا۔

اب گھر چلتے ہیں کھانا کھاتے ہیں۔تھوڑی دیر گپ لگاتے ہیں اس کے بعد میں اپنے دوست کی بڑی وین لے آؤں گا اور شام کو ہم سب مل کر یہ سامان آپ کے گھر لے جائیں گے بلکہ وہاں سیٹ کر دیں گے۔

اقبال بھائی ۔۔۔۔۔۔آپ پلیز اتنی زحمت نہ کریں۔پاری بولی۔

کیوں بہن جی ۔۔۔۔۔۔بہن کا کام کرنا زحمت ہوتا ہے کیا۔۔۔۔۔۔ہم تو آپ کا گھر سیٹ کریں گے ۔۔۔۔۔۔تھوڑی دیر وہاں بیٹھیں گے آپ کے ہاتھ کی بنی کافی پئیں گے کیوں جی۔۔۔۔۔۔منظور ہے۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ بولا منظور ہے۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 43

خوش گپیوں میں انہوں نے کھانا کھایا پھر اقبال سنگھ اٹھتے ہوئے بولا۔۔۔۔۔۔۔

سونو۔۔۔۔۔ میں اپنے دوست کی ویگن لینے جا رہا ہوں۔۔۔۔۔۔۔تم یوں کرو کہ بچا کھچا کھانا ساتھ باندھ لو۔۔۔۔۔۔۔یہ اب جا کر رات کا کھانا کیوں پکائیں گے،باقی کا کھانا ہم سب وہاں بیٹھ کر ان کے ساتھ کھائیں گے۔

نہیں اقبال بھائی پاری بولی۔۔۔۔۔۔۔کھانا میں آپ کو اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلاؤں گی۔کیوں تکلف کر رہی ہو پاری ۔۔۔۔۔۔۔ ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔۔ وہ اتنی اپنائیت کا اظہار کر رہے ہیں تو سب کچھ انہیں کرنے دو۔۔۔۔۔۔۔

اقبال سنگھ نہ صرف یہ کہ وین لے آیا بلکہ ہر گیراج سے سامان بھی اس پر لدوا کے لے آیا۔۔۔۔۔انہوں نے شام کی چائے پی اور ان کے اپارٹمنٹ کو روانہ ہوئے۔۔۔۔۔۔۔پاری اور سونو نے فٹافٹ کمرے صاف کر دیئے، اور ان دونوں نے سامان اٹھا اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھ دیا بیڈ روم میں ڈبل بیڈ اور سائیڈ ٹیبلز پہنچ گئیں میٹریس کے اوپر صاف چادر بچھ گئی لونگ روم میں صوفہ سج گیا کچن کاؤنٹر کے آگے کھانے کی میز اور کرسیاں لگ گئیں ویران سا فلیٹ ایک دم پر رونق ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔اتنا اچھا لگا۔۔۔۔۔۔۔آنٹی کا پرانا میٹریس انہوں نے نکال کے دیوار کے ساتھ لگا کے رکھ دیا پاری کافی بنانے لگی۔۔۔۔۔۔۔اور ڈیوڈ نے انہیں اپنے یہاں آنے کی مختصر کہانی سنائی اور یہ بھی بتایا کہ یہ پرانا میٹریس اور پرانا کمبل ان کی آنٹی نے انہیں دیا تھا جواب وہ انہیں واپس کر دیں گے۔

اقبال سنگھ بولا فکر کی کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔۔۔میں کسی دن چھوٹی وین لے آؤں گا اور چل کے آنٹی کو دے آئیں گے۔

یہ پردے کمبل اور تکیے ہماری لینڈ ہماری لینڈ لیڈی شوانا کے ہیں مجھے کسی گیراج میں پردے اور کمبل نظر نہیں آئے۔۔۔۔

پاری دیدی۔۔۔۔۔۔سونو بولی۔ان چیزوں کا ایک الگ بازار ہے وہ ڈاؤن ٹاؤن میں ہے اور سستا بازار ہے۔ آج میں تمہاری کھڑکیوں کا سائز لے جاؤں گی اور کسی دن کمبل تکیے اور پردے بھی لے آؤں گی بالے کے ہاتھ تمہیں بھیج دوں گی۔

بہت شکریہ سونو بھابھی۔۔۔۔۔۔۔

سونو بولی۔۔۔۔۔۔۔پاری دیدی جو کوئی بھی یہاں آتا ہے پہلے پہل اس کے یہی حالات ہوتے ہیں وہ ہیں سے شروع کرتا ہے کوئی پانچ چھ سال کے بعد حالات بہتر ہوتے ہیں۔اس لیے آپ غم نہ کریں۔ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔میرے پہلے بچے کی پیدائش پر میرے حالات بھی اس قسم کے تھے۔مگر بھگوان کی کرپا سے سب ٹھیک ہو گیا ہے دور سے لگتا ہے کہ جیسے ان ملکوں میں ڈالر ہی ڈالر ہوں گے۔مگر یہاں پتہ چلتا ہے ڈالر درختوں پر نہیں لگے ہوتے ڈالر تو خون کی کمائی سے ملتے ہیں ہم بھی دونوں میاں بیوی جت گئے تھے۔آپ کے حالات بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔۔۔۔۔۔

سب لوگ آٹھ بجے تک گپ شپ لگاتے رہے۔۔۔۔۔۔اور اپنے اپنے تکلیف دہ حالات ایک دوسرے کو سناتے رہے،پاری نے بچا ہوا کھانا گرم کیا،سب نے کھایا۔۔۔۔۔جاتے وقت سونو بولی۔۔۔۔

پاری!میرا خیال ہے تم نے ابھی تک ہیلتھ پالیسی نہیں خریدی ہوگی۔

نہیں۔۔۔۔۔۔۔پاری آہستہ سے بولی۔

اچھا فکر نہ کرو،اگلے ہفتے میں تمہیں اپنے ساتھ ہسپتال لے جاؤں گی۔اپنی ڈاکٹر سے ملواؤں گی۔اس ہسپتال کے ڈاکٹروں میں ایک پاکستانی میاں بیوی بھی ہیں۔تم جس کے پاس کیس رجسٹر کروانا چاہو کروا دینا۔۔۔۔۔۔یہ چھٹا مہینہ جا رہا ہے نا؟

ہاں۔۔۔۔۔پاری نے آہستہ سے کہا۔

اب ضرور ڈاکٹر کو دکھا لو،بعد میں یہ لوگ اعتراض اٹھا دیتے ہیں۔

بھابھی جی۔اب ہمارے پاس پیسے جمع ہو گئے ہیں ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔

پلیز اگلے ہفتے کا ٹائم لے کر آپ پاری کو ضرور لے جائیں۔یہ خود ڈاکٹر ہے نا اس لیے سستی کر رہی ہے۔۔۔۔۔۔

اوجی۔۔۔۔۔۔میں خود آجاؤں گا اور بہن جی کو لے جاؤں گا اقبال سنگھ نے کہا۔۔۔۔۔۔

پھر وہ ہنسی ہنسی رخصت ہوئے۔

ان کے جانے کے بعد پاری اور ڈیوڈ بار بار اپنے گھر کو دیکھتے اور خوش ہوتے تھے۔کتنے دنوں کے بعد انہیں اپنا سا گھر نصیب ہوا تھا۔پاری کبھی اس کمرے میں جاتے کبھی اس میں۔۔۔۔۔۔۔کبھی پلنگ کی تعریف کرتی کبھی

صوفے کی۔۔۔۔۔۔۔۔کبھی کہتی۔۔۔۔۔۔ڈیوی! اتنے کم پیسوں میں ہم تو کبھی اتنی چیزیں نہ خرید سکتے۔
ڈیوڈ ہنس کے کہتا۔۔۔۔۔۔مگر تیری بھائی نے کام آسان بنا دیا۔۔۔۔۔
کتنے نیک لوگ ہیں، ہے نہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟
پارتو نیک عورت ہے تجھے ہمیشہ نیک لوگ مل جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ باتیں کرتا کرتا اٹھ کے غسل خانے میں کپڑے تبدیل کرنے گیا اسے کچھ زیادہ دیر لگ گئی۔ جب واپس آیا تو پاری کپڑے بدل کے بے ہوش سوئی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔۔برتنوں کا ڈھیر ویسے ہی بیسن میں پڑا ہوا تھا۔بتی جل رہی تھی۔اوروہ بے سدھ سو رہی تھی ڈیوڈ تھوڑی دیر تک اس کے معصوم اور مطمئن چہرے کو دیکھتا رہا کتنے عرصے کے بعد اس نے پاری کے چہرے پر طمانیت دیکھی تھی۔ بے چاری نازوں کی پالی لڑکی بڑے صبر کے ساتھ اس او نچے نیچے میٹرلیس پر سوتی رہی۔شکوہ تک زبان پر نہ لائی آج آرام دہ بستر ملا تو لیٹتے ہی سوگئی۔۔۔۔۔
بچاری لڑکی۔۔۔۔۔۔۔پیاری لڑکی!
اگلے ہفتے پاری، سونو بھابھی کے ساتھ ہسپتال گئی۔۔۔۔۔اپنا چیک اپ کروایا، فیسیں جمع کروائیں، ہیلتھ پالیسی خرید لی اور اپنا کیس بھی رجسٹر کرا دیا۔وہاں اس کی ملاقات ایک پاکستانی لیڈی ڈاکٹر سے ہوگئی۔جو گائنا کالوجسٹ تھی۔اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ پاری بھی لیڈی ڈاکٹر تھی۔پاری نے موقع غنیمت جان کر اس سے میڈیکل کے امتحان کی ساری معلومات لے لی تھیں۔اس نے پاری کو بتایا کہ پاری ابھی سے اپلائے کر دے۔اور تیاری کرتی رہے۔امتحان وہ سال کے کسی حصہ میں بھی دے سکتی ہے۔۔۔۔۔۔
سونو بھابھی نے رفتہ رفتہ اس کے پردے، تکیے اور کمبل بھی خرید کر بھیج دیئے تھے۔اس کے بعد پاری نے شوانا کے دیئے ہوئے پردے نکال کر دھوئے۔ استری کئے اور ایک دن اس کے گھر دینے چلی گئی۔شوانا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔
جب پاری نے بتایا کہ اس نے فرنیچر خرید کر سیٹ کر لیا ہے۔تو وہ بولی کسی دن وہ اس کا گھر دیکھنے آئے گی۔
اب پاری بہت آسودہ رہنے لگی تھی۔اس کا چہرہ بھی بشاش بشاش نظر آتا تھا۔فارمیسی میں کام بھی بڑی لگن اور دلجمعی سے کرنے لگی۔سر دست جتنے مسائل تھے سبھی حل ہو گئے تھے آگے کی خبر خدا جانے۔۔۔۔۔
اب وہ مارکیٹ اور خریداری کے آداب سے بھی واقف ہوگئی تھی۔۔۔۔۔سٹور بند ہونے کے بعد مارکیٹ میں گھومتی رہتی جس دوکان پر سیل کا بورڈ دیکھتی وہاں ضرور چلی جاتی۔اور گھر کے استعمال کی چھوٹی موٹی چیزیں خرید لاتی اس کی خریداری پانچ یا دس ڈالر سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔مگر کسی نہ کسی سٹور میں گھس جاتی۔اور گھر کے استعمال کی یا اپنی ضرورت کی کوئی شے خرید لاتی۔ایک اتوار کو انہوں نے اقبال سنگھ سونو بھابھی اور بچوں کی دعوت بھی کی تھی سارا کھانا پاری نے خود بنایا۔

UrduPoint.com

وہ لوگ جب گھر میں آئے تو حسب روایت ان کے لیے ایک تحفہ لائے۔
پاری نے کھول کر دیکھا وہ روم ہیٹر تھا ایک دم بولی۔
سونو بھابھی آپ اتنا مہنگا تحفہ لے آئیں۔۔۔۔۔۔۔
آپس میں ایسی باتیں نہیں کرتے اس روز میں نے دیکھا تھا آپ کے ہاں روم ہیٹر نہیں تھا اس اب سردی زیادہ شروع ہوگئی ہے۔۔۔۔۔اسے کام میں لاؤ۔
شکریہ بھابھی۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ بولا، واقعی آپ بڑے کام کی چیز لائی ہیں میں سوچ رہا تھا کسی دن خرید لاؤں گا مگر میرا دن تو بسیں بدلنے میں ہی تمام ہو جاتا ہے۔
ڈیوڈ بھائی! اقبال سنگھ بولا۔
تم ایک سیکنڈ ہینڈ کار کیوں نہیں لے لیتے۔۔۔۔۔۔؟
ارے بھائی۔۔۔۔۔۔یہ کیا کہہ رہے ہیں ابھی میں کار افورڈ نہیں کر سکتا۔
دیکھو میری بات سنو۔۔۔۔۔۔یہاں نئی کاریں قسطوں میں مل جاتی ہیں مگر پرانی کاریں یا سیکنڈ ہینڈ تو بہت ہی سستی مل جاتی ہیں۔
پانچ سو ڈالر میں بھی۔۔۔۔۔۔۔ایک ہزار ڈالر میں بھی۔۔۔۔۔۔
بھئی کام پر تو تم بس میں ہی جاتے رہنا۔کہیں ادھر ادھر گھومنے کے لیے ایک کار خرید کے ڈال لو۔
نہیں ابھی ہمارے بہت اخراجات کے موسم آنے والے ہیں۔
اللہ مالک ہے تم نیت تو کرو۔جیسے اور سارے کام ہو رہے ہیں یہ کام بھی ہو جائے گا۔ڈیوڈ کچھ نیم رضا مند ہو گیا۔
وہ دن دونوں خاندانوں کے ہنستے کھیلتے گزارا۔
اگلے دن رات کو جب ڈیوڈ گھر آیا تو اس کے چہرے پر خوشی تھی۔۔۔۔۔

بوجھو تو پاری آج کیا ہوا ہے۔
میں کوئی جوتشی تو نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔۔مگر اتنا ضرور مان ہوگئی ہوں کوئی خوشی کی خبر ہے جو تم بتانا چاہتے ہو۔
پاری پاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔اللہ ہم پر مہربان ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔
جس ڈاک خانے میں میں پوسٹ مین کا کام کرتا ہوں وہاں پوسٹ ماسٹر اچانک بیمار ہو کر نوکری چھوڑ گئے ہیں انتظامیہ نے اس نوکری کی مجھے آفر دی ہے۔کیونکہ میں ہر ایک کا کام کر دیتا تھا کئی دفعہ پوسٹ ماسٹر کا بھی کام کر دیتا تھا انہوں نے جاتے جاتے مجھے ریکومنڈ کر دیا ہے۔
یہ تو خوشی کی بات۔۔۔۔۔۔۔۔دو دو نوکریوں سے جان چھوٹے گی۔پاری بولی۔
اور تنخواہ بھی تو دو نوکریوں کے برابر ملے گی۔
پھر جلدی سے حامی بھر لو۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔
میں حامی بھر آیا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔
چالاک۔۔۔۔۔۔۔۔پاری ہنس کر بولی، مجھے آزما رہے تھے۔
پاری واقعی ہمارا بچہ بڑا نصیبوں والا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اس کی چھاؤں پڑی اور ہمارے سارے کام ہونے لگے
ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔مگر آج تو تمہارا کام بھی میرے خدا نے کر دیا ہے۔۔۔۔۔۔
اچھا بدلہ اتار رہی ہو۔۔۔۔۔۔خوب خوب۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ اور پاری ہنسنے لگے، اور ہنستے چلے گئے جانے کتنے دنوں کے بعد وہ اس طرح ہنسے تھے۔
اقبال بھائی نے ٹھیک کہا تھا نیت کرو اللہ مسبب الاسباب ہے، ڈیوی تم کوئی سیکنڈ ہینڈ کار لے ہی لو۔پوسٹ ماسٹر صاحب تو بسوں کے دھکے کھاتے اچھے نہیں لگتے۔۔۔۔۔۔۔
لے لوں گا ڈیوڈ بولا۔اگرچہ پوسٹ آفس تو ہمارے اپنے علاقے میں ہے مگر کم از کم بیگم صاحبہ کو اس کی فارمیسی تک تو چھوڑ دیا کریں گے۔۔۔۔۔۔۔
ایک دن پاری نے بڑے موڈ میں آ کر ڈیوڈ سے کہا۔۔۔۔۔
ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔کیوں نہ آنٹی وغیرہ کو کھانے پر بلائیں۔۔۔۔۔۔
ہیں۔۔۔۔۔۔۔یہ میں کیا سن رہا ہوں؟
کیوں میں غلط تو نہیں کہہ رہی، ہمیں چاہیے کہ ہم آنٹی کوکو اور ان کی فیملی کو کھانے پر مدعو کریں۔
تم ان کو اپنا سٹیٹس دکھانا چاہتی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔؟
کیا سٹیٹس ہے ہمارا ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔تمہیں بھی کچوکے لگانے کی عادت ہے۔یہ ایک چھوٹا سا معمولی سا فلیٹ ہے۔ناؤن باؤسز جیسا۔۔۔۔۔اندر سیکنڈ ہینڈ فرنیچر اور سیل میں خریدی ہوئی ہر چیز پڑی ہے اور باہر ایک سیکنڈ ہینڈ کار ہے جو ہم نے پانچ سو ڈالر میں خریدی ہے۔۔۔۔۔۔
تم کتنی جلدی برا مان جاتی ہو پاری، میں تو مذاق کر رہا تھا۔
میں نے دیکھا ہے ڈیوی تم بڑی سنگین بات کہہ کے بعد میں اسے مذاق میں ٹالنے کی کوشش کرتے ہو تمہیں دوسروں کے جذبات مجروح کرنا خوب آتا ہے۔
بھئی اب جانے بھی دو تم تو بات پکڑ لیتی ہو۔
نہیں میں کچھ کچھ تمہیں سمجھنے لگی ہوں تمہاری عادتوں کو سمجھنے لگی ہوں۔
عادتوں کو سمجھنا تو بڑی اچھی بات ہے مگر نیتوں پر شک کرنا بری عادت ہے۔
پاری خاموش ہوگئی۔۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا، پھر بولا۔۔۔۔۔۔۔۔اچھا اب طے بھی کرو کہ کب بلانا چاہتی ہو ابھی تک ان کا میٹریس ہمارے ہاں پڑا ہے۔میں یہ بھی ان کو دینا چاہتا ہوں دینے جاؤں گا تو کھانے کی دعوت دے آؤں گا۔تمہارے رشتے دار ہیں تمہارا جو دل چاہے کرو۔دیکھو پاری اب بات نہ بڑھاؤ معاف بھی کر دو ویسے مجھے تمہارا آئیڈیا اچھا لگا ہے۔میں نے خود یہ سوچ کر کہا تھا اتنا عرصہ ہم ان کے گھر میں رہ کر آئے ہیں۔آخر مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔اصولاً ہمیں انہیں فوراً بلانا چاہیے تھا مگر اس وقت ہمارا گھر تو گھر کہلانے کے لائق نہ تھا۔۔۔۔۔اور اب اس لیے بلانا چاہتی ہوں آنے والے مہینوں میں مجھ سے اتنا کام نہیں ہو سکے گا۔ٹھیک بالکل ٹھیک۔۔۔۔۔۔۔۔میری جانِ جگر بہت عقل مند خاتون ہے اور میں انتہائی احمق انسان ہوں بی بی جی معاف کرو۔۔۔۔۔۔اس نے اس طرح ہاتھ جوڑ کر کہا کہ پاری کی ہنسی نکل گئی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 44

سچ پاری تم نے بڑی اچھی تجویز دی ہے۔ہمیں کرسمس سے پہلے انہیں اپنے گھر مدعو کر لینا چاہیے۔میں کبھی کبھی فون پر ان کا حال دریافت کر لیتا ہوں۔اور میں نے انہیں یہ بتا دیا تھا کہ اب میں پوسٹ ماسٹر کے جاب پر ہوں۔
میں نے بھی ''فارمیسی'' سے دو ایک مرتبہ انہیں فون کر دیا تھا وہ یہ نہ کہیں کہ ہم اتنے بے مروت نکلے کے ان کا احساس ہی بھول گئے۔
پاری پلیز اب بات نہ بڑھاؤ۔۔۔۔۔۔جلدی سے طے کرو۔میں کل ہی ان کا میٹریس دے آؤں گا اور انہیں کھانے کی دعوت دے دوں گا۔
اگلے سنڈے کو لانگ ویک اینڈ آرہا ہے ان سب کو بلا لو۔میں دو دن میں سارا کھانا بنا لوں گی۔
پاری نے دو دن لگا کے بڑے پر تکلف اور مزے دار کھانے تیار کر لئے۔تھوڑے تھوڑے کر کے اس نے برتن اور گھر کی چیزیں تو خریدی تھیں۔اتوار کے روز دو کمروں کو چمکا کر صاف کیا پھول لگائے،دوپہر کے بارہ بجے وہ لوگ آ گئے۔
آنٹی کو کو گھر کے اندر داخل ہوئی تو حیران سی ہو گئیں مگر اپنی حیرانی کو انہوں نے خندہ پیشانی میں چھپا لیا۔بڑے تپاک سے ملیں۔راج انکل اور لڑکیاں بھی خوش دلی سے ملیں۔۔۔۔۔۔۔۔
کیسی ہو پاری۔۔۔۔۔۔؟
ٹھیک ہوں آنٹی۔۔۔۔۔۔۔
پہلے تو ہم تمہارا گھر دیکھتے ہیں،آنٹی بولیں۔
گھر کیا ہے آنٹی یہ تو کٹیا ہے بس سر چھپانے کا آسرا ہے۔پاری بولی۔
وہ لوگ بیڈ روم میں گئے۔۔۔۔۔۔
یہ بیڈ کور کہاں سے لیا بہت اچھا ہے۔۔۔۔۔۔۔ہائے یہ پلنگ دیکھو۔۔۔۔۔۔
یہ بیڈ کور بھی بہت اچھا ہے۔۔۔۔۔۔۔پھر لونگ روم میں آ کر بیٹھ گئے کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔
تھوڑی سی گپ شپ کے بعد پاری کھانا لگانے لگی۔انکل اور ڈیوڈ اپنے اپنے دفتر کی باتیں کرنے لگے
۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ تمہیں اتنی جلدی اتنا اچھا جاب مل گیا۔آنٹی بولیں۔
بس آپ کی دعا ہے آنٹی۔۔۔۔۔۔۔
اور پاری کو فارمیسی میں کام مل گیا؟
اس نے خود ہی تلاش کر لیا۔بس شکر ہے اللہ کا۔۔۔۔۔۔۔کہ زیادہ پریشان نہیں ہونا پڑا اور نہ آپ تو جانتی ہیں یہاں سیٹل ہونے میں برسوں لگ جاتے ہیں۔
ڈیوی بھیا!اب آپ نیا گھر لے لو،یہ تو بہت چھوٹا ہے پریا نیکا نے نخرے سے کہا۔
ہمارے لیے ٹھیک ہے بہنا۔۔۔۔۔۔۔دو بندے ہیں ہم۔۔۔۔۔۔۔ہم ایک کمرے میں ہی خوش ہیں اور ابھی ہماری حیثیت نہیں بنی کہ بڑا گھر لے لیں۔
کم آمدنی والے لوگ ایسے ہی گھروں میں رہتے ہیں آنٹی بولیں۔
ویسے ہمیں یہ گھر اور یہ جگہ بہت پسند ہے۔پاری بولی۔۔۔۔۔۔۔دو قدم پر مارکیٹ ہے میں اپنے کام پہ پیدل چلی جاتی ہوں ڈیوڈ کا آفس بھی قریب ہے۔
تم دونوں کے جاب مستقل تو نہیں ہیں انکل راج نے کہا۔
نہیں۔۔۔۔۔یہ ہم دونوں کی مرضی پر منحصر ہے اگر پاری چاہے تو اپنا جاب جاری رکھ سکتی ہے مگر یہ میڈیکل کا امتحان دینا چاہتی ہے۔
کیسے دو گی امتحان تم۔۔۔۔۔۔۔آنٹی نے ترشی سے پوچھا تم نے تو بچے کی مصیبت پال لی ہے۔
بچہ مصیبت نہیں ہوتا آنٹی۔پاری نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔اور بچہ اپنا رزق خود لاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔امتحان میں نے دینا ہے میں تیاری کر لوں گی۔
بہت مشکل ہے یہاں امتحان سخت ہوتے ہیں آنٹی بولی۔
کوشش تو میں ضرور کروں گی پاری نے آہستہ سے کہا۔۔۔۔۔۔
بھئی کون ہے وہ سکھ جو تمہارا دوست بن گیا ہے اتنی جلدی اس نے پاری کو جاب دے دیا ہے۔
بہت اچھے لوگ ہیں وہ انکل۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔واقعی اگر اس جگہ وہ نہ ہوتے تو ہم ابھی تک کسمپرسی کی حالت میں پڑے ہوتے۔

آج انہیں بھی بلوا لیتے ۔ایسے اچھے لوگوں سے ہم بھی مل لیتے ۔آنٹی نے کہا۔
اتنا چھوٹا گھر ہے ہمارا۔۔۔۔۔۔۔چار بندوں سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے یہاں۔۔۔۔۔۔آپ آ گئے ہیں آپ کی بڑی مہربانی ہے۔
چلیں ماما پرنا نے کھانا کھانے کے بعد کہا۔۔۔۔۔۔تنگ جگہ ہے میرا دل گھبراتا ہے ۔ایسا نہیں کہتے۔۔۔۔۔۔
آنٹی نے اوپر سے دل سے کہا۔
مگر دل ہی دل میں آنٹی بہت حیران ہو رہی تھیں کہ تین چار مہینے کے اندر نہ صرف انہوں نے جاب ڈھونڈ لیے تھے بلکہ گھر بھی اچھا خاصا بنا لیا تھا یہاں کینڈا میں ایورج لوگ اسی انداز سے رہتے تھے وہ تو سمجھ رہی تھیں جس طرح انہوں نے گھر سے نکالا ہے ایک مہینے کے بعد روتے چیختے واپس آ جائیں گے۔
بھئی اب فون بھی لے لو نا؟۔۔۔۔۔نا ون ہاؤسز میں فون ہوتے ہیں۔۔۔۔۔آنٹی بولیں۔
میری لینڈ لیڈی تو مجھے کئی بار آفر کر چکی ہے، پاری بولی۔۔۔۔۔دو چار مہینوں میں لے لیں گے۔
فی الحال ضرورت نہیں ہے ۔ بہت شفیق ہے میری لینڈ لیڈی۔۔۔۔۔دس پندرہ دن کے بعد میری خیریت دریافت کرنے آ جاتی ہے۔
اچھا بھئی اب ہمیں اجازت دو صبح سب نے کام پر جانا ہوگا۔
وہ لوگ کھڑے ہو گئے۔
ڈیوی۔۔۔۔۔۔۔پاری نے رات سونے سے پہلے ڈیوڈ کو پکارا۔جو کپڑے بدل کے لیٹ چکا تھا۔
ہوں۔۔۔۔۔۔۔وہ تھکا تھکا سا بولا۔
تم کیا چاہتے ہو۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے ایک دم پاری کی طرف رخ موڑا۔
یہ بے وقت کیا بات لے بیٹھی ہو۔
کیا اس بات کا کوئی خاص وقت ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔؟ میں نے پوچھا ہے تم کیا توقع کر رہے ہو تمہارا لڑکا ہوگا یا لڑکی۔۔۔۔۔۔۔
سچی بات ہے پاری۔۔۔۔۔۔ مجھے تو لڑکی چاہیے کیونکہ ہماری کوئی بہن نہ تھی مجھے اور پیٹر کو بہت شوق تھا ۔۔۔۔۔۔۔میرے خدا نے تمہاری سن لی۔۔۔۔۔۔؟
کیا کہنا چاہتی ہو۔۔۔۔۔۔آج ڈاکٹر کے ہاں گئی تھی؟ ڈیوڈ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
پاری لیٹی رہی ، اور مسکراتی رہی آج میری اپائنٹمنٹ تھی سونو بھابھی آ کر مجھے لے گئی تھی آج ڈاکٹر نے مجھے بتایا۔۔۔۔۔۔
کیا بتایا۔۔۔۔۔۔؟ ڈیوڈ بے چین ہو گیا۔
کہ۔۔۔۔۔کہ۔۔۔۔۔۔
جلدی بتاؤ پاری۔۔۔۔۔۔جلدی بتاؤ نا؟۔۔۔۔۔۔۔
کہ تمہارے ہاں لڑکی آئے گی۔
ٹھرا۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ چھلانگ لگا کے فرش پر کھڑا ہو گیا۔پھر دوڑ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔اور کیا بتایا ڈاکٹر نے۔
۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے پوچھا۔
اس نے کہا ہے سب کچھ نارمل ہے اور بچی اپنے وقت پر پیدا ہوگی۔
ڈیوڈ ہنسنے لگا میں بھی پاگل ہوں پاری سچ مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے ہمارے گھر بیٹی آئے گی۔
ڈیوڈ میرا معاملہ تم سے الٹ ہے ہمارا کوئی بھائی نہیں تھا مجھے اور نیک کو بہت شوق تھا ہمارا بھائی ہو۔جب سکول میں لڑکیاں اپنے چھوٹے بڑے بھائیوں کی شرارتیں بتایا کرتی تھیں تو میں اور نیک حسرت سے انہیں دیکھا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔اسی لیے جب نیک کا پہلا بیٹا ہوا تو ہمارے گھر میں بہت خوشی منائی گئی۔۔۔۔۔۔
اچھا اچھا۔۔۔۔۔۔اب چھوڑو یہ باتیں۔۔۔۔۔۔اگلی مرتبہ اللہ سے بیٹا مانگ لیں گے۔
اور پتہ ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔یہاں کینڈا میں بچے یا بچی کا نام بھی رجسٹر کروانا پڑتا ہے۔
اچھا۔۔۔۔۔۔۔
ڈاکٹر نے مجھے کہا تھا میں اپنی متوقع بچی کا کوئی نام لکھوا جاؤں۔
تو آؤ سوچ لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔
میں نے تو لکھوا دیا تھا۔۔۔۔۔۔۔
کیا۔۔۔۔۔۔۔
پارسا۔۔۔۔۔۔۔؟

UrduPoint.com

تم نے بیٹی کا نام پارسا لکھوا دیا؟

ہاں ۔۔۔۔۔۔پاری نے مسکرا کر کہا۔ میں نے سوچ رکھا تھا اگر میری بیٹی پیدا ہوئی تو میں اس کا نام بھی پارسا رکھوں گی۔

اور تم نے مجھ سے پوچھا تک نہیں۔ ڈیوڈ آنکھیں نکال کر بولا۔ میری بچی اور نام تم نے رکھ دیا میری بچی کا نام رکھنے کا حق صرف مجھے پہنچتا ہے۔

کیا وہ میری بچی نہیں ہے صرف تمہاری ہے۔

یہاں پہلا حق میرا ہے اس پر اور اس کے نام پر۔۔۔۔۔۔۔

کیا کہہ رہے ہو ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔کیا کہہ رہے ہو؟۔۔۔۔۔۔

یہی کہہ رہا ہوں کہ بچے سارے میرے ہوں گے اور میرا ہی ان پر حق ہوگا۔

عجیب بات کر رہے ہو ڈیوڈ تم ۔۔۔۔۔۔حیرت ہے مجھے ۔۔۔۔۔۔پاری نے منہ پھیر لیا۔

سن لو میں نے سوچ رکھا تھا کہ اگر میری بیٹی پیدا ہوئی تو میں اس کا نام مریم رکھوں گا سن لو میں اپنی بیٹی کا نام مریم رکھوں گا۔

ٹھیک ہے تم اسے مریم بلا لیا کرنا۔

نہیں وہ غصہ سے بولا ۔۔۔۔۔۔ہسپتال کے کاغذوں میں اس کا نام مریم لکھا جائے گا تم بھی سن لو۔

اب میں نے لکھوا دیا یہ اب بدلا نہیں جا سکتا ۔۔۔۔۔۔۔

میں جا کے بدلواؤں گا وہ میری بیٹی ہے میں اس کا جو چاہے نام رکھوں۔

وہ میرا خاندان ہے وہ مجھ پر ہوگی۔ میرے مذہب پر ہوگی اور وہاں مذہب کے خانے میں کرسچن لکھا جائے گا سن لیا تم نے ۔۔۔۔۔۔

پاری اندر سے کانپ گئی۔ اس نے ڈیوڈ کا یہ موڈ پہلی بار دیکھا ۔۔۔۔۔۔۔

مگر تم کہتے تھے مذہب کے معاملے میں ہم کبھی نہیں لڑیں گے اور ہمارے بچے اپنی پسند کا مذہب اختیار کریں گے۔

یہ میں نے تب کہا تھا جب ہم پاکستان میں رہتے تھے وہاں کا معاملہ اور ہے یہاں میرے بچے کرسچن ہی کہلائیں گے کسی کا مسلمانوں والا نام نہیں ہوگا ۔۔۔۔۔۔

پاری کے دل کو ٹھیس لگی ۔۔۔۔۔۔وہ لیٹے لیٹے رونے لگی ۔۔۔۔۔۔وہ تو سمجھتی تھی سب مرحلے طے ہو گئے ہیں ۔۔۔۔۔مگر یہاں تو ایک مرحلہ بھی طے نہیں ہوا تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔

اس نے کوئی بات نہیں کی ڈیوڈ تھوڑی دیر غصے میں بکتا رہا اس کو چپ دیکھ کر بتی بجھائی اور سو گیا۔

صبح پاری معمول کے مطابق پہلے اٹھ گئی اور ناشتہ بنا کر میز پر رکھ دیا روز کی طرح پاس آ کر نہیں بیٹھی۔ ڈیوڈ نے اس کی طرف غور سے دیکھا اس کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں اور چہرہ اترا ہوا تھا ناشتہ کر کے ڈیوڈ تیار ہونے لگا پاری بھی تیار ہوتی رہی۔ سارا وقت اس نے ڈیوڈ سے کوئی بات نہیں کی۔ جب وہ اپنا میٹرنٹی کوٹ پہن کر باہر نکلنے لگی تو ڈیوڈ دوڑا آیا۔

پاری ۔۔۔۔۔۔پاری ۔۔۔۔۔۔ٹھہرو میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔

نہیں میں چلی جاؤں گی۔ پاری نے اداسی سے کہا اور سیڑھیاں اترنے لگی۔

ڈیوڈ دروازہ لاک کر کے اس کے پیچھے دوڑا آیا ۔۔۔۔۔۔

اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بولا، پارو ابھی تک ناراض ہو ۔۔۔۔۔۔

بس ڈیوڈ اب یہ نہ کہنا میں مذاق کر رہا تھا پاری غصے سے بولی۔ جو کچھ تم نے رات کو کہہ دیا ہے میری آنکھیں کھولنے کو بہت کافی ہے۔

©۔جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 45

کیا کہہ دیا ہے میں نے رات کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔رات کو تو میں ویسے بھی تھکا ہوا ہوتا ہوں بکواس کر دیتا ہوں۔
مجھے بکواس اور مذاق میں فرق کرنا آتا ہے۔
اچھا میری جان روٹھو نہیں۔۔۔۔۔ مجھے جوتے مار لو مگر پیدل نہ جاؤ۔۔۔۔۔۔آج تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔۔۔۔۔تم ضد کرو گی تو دونوں لیٹ ہو جائیں گے وہ اسے گھیر کر موٹر کی طرف لے آیا دراز کھولا وہ اندر بیٹھ گئی خاموش رہی۔۔۔۔۔۔وہ آ کے سٹیئرنگ پر بیٹھ گیا۔۔۔۔۔۔۔
اور کہنے لگا۔۔۔۔۔۔۔دو منٹ کا راستہ ہے جلدی طے ہو جائے گا سڑک پر میں ڈرامہ نہیں کرنا چاہتا، جو کچھ میں نے رات کو کہا اس کی معافی چاہتا ہوں۔۔۔۔۔اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے ہم اپنی بیٹی کے دونوں نام رکھیں گے مریم بھی اور پارسا بھی۔۔۔۔۔۔۔اب جب ڈاکٹر کے پاس جاؤ نا؟ تو یوں لکھوا دینا ''پارسا مریم''
ٹھیک ہے۔۔۔۔۔۔۔؟
''فارمیسی'' آ گئی تھی۔ پاری آہستہ سے دروازہ کھول کر اتر گئی۔۔۔۔۔۔۔مگر دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اک کانٹا سا اتر گیا تھا قلب و جاں میں جس کی خلش بڑی جاں لیوا تھی۔۔۔۔۔۔۔
سارا دن وہ اس خلش سے لڑتی رہی۔
ایک گھٹا سی دل پر چھائی تھی۔ چھٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی پتہ نہیں دل میں کیوں آ گیا تھا۔ پاری کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا ہوا ہے کافی دنوں کے غور و غوض کے بعد اس نے اقبال سنگھ کی مدد سے اپنا داخلہ بھجوا دیا۔ کتابیں خرید لیں جب ''فارمیسی'' میں کوئی گاہک نہ ہوتا وہ مطالعہ کرنے لگتی۔ کوئی آ جاتا تو کام کرنے لگتی۔۔۔۔۔۔علاقے میں سردار اقبال کی ''فارمیسی'' بہت ترتیب دے کر دوائیاں اور باقی چیزیں خوبصورتی سے سجاتی تھیں جو بھی دیکھتا وہ پاری کے حسن ترتیب کی داد دیئے بغیر نہ رہتا۔
اقبال سنگھ نے تو ''فارمیسی'' کا سارا معاملہ پاری کے سپرد کر دیا تھا کئی بار تو سارا دن سٹور میں نہیں آتا تھا اب پاری نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ ایک حصے میں میک اپ کی اور عورتوں کے استعمال کی چیزیں رکھ دے۔ اس نے اس آئیڈیا کو بہت پسند کیا تھا اور اس کوشش میں دونوں میاں بیوی لگے ہوئے تھے۔۔۔۔۔
اقبال سنگھ نے پاری کو اجازت دے دی تھی کہ فالتو وقت میں وہ اپنی سٹڈی کر لیا کرے اب تو گھر جا کر بھی پاری کھانے کے بعد تھوڑی دیر پڑھا کرتی۔ وہ خواہ مخواہ ڈیوڈ سے الجھنا نہیں چاہتی تھی اور ڈیوڈ بھی سمجھ گیا تھا کوئی نازک بات ان کے درمیان آ گئی ہے ہر وقت اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتا کبھی کہتا۔۔۔۔۔
آج میں تمہیں ایک نئے سٹور میں لے جاؤں گا ہم اپنی بچی کے لیے چیزیں خریدیں گے۔۔۔۔۔۔
وہ کہتی کہ اتنے چھوٹے بچے کے لیے زیادہ چیزیں نہیں خریدتے۔۔۔۔۔پھر وہ کہتا ویک اینڈ پر کھانا باہر کھائیں گے۔
UrduPoint.com
کبھی کبھی کہتا پاری تم اتنی زود رنج نہ بنا کرو۔ میں تو پاگل ہوں میرے منہ سے کوئی بات نکل جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔
پاری اکثر سوچا کرتی اس بھری دنیا میں، میری بیٹی کے سوا میرا کون ہو گا۔۔۔۔۔اس لیے اسے اپنی بیٹی کی آمد کا شدت سے انتظار تھا۔
اتنے میں کرسمس کی آمد آمد ہو گئی۔ یوں لگتا کہ بازاروں نے لبادہ اور نئی روشنی اوڑھ لی ہے۔ ہر دوکان کا چکا چوند اور سجاوٹ آنکھوں کو چندھیا رہی تھیں خریداری کا اتنا زور شور تھا کہ اکثر وہ شیشوں کی اوٹ سے لوگوں کو آتا جاتا دیکھا کرتی۔
ایک دن سردار اقبال سنگھ ڈھیروں کارڈ اٹھائے ہوئے آ گئے۔ اور بولے۔
بہن جی۔۔۔۔۔۔۔ میں یہ نیو ائیر کارڈ تھوک کے حساب سے لایا ہوں آج کل لوگ یہ کارڈ بہت خریدتے ہیں آپ دوکان میں سجا دیں۔
ٹھیک ہے اقبال بھائی۔۔۔۔۔۔۔پاری کارڈ کھول کے سجانے لگی۔
اقبال سنگھ نے کہا۔
بہن جی۔۔۔۔۔۔آپ نے اپنے عزیزوں کو کارڈ بھیجنے ہوں تو اس میں سے لے لینا۔
میں نے۔۔۔۔۔۔۔؟ پاری نے حیران ہو کر انہیں دیکھا، نہیں تو۔۔۔۔۔
نہیں نہیں تکلف نہ کریں۔ میری طرف سے ایک کارڈ لے لیں۔ اور اپنے کسی دوست یا عزیز کو ضرور بھیجیں۔۔۔۔۔۔۔
دوست۔۔۔۔۔۔عزیز، پاری سوچ میں پڑ گئی۔ جیسے صدیاں بیت گئی ہوں نتازہ ہوا کا جھونکا آیا۔۔۔۔۔۔۔نہ

کوئی خوشبودار احساس ہو جاتا۔کتنا دل کرتا تھا کہ امی جان کو خط لکھنے کو۔۔۔۔۔۔مگر وہ کیا لکھتی۔۔۔۔۔۔اعتراف گناہ کرتی۔۔۔۔۔۔معافی مانگتی۔۔۔۔۔رحم کی بھیک مانگتی۔۔۔۔۔۔محبت کا واسطہ دیتی۔۔۔۔۔اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آتا۔۔۔۔۔۔اس کے علاوہ کون تھا۔۔۔۔؟

ہاں۔۔۔۔۔سوٹ کیس کی سب سے نچلی تہہ میں پڑا ہوا ایک نیلا لفافہ کسمسایا۔۔۔۔اس میں سو سو کے دس نوٹ تھے ابتدا میں جب حالات دگرگوں ہو جاتے تھے۔تو وہ ان میں سے ایک نوٹ نکال لیا کرتی تھی۔۔۔۔۔۔پھر جب اس کے پاس پیسے آ جاتے تو نوٹ واپس رکھ دیتی۔اس کو ہمیشہ یہ گمان رہتا کہ ایک دن وہ اپنوں میں واپس آ جائے گی اور غزالی کی امانت لفافے سمیت اسے لوٹائی جائے۔۔۔۔۔

غالباً یادکی صرف ایک ہی کڑی تھی جو ان دونوں کے بیچ رہ گئی تھی۔۔۔۔۔

بس۔۔۔۔۔اور تو کچھ نہیں۔۔۔۔۔

ایجادات کے اس ہنگامے میں۔۔۔۔۔مشینوں کے اس دور میں۔۔۔۔۔نہ جانے ابھی تک احساسات کا دل سے تعلق کیوں موجود تھا یا دیں یقین کی طرح دل سے چمٹی رہتی ہیں۔۔۔۔۔۔

وہ نیو ائیر کارڈ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔۔۔۔۔۔ان کی تحریریں پڑھنے لگی۔۔۔۔۔ایک کارڈ کی تحریر بالکل انوکھی تھی۔۔۔۔۔

نئے سال کے۔۔۔۔۔۔

نئے دن کو۔۔۔۔۔۔

نئی دعا دینے کے لیے۔۔۔۔۔

پاری نے وہ کارڈ چن لیا اور سردار اقبال کو بتا دیا کہ اس نے ان کی خواہش پر ایک کارڈ لیا ہے۔۔۔۔۔۔

بڑے رسان سے اس نے قلم نکالا۔اور پتہ لکھنے لگی۔۔۔۔۔۔پتہ تو اسے ازبر ہو گیا تھا جب بھی لفافہ کھولتی جب بھی نوٹ نکالتی نئے سرے سے ان کا وزیٹنگ کارڈ دیکھتی۔پتہ فون نمبر جیسے ذہن میں فیکس مشین پر مرتسم ہو گیا تھا۔اس نے پتہ لکھا اور کارڈ پر اپنا نام لکھے بغیر ٹکٹ لگائی اور کارڈ کو لیٹر بکس میں ڈال دیا۔

وہ اپنا نام لکھتے ہوئے ڈرتی تھی۔

پتہ نہیں اب اس کا نام اس قابل رہا تھا یا نہیں۔۔۔۔۔۔

لیکن غزالی کو کارڈ پوسٹ کرنے کے بعد اس کا دل ہلکا ہو گیا۔یوں لگا کہ دل و ذہن پر جو کالی بدلیاں چھائی تھیں بن برسے چھٹ گئی ہیں۔مطلع صاف ہو گیا ہے ڈیوڈ کے ساتھ اس کے معاملات آپ ہی آپ ٹھیک ہو گئے۔رات کو اکثر وہ ڈیوڈ کے ساتھ کرسمس کا رونق میلا دیکھنے چلی جاتی۔

کبھی کبھی وہ کھانا باہر کھاتے۔کبھی بچی کے لیے کوئی چیز بھی خرید لیتے۔۔۔۔۔۔کئی بار وہ خود سارے سٹوروں پر چلی جاتی ایک دن وہ پاکستانی سٹور پر گئی اور وہاں نئے سال کے کیلنڈر آئے ہوئے تھے۔ان میں کچھ اسلامی مہینوں کے کیلنڈر بھی تھے۔اسے ایک کیلنڈر پسند آ گیا اس نے خرید لیا اس میں عیسوی مہینوں کے ساتھ ہجری مہینے بھی درج تھے،اور کیلنڈر کے اوپر خانہ کعبہ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔اسے یہ تصویر بہت پیاری لگی۔یوں لگا کہ بس اسی تصویر سے اس کا دنیا میں ناطہ ہے۔

کیلنڈر لا کے اس نے کھانے کی میز کے سامنے جو دیوار تھی اس پر لٹکا دیا بہت خوبصورت لگا وہ کھانے پکاتے ہوئے اسے دیکھتی رہتی تھی۔

ڈیوڈ کی نظر اس پر پڑی تو ٹھٹک گیا دیکھتا رہا پھر پوچھنے لگا۔۔۔۔۔۔

یہ کیلنڈر کہاں سے آ گیا۔ابھی تو نیا سال شروع نہیں ہوا۔۔۔۔۔؟

میں لائی ہوں۔۔۔۔۔؟

کہاں سے خریدا۔۔۔۔۔۔؟

پاکستانی سٹور پر،پاکستانی چھپے ہوئے بہت سے کیلنڈر آئے ہوئے تھے۔ایک میں خرید کر لے آئی۔۔۔۔۔کیسا ہے۔۔۔۔۔؟اس نے ہنس کر پوچھا۔

ڈیوڈ کھانا کھاتا رہا۔۔۔۔۔ذرا ٹھہر کے بولا۔۔۔۔۔پاکستان تمہارے اندر سے نہیں نکلتا۔۔۔۔۔۔

پاری نے سر اٹھا کر دیکھا وہ کھانا کھاتا رہا پاری کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کہہ رہا ہے خانہ کعبہ تمہارے اندر سے نہیں نکلتا۔۔۔۔۔

پاری نے کوئی جواب نہیں دیا بعض باتوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔خود اپنی ذات کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی جواب نہیں ہوتا۔کسی دوسرے کو آدمی کیا سمجھتا ہے۔

پاری نے محسوس کیا کہ ڈیوڈ جب بھی کھانے کی میز پر آتا۔کیلنڈر کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ جاتا۔

ایک دن پاری نے وہ کیلنڈر وہاں سے اتار کر کچن کی دیوار پر لگا دیا۔۔۔۔۔۔۔۔ جہاں سے اسے صرف پاری ہی دیکھ سکتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ پاری کا چہرہ کیلنڈر کی طرف رہتا۔ اور وہ کھانا پکاتی رہتی۔۔۔۔۔

پھر ایک عجیب بات ہوئی چند دن کے بعد ڈیوڈ ایک کیلنڈر لے کر آیا اور وہ اس نے بیڈ روم کی دیوار پر لٹکا دیا۔

پاری جب اندر گئی تو اس نے دیکھا وہ کنواری مریم کی اس تصویر کے ساتھ تھا جو عام طور پر ان کے ہاں چھپی ہے۔۔

ڈیوڈ یہ کیلنڈر تم لائے ہو۔۔۔۔۔۔۔ رات کو سونے سے پہلے پاری نے پوچھا۔

کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ اپنے آپ چل کر آ گیا ہے۔۔۔۔۔؟

ایک کیلنڈر گھر میں کافی نہیں تھا، پاری بولی۔۔۔۔۔۔۔۔

میں یہ خاص طور سے تمہارے لیے لایا ہوں۔۔۔۔۔۔۔ تاکہ تم اسے دیکھو، سنا ہے حمل میں عورتیں جیسی تصویریں دیکھتی ہیں ویسے بچے پیدا ہوتے ہیں یعنی خوبصورت تصویریں ہی دیکھنی چاہئیں۔۔۔۔۔۔۔۔

مگر ڈیوڈ ہماری بیٹی کی صورت تو اب بن گئی ہوگی کیونکہ اب بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے البتہ ابتدائی دنوں میں لوگ ایسی باتوں کا خیال رکھتے ہیں مگر ابتدائی دنوں میں تو میں برتن مانجھ رہی تھی یا جلیبیاں تل رہی تھی۔۔۔۔۔

طعنہ دے رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔؟ ڈیوڈ نے تلخی سے کہا۔

تم اسے طعنہ سمجھ لو میں نے تو سادگی سے ایک سچائی بیان کی ہے۔

دونوں خاموش ہو گئے۔۔۔۔۔۔ اور پھر بتی بجھا کر سو گئے۔۔۔۔۔۔

سونو بھابھی نے تو اسے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ جونہی تکلیف ہو اسے مطلع کر دیا جائے وہ اس کے ساتھ ہسپتال جائے گی۔۔۔۔۔۔۔ عجیب اتفاق یہ ہوا کہ اسے کرسمس کی رات تکلیف شروع ہو گئی۔۔۔۔۔

اصل میں اس رات ان دونوں کو دو پارٹیوں سے بلاوا آیا تھا ایک تو آنٹی کوکو نے بلایا تھا دوسرے سونو اور اقبال سنگھ نے۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ کا خیال تھا انہیں آنٹی کوکو کی پارٹی میں جانا چاہیے جبکہ پاری کہہ رہی تھی کہ دونوں کو تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے دونوں پارٹیوں میں جانا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ کہتا تھا یہ ممکن نہیں وہ صرف آنٹی کے ہاں جائے گا تو پاری نے کہا۔۔۔۔۔۔۔

تم آنٹی کے ہاں چلے جاؤ میں سونو بھابھی کے یہاں چلی جاتی ہوں۔۔۔۔۔

یوں کہو۔۔۔۔ تم میری آنٹی کے ہاں جانا نہیں چاہتیں۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ ذرا میرا حلیہ دیکھو۔۔۔۔۔۔ اس نے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

نہ تو مجھے کوئی کپڑا پورا آ رہا ہے نہ مجھ سے ٹھیک طرح سے چلا جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔ سونو بھابھی کے ہاں کیا پہن کر جاؤں گی۔

وہاں تو کوئی مجھے جانتا نہ ہو گا روزمرہ کے کپڑوں میں چلی جاؤں گی آج میری طبیعت بھی بوجھل ہے۔۔۔۔۔۔

تھوڑی سی لڑائی کے بعد ڈیوڈ راضی ہو گیا کہ وہ اسے سونو بھابھی کے ہاں اتار کر چلا جائے گا پھر رات گئے سونوں بھابھی اور اقبال بھائی اسے ڈراپ کر دیں گے وہ دوبارہ نہیں آئے گا۔۔۔۔۔۔۔

پاری مان گئی۔

راستہ بھر ڈیوڈ نے اس سے کوئی بات نہ کی تھی تنا تنا بیٹھا رہا اور جاتے وقت خدا حافظ بھی نہ کہا۔۔۔۔۔

پاری کے اندر درد سے اٹھنے لگے سونو کے ہاں کافی مہمان آئے ہوئے تھے۔ ان کے دوستوں میں زیادہ تر سکھ تھے خوب ناچ گانا ہوتا رہا۔۔۔۔۔۔

ساتھ پینا پلانا بھی چلتا رہا۔۔۔۔۔۔ پاری ایک طرف بیٹھی رہی۔۔۔۔۔۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے کیا ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔ بارہ بجے کے بعد جب سارا ہنگامہ عروج پر تھا اسے دردیں شروع ہو گئیں۔۔۔۔۔۔ اس نے سونو بھابھی کو ایک طرف بلا کر بتا دیا۔۔۔۔۔۔

وہ بولیں شور مت کرو کسی اور کو پتہ بھی نہ چلے۔۔۔۔۔ اقبال اس وقت دھت ہے میں اسے نہیں بتاؤں گی کپڑے بدل کے تمہیں چپ چاپ ہسپتال لے جاؤں گی تم گیٹ کے پاس میرا انتظار کرو۔

سونو بھابھی پلیز۔۔۔۔۔ ڈیوڈ کو فون کر دینا میں آپ کو آنٹی کا نمبر لکھ دیتی ہوں۔

پاری نمبر دے کر گیٹ کے پاس چلی گئی۔۔۔۔۔۔۔

وہاں سے آنٹی کے گھر فون کر کر کے تھک گئی۔۔۔۔۔۔ چیخ و پکار میں وہاں کوئی بات ہی نہیں سن رہا تھا۔

وہ گھبرا کر آ گئی۔ بولی۔

پاری ان کے گھر میں بڑا ہنگامہ ہے کوئی فون اٹھائے بھی تو بات نہیں سنتا۔ چلو کہیں دیر نہ ہو جائے میں اسے ہوسپٹل سے فون کر دوں گی۔

پاری بہت گھبرا رہی تھی بہت خوف زدہ تھی کے پہلے تجربے سے گزر رہی تھی قریب کوئی نہ تھا اس وقت ڈیوڈ بھی نہیں تھا۔۔۔۔۔ڈیوڈ جس کے لیے اس نے سارے خون کے رشتے توڑ دیے تھے۔ساری دنیا سے منہ موڑ لیا تھا ۔۔۔۔۔۔۔یہ سوچ کر وہ رونے لگی۔۔۔۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 46

تمہارے کاغذات تو تمہارے پاس ہیں نا؟ سونو بھابھی نے پوچھا۔
ہاں ۔۔۔۔۔۔آج کل وہ اپنا کارڈ اور سارے کاغذات اپنے پرس میں رکھا کرتی تھی ۔ٹھیک ہے گھبراؤ نہیں ۔۔۔۔۔۔روؤ نہیں یہاں کے ڈاکٹر بہت ہی ذمہ دار ہیں ۔چاہے عید ہو یا کرسمس نائٹ فوراً پہنچ جاتے ہیں۔
جب ڈاکٹر پاری کو دیکھ رہی تھی۔
سونو ڈیوڈ کو فون کرنے میں کامیاب ہوگئی وہ ایک دم سے گھبرا گیا مگر سونو بھابھی نے کہا۔۔۔۔۔۔
ڈاکٹر آ گئی ہے بس وہ گھر سے بچی کا ضروری سامان اٹھا کر آ جائے۔
ڈیوڈ اڑ کر جانا چاہتا تھا اب وہ پچھتا رہا تھا آج رات اسے پاری کو ساتھ رکھنا چاہیے تھا وہ دونوں کبھی علیحدہ علیحدہ نہیں گئے تھے۔۔۔۔۔۔پہلی بار گئے اور۔۔۔۔۔۔یسوع مسیح میری پاری کی مدد کرنا۔
وہ سارا راستہ یہ کہتا جا رہا تھا۔
جب وہ چیزیں لے کر ہسپتال پہنچا تو پاری لیبر روم میں جا چکی تھی ڈیوڈ کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔۔۔۔۔۔
اس وقت درد زہ کی شدت سے پاری چلا رہی تھی۔۔۔۔۔۔
تین بار اس نے بے اختیار ہو کر ماں کو پکارا۔۔۔۔۔۔
ہائے امی۔۔۔۔۔۔۔
ہائے میری امی۔۔۔۔۔۔
امی آ جاؤ۔۔۔۔۔ہائے ماں۔۔۔۔۔۔۔ہائے ماں۔۔۔۔۔۔۔۔
اس کی آخری چیخ اتنی دلدوز تھی کہ اس کے سرہانے کھڑا ڈیوڈ لرز گیا، اس کا دل چاہا پاری کو اٹھا کر فوراً اس کی ماں کے پاس لے جائے۔۔۔۔۔۔آخری چیخ کے ساتھ بچی پیدا ہوگئی اس کی چیخ بلند ہوئی تو پاری بے سدھ ہوگئی
۔۔۔۔۔۔۔
بیگم وحیدہ عرفان سوتے میں چلانے لگیں۔۔۔۔۔
پاری۔۔۔۔۔۔پاری۔۔۔۔۔۔۔
پاری میری بچی۔۔۔۔۔۔
پاری میری جان میری بچی۔۔۔۔۔۔پاری۔۔۔۔۔۔
ساتھ والے کمرے میں نیک اپنے بچوں کے ساتھ سوئی پڑی تھی گھبرا کے باہر نکل آئی جلدی سے بتی جلائی۔۔۔۔۔
اور ماں کو بلایا جلایا۔۔۔۔۔۔
امی جی۔۔۔۔۔۔۔امی جی۔۔۔۔۔۔۔کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔
پاری مجھے بلا رہی ہے پاری مجھے آواز دے رہی ہے ۔۔۔۔۔وہ چیخ رہی ہے۔۔۔۔۔۔بلاؤ اس کو وہ وحشت زدہ انداز میں بولیں۔
امی جی۔۔۔۔۔۔ہوش میں آئیں۔آپ نے کوئی خواب دیکھا ہے۔
نہیں میں نے اس کی آواز سنی ہے۔میں نے خود اپنے کانوں سے اس کی چیخ سنی ہے۔
نیک نے سمجھا ماں نے پھر کوئی خواب دیکھا ہے اس لیے ابھی تک اس کے زیر اثر ہیں۔وحیدہ عرفان اٹھ کر بیٹھ گئیں۔تم مجھے میری بچی سے کیوں نہیں ملنے دیتے۔وہ مجھے بلا رہی ہے۔
نیک ان کے قریب بیٹھ گئی اور ان کی پیٹھ سہلانے لگی۔۔۔۔۔کبھی بازو دبانے لگی پھر گلاس میں پانی لے آئی۔۔۔۔۔۔
انہوں نے دو گھونٹ پی لئے۔۔۔۔۔۔۔پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولیں۔پاری یہاں نہیں تھی۔۔۔۔۔۔
نہیں امی جی۔۔۔۔۔۔۔پاری یہاں کہاں۔۔۔۔۔۔۔وہ تو آرام سے کینڈا میں بیٹھی ہے بلکہ اس وقت سو رہی ہوگی آپ نے خواب دیکھا ہوگا۔
وہ خواب تھا نیک وہ خواب نہیں تھا۔۔۔۔۔۔میں نے خود اپنی بیٹی کی چیخ سنی ہے میری بیٹی تکلیف میں ہے وہ مجھے پکار رہی ہے۔
پکار رہی ہے، نیک نے غصے سے کہا آج تک ایک لفظ تو اس سے لکھا نہ گیا۔
اس نے دل پتھر کر لیا آپ بھی اپنا دل پتھر کا کر لیں۔
کیسے کر لوں۔۔۔۔۔۔وحیدہ عرفان رونے لگیں، کیسے کر لوں۔۔۔۔۔تمہارے باپ کے مرنے کے بعد میں نے اس کا عہد نبھایا۔میں نے اپنی مامتا کو سلایا۔۔۔۔۔۔۔میں خاموش رہی۔۔۔۔۔۔نیک میرا کلیجہ پھٹ جائے گا ۔مجھے میری بچی کے پاس لے جاؤ۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں وہ کس حال میں ہوگی۔۔۔۔۔۔ہائے میری پاری میری

پاری نازوں کی پالی۔۔۔۔۔میری جان پاری۔۔۔۔۔ ہائے میں مر جاؤں۔۔۔۔۔۔۔ میں کیا کروں ۔۔۔۔۔۔۔نیک مجھے میری بچی کے پاس لے چل۔۔۔۔۔۔۔۔وہ ایک دم مچلنے لگیں۔۔۔۔۔۔۔

کئی دنوں سے ان کا پریشر بہت ہائی تھا ایک ہفتہ CMH رہ کر آئی تھیں۔ڈاکٹروں نے انہیں ذہنی سکون اور جسمانی آرام کا مشورہ دیا تھا۔۔۔۔۔۔

وہ تو گولیاں کھا کے سو رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ پتہ نہیں کس طرح جاگ گئیں۔۔۔۔۔۔اور مچھلی کی طرح تڑپنے لگیں۔

آج غزالی بھی فیصل آباد گئے ہوئے تھے گھر میں کوئی مرد نہیں تھا۔نیک پریشان ہوگئی۔بار بار انہیں تسلی دیتی مگر وہ ہاتھ سے نکلی جاتیں۔۔۔۔۔

پاری۔۔۔۔۔۔۔پاری۔۔۔۔۔۔۔۔کی رٹ لگائے جاتیں۔۔۔۔۔۔۔

پھر دھم سے بستر پر گر گئیں۔۔۔۔۔۔۔۔ بے سدھ ہو گئیں۔۔۔۔۔۔گردن ڈھلک گئی نیک چیخیں مار مار کے رونے لگی۔۔۔۔۔۔۔۔

عین اس وقت نرس پاری کی بچی کو تیار کر کے نہلا دھلا کے کپڑے پہنا کے پاری کے پاس لائی۔۔۔۔۔

اسے دیکھتے ہی پاری کا چہرہ روشن ہو گیا اسے یوں لگا۔۔۔۔۔جیسے اس کی امی کی کوئی چھوٹی سی صورت اس کے آگے آ گئی ہو۔۔۔۔۔۔

بے تاب ہو کے اس نے اپنی بیٹی پکڑ لی۔۔۔۔۔۔۔۔

ماں۔۔۔۔۔۔۔۔میری ماں۔۔۔۔۔۔۔۔اسے سینے سے لگا کے۔۔۔۔۔بولی۔

میری بچی۔۔۔۔۔۔۔آہستہ آہستہ وہ اس کی نومولود سانسوں کو اپنے آنسوؤں میں جذب کرنے لگی۔۔۔۔۔۔۔

پتہ نہیں کیوں جب سے اس نے اپنی بچی کو سینے سے لگایا تھا اسے اپنی ماں بہت یاد آ رہی تھی۔

بچی کے اندر سے ایک الوہی، آسمانی خوشبو آ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔یہ فرشتوں کی سی خوشبو تھی یہ خوشبو اسے برابر ماں کی یاد دلائے جا رہی تھی۔

پتہ نہیں اس کے اندر ماما جاگی تھی۔

یا اولاد والی محبت پیدا ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ آہستہ آہستہ اس کی نرم کومل سانسوں کو محسوس کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔اور آہستہ آہستہ۔۔۔۔۔اپنی سانسوں کی گت پر ماں۔۔۔۔۔۔۔۔میری ماں۔۔۔۔۔۔۔ماں۔۔۔۔۔۔میری ماں کہہ رہی تھی۔

عین اس وقت لاہور شہر کے چھاؤنی والے گھر سے اس کی ماں کا جنازہ اٹھایا جا رہا تھا۔

جو اپنی بیٹی سے ملنے کی حسرت دل میں لیے جا رہی تھی!

وہ جا رہا تھا کوئی شب غم گذار کے!

پاری اپنی نومولود بیٹی کو لے کر گھر آ گئی۔۔۔۔۔۔۔

اور زندگی کا سارا نظام ہی بدل گیا۔بچہ کتنی بڑی سچائی ہے وہ سوچا کرتی۔بڑی حقیقت ہے۔۔۔۔۔اس دنیا میں بچہ ہی ایک سچ ہے باقی سب جھوٹ ہے۔۔۔۔۔۔۔بچی کا کام کرتے ہوئے۔۔۔۔۔۔۔اسے نہلاتے ہوئے کپڑے بدلواتے ہوئے اپنا دودھ پلاتے ہوئے وہ مسلسل سوچتی رہی۔۔۔۔۔۔۔ایسی ایسی باتیں جو کبھی اس کے وہم و گمان میں نہ تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔خاص طور سے جب وہ اسے گود میں لٹا کے اپنا دودھ پلاتے تو اسے یوں محسوس ہوتا تو خود ساتویں آسمان پر پہنچ گئی ہے یہ تو ایک خدائی رشتہ ہے۔۔۔۔۔۔یہ کس طرح ٹوٹ سکتا ہے اولاد کس طرح نافرمان ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ماں حافظے سے کیسے مٹ جاتی ہے۔۔۔۔۔۔ماں تو خالق ہوتی ہے۔ماں تو رزاق ہوتی ہے۔۔۔۔ماں تو رب سے قریب ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔

بچی کو دودھ پلاتے وقت اس پر شدت احساس طاری ہوتی۔وہ عجیب و غریب احساسات میں گھر جاتی ہے۔اکثر اسے اپنی ماں کا خیال آنے لگتا۔۔۔۔۔۔اکثر وہ رو دیتی۔۔۔۔۔۔اور ہر بار دل میں تہیہ کرتی کہ ذرا طبیعت سنبھل لے تو وہ اپنی ماں سے فون پر بات کرے گی چیخ چیخ کر روئے گی ان سے معافی مانگے گی پاکستان جا کر ان کے قدموں میں گر جائے گی۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ روزانہ اپنے دل میں مضمون بناتی کہ فون کر کے پہلی کون سی بات اپنی ماں سے کہے گی کیسے مخاطب ہوگی پورا ایک گھنٹہ فون پر بات کرے گی۔۔۔۔۔۔

آج بھی بچی کو دودھ پلاتے ہوئے وہ ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں تھی کہ کسی نے دروازے پر بیل کی۔۔۔۔۔بچی کو آرام سے لٹا کے اس نے دروازہ کھولا۔۔۔۔۔۔۔۔وہاں سونو بھابھی کھڑی تھی اور اس کے ساتھ ایک باریش آدمی کھڑا تھا۔

UrduPoint.com

''میں آپ کے لیے مولوی صاحب کو لے آئی ہوں''
سونو بھابھی نے یہ کہا اور دونوں اندر آ گئے۔
پاری کو یاد آیا بچی کی پیدائش کے بعد جو پہلا خیال اس کے ذہن میں آیا تھا وہ یہ تھا بچی کے کان میں اذان دلوائی جائے۔اس نے بزرگوں سے بھی یہی سنا تھا۔نیک کے دونوں بیٹے ان کی امی کے گھر میں پیدا ہوئے۔پیدائش کے فوراً بعد ان کے کان میں ابو نے اذان دی تھی۔وہ جب تک ملتان کے ہسپتال میں کام کرتی رہی۔۔۔۔۔یہی دیکھتی رہی کہ بیٹا ہو یا بیٹی والدین پیدائش کے فوراً بعد اس کے کان میں اذان سنوانے کا بندوبست کرتے۔یہ بات اس کے ذہن میں رہ گئی تھی۔۔۔۔دوسرے دن جب سونو بھابھی اس کے لیے کھانا لے کر ہسپتال میں آئیں تو اس نے ان سے کہا وہ اپنی بیٹی کے کان میں اذان دلوانا چاہتی ہے مگر نہیں جانتی ایسا شخص کہاں سے ملے گا۔۔۔۔۔؟ اور آج وہ انہیں لے کر آ گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔
معاف کرنا پاری میں تمہیں اطلاع نہیں دے سکی،تمہارے ہاں فون تو ہے نہیں اور مولوی صاحب کے پاس آج شام ہی فارغ تھی۔اس لیے میں سٹور بند کر کے ہی انہیں لے آئی۔۔۔۔۔۔۔۔
بہت اچھا کیا بھابھی آپ نے۔۔۔۔۔۔۔۔بیٹھئے میں بچی کو لاتی ہوں۔
وہ دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔پاری بیڈروم میں گئی اور بڑی احتیاط سے بچی کو کمبل میں لپیٹ کر لے آئی۔مولوی صاحب نے اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اور اپنا منہ اس کے دائیں کان کے قریب لے جا کر اذان دینا شروع کی۔
اللہ اکبر کی پہلی آواز پر بچی ڈر کر جاگی اور رونے لگی۔۔۔۔۔۔پاری اسے تھپکتی رہی۔۔۔۔۔
پھر مولوی صاحب نے دوسرے کان میں اذان دی۔۔۔۔۔۔
پتہ نہیں کیوں اذان کی آواز سن کر پاری جھر جھر رونے لگی پتہ نہیں اذان کے ساتھ اس کا کیا ناطہ تھا وہ تو کبھی نمازوں کی پابند نہ تھی۔۔۔۔۔۔
جو ہوسٹل کی لڑکیاں اذان سن کر سر پر دوپٹہ اوڑھ لیتیں تو وہ ان کا مذاق اڑایا کرتی تھی اور انہیں مولویانی کہا کرتے تھی جب امی کہتیں تم روزہ رکھ لیتی ہو نماز بھی پڑھا کرو۔خالی فاقہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔۔وہ ہنس کر کہتی۔۔ماں میں خوش خطی کے نمبر تو لے ہی لوں گی اور اس طرح پاس ہو جاؤں گی۔
آج اس کے اس خاموش اور ویران کمرے میں اذان کی آواز گونجی تو اسے یوں محسوس ہوا صحراؤں میں کسی نے روشنی جلائی ہے۔۔۔۔۔
اذان ختم ہوئی تو اس نے اپنے آنسو پونچھے۔۔۔۔بچی سونو بھابھی کو پکڑائی اور بولی میں آپ کا منہ میٹھا کروادوں۔
سونو بھابھی نہ نہ کہتیں رہیں مگر وہ دوڑ کر کچن میں گئی جلدی جلدی کافی بنائی ساتھ مٹھائی کا ڈبہ رکھا اور ان کے پاس لے آئی۔
بولی مولوی صاحب پہلی بار میرے گھر آئے ہیں ایسے تو نہیں جانے دوں گی۔
پاری نے پھر اپنی بیٹی کو اٹھا لیا سونو بھابھی نے چائے پینے کے بعد کہا۔۔۔۔۔
پاری تمہاری بیٹی کے لیے ایک تحفہ لائی ہوں نیچے کار میں پڑا ہے۔پہلے اٹھا لاؤں۔وہ چابی پکڑ کے نیچے چلی گئیں۔۔۔۔تھوڑی دیر میں ایک خوبصورت گابی جھالروں والی بے بی کاٹ اٹھائے اوپر آ گئیں۔
ارے بھابھی۔۔۔۔۔۔۔اتنا بڑا تحفہ۔۔۔۔۔۔
لو اور سنو۔۔۔۔۔۔۔۔بھابھی کاٹ کو سامنے بچھا کر اس کی جھالریں اور تکیے درست کرنے لگیں۔۔۔۔۔
ایک طرف تو اقبال کو بھائی اور مجھے بھابھی کہتی ہو۔اور دوسرے طرف تکلف کرتی ہوں۔ہم تمہارے میکے والے ہیں ہمیں تو بے بی شاور کی تقریب باقاعدہ منعقد کرنی چاہیے تھی۔یہاں دستور بھی ہے اس وقت میں نے یہ بی بی کاٹ بننے کو دے رکھی تھی۔مگر تمہارا وقت ذرا پہلے آ گیا اس لیے آج ہی دوکان سے اٹھا کر لائی ہوں۔
بے بی کاٹ کو اچھی طرح جوڑ کے اس نے بیڈروم میں رکھ دیا پھر بچی کو پاری کے ہاتھ سے لے کر اس میں لٹا دیا ایسے لگا جیسے بچی فرشتوں کے پالنے میں۔۔۔۔۔۔۔سو رہی ہو۔۔۔۔۔۔پاری بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی۔
''بھابھی شاید اس کاٹ کی ہمارے گھر میں کمی تھی حقیقت میں آپ نے بھابی ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔۔۔۔''
اچھا اب میں جاتی ہوں بھابھی بولیں۔میں نے مولوی صاحب کو ان کے گھر پہنچانا ہے۔پاری نے کچھ رقم لفافے میں ڈال کے مولوی صاحب کو پکڑا دی مگر ان سے زیادہ بات چیت نہیں کی۔۔۔۔۔۔
جس وقت سونو بھابھی اور مولوی صاحب سیڑھیوں سے اتر رہے تھے۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ گھر آ رہا تھا سیڑھیوں میں ہیلو ہائے ہوئی بھابھی سونو نے معذرت کر لی کہ وہ جلدی میں ہے اس لیے اب رک نہیں سکتی۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 47

ڈیوڈ نے بھی مجبور نہیں کیا۔۔۔۔۔۔اوپر آ گیا۔۔۔۔۔۔سیدھا بیڈ روم میں گیا۔
پاری ابھی تک بچی کو کاٹ میں ڈالے تھپک رہی تھی۔۔۔۔۔۔
یہ کاٹ کہاں سے آئی۔ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔۔۔
سونو بھابھی تحفے میں لائی ہیں۔۔۔۔۔۔۔پاری نے جواب دیا۔
کمال کے لوگ ہیں یہ۔۔۔۔۔۔۔ہمارا کتنا خیال رکھتے ہیں ڈیوڈ نے کوٹ اتار کر لٹکا دیا اور بستر پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔
اور وہ داڑھی والا شخص کون تھا جو ان کے ساتھ آیا تھا۔۔۔۔۔۔
وہ۔۔۔۔۔۔۔پاری تھوڑا سا جھجکی۔۔۔۔۔رُکی۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور پھر بولی مولوی صاحب تھے؟۔۔۔۔
وہ کیا کرنے آئے تھے یہاں۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ بولا۔
میں نے بلوایا تھا بیٹی کے کان میں اذان دینے کے واسطے۔
اذان۔۔۔۔۔۔؟ماتھے پر تیوریاں ڈال کے ڈیوڈ نے سوالیہ انداز میں کہا۔۔۔۔۔۔
ہمارے ہاں رواج ہے پاری سپاٹ لہجے میں بولی پیدائش کے بعد بچے کے کان میں اذان دیتے ہیں۔
پاری۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ اتنی زور سے گرجا کہ سوئی ہوئی بچی جاگ کر چیخ اٹھی۔پاری پھر اسے تھپکنے لگی۔
پاری میں نے تمہیں سمجھایا تھا نا کہ یہ بیہودہ حرکتیں اب چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔میری بیٹی مسلمان پیدا نہیں ہوئی یہ کرسچن ہے،تم نے کس کی اجازت سے اس کے کان میں اذان دلوائی۔۔۔۔۔۔؟وہ پھر چیخا۔
یہ میری بھی بیٹی ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے آرام سے کہا اور مجھے ہر حق پہنچتا ہے۔
نہیں۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ گرجا۔۔۔۔۔۔۔تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔۔۔۔۔۔۔
اور میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا میرے بچے کرسچن ہوں گے۔
مگر شادی سے پہلے تم نے کہا تھا ہمارے بچے اپنی مرضی کا مذہب اختیار کریں گے۔
اذان دینا تو ایک رسم ہے اس سے مذہب انڈیلنا کیسے سمجھ لیا جائے۔
تم ایسی کوئی رسوم نہیں کرو گی جس پر مجھے اعتراض ہو گا۔
ڈیوڈ۔۔۔۔۔پاری نے تلخی سے کہا۔میں نے تمہیں شادی سے پہلے کہا تھا کہ اختلاف کی وجہ ہی مذہب بن جاتا ہے محبت راہ میں دم توڑ دیتی ہے مگر تم اس وقت قسمیں کھا رہے تھے کہ ہمارے درمیان ایسا کبھی نہ ہو گا۔
اگر میں نے اس وقت کہا تھا تو جھک مارا تھا۔وہ اور زمانہ تھا وہ اور وقت تھا اب ہم یہاں کینڈا میں ہیں اور ہمارے بچوں کا مذہب کرسچن ہی ہو گا۔
بچوں کا کوئی مذہب نہیں ہو گا جب تک وہ خود کوئی مذہب نہ اختیار کریں۔
پاری نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
اگر تم چپکے چپکے ان کے اندر اپنا مذہب نہ اتارتی رہو۔
ڈیوڈ تم اچھی طرح جانتے ہو انسان آسانی سے اپنی مذہبی وابستگی اور مذہبی رسومات کو نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔۔۔۔۔
پاری نے کہا۔
ہم اسی خاطر ملک چھوڑ چکے ہیں وہ رسم و رواج چھوڑ چکے ہیں۔
ملک چھوڑنے سے آدمی رسم و رواج نہیں چھوڑ سکتا پاری نے کہا۔
پاری تم ضد کرنے کی کوشش نہ کرنا۔تم نے ابھی صرف محبت دیکھی ہے تمہیں میری طبیعت کا اندازہ نہیں ہے۔
اندازہ ہو گیا ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔بہت اچھی طرح ہو گیا ہے تمہارا اصلی رنگ آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہا ہے۔میں احمق تھی جو تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں آ گئی۔
اچھا۔۔۔۔۔۔۔وہ ابلتا ہوا بولا۔۔۔۔۔۔۔اپنی غلطی اب درست کر لو۔۔۔۔۔۔۔
غلطی درست کرنی ہی پڑے گی۔۔۔۔۔۔۔ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔۔۔۔۔۔۔پاری یہ کہہ کر کچن میں چلی گئی۔
اس نے حسب معمول کھانا گرم کیا،چپاتیاں پکائیں کھانا میز پر لگایا اس دوران وہ چپکے چپکے روتی رہی۔اس کا دل چاہتا اڑ کر لاہور چلی جائے اپنی امی کے پاس پہنچ جائے۔۔۔۔۔۔۔اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے ایک سیاہ اندھیرے گرداب میں پھنس گئی ہے اور نکلنے کو راستہ نہیں رہا۔۔۔۔۔۔
چھوٹا سا فلیٹ جو پہلے آوازوں سے گونج رہا تھا اب اس میں خاموشی چھا گئی تھی۔۔۔۔۔کپڑے بدل کر ڈیوڈ کھانے کی میز پر آ بیٹھا پاری نے سوئی ہوئی بچی کو دیکھا۔پھر ہینگر سے کوٹ نکال کر پہنا۔۔۔۔۔اور ڈیوڈ سے بولی میں ذرا فون کرنے جا رہی ہوں پی سی او تک جاؤں گی۔

کسے فون کرو گی، ڈیوڈ نے پوچھا۔۔۔۔۔۔۔
امی جان کو۔۔۔۔۔۔آج میرا بات کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔
ڈیوڈ کے ہاتھ سے نوالہ گر گیا وہ پریشان ہو گیا اس پر ایک ذمہ داری ڈالی گئی تھی مگر وہ تو بھول ہی گیا تھا۔۔۔۔۔۔
جس صبح پاری کی بیٹی پیدا ہوئی تھی اس صبح پاری کی امی فوت ہو گئی تھیں۔ ٹیلی فون پر مینا احسان نے ڈیوڈ کو بتایا تھا ۔۔۔۔۔۔۔چونکہ ڈیوڈ کے دفتر میں فون تھا اس لیے اس کی امی مہینے میں ایک بار ڈیوڈ سے بات کر لیتی تھیں۔
اس صبح جب انہوں نے ڈیوڈ کو فون کر کے بتایا تو ڈیوڈ نے انہیں اپنی بچی کی پیدائش کا بتا دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ پاری ہسپتال میں ہے۔اس پر انکی امی نے اسے ہدایت کی تھی کہ ابھی پاری کو اس سانحہ جانکاہ کے بارے میں نہ بتائے۔ جب بالکل ٹھیک ہو جائے گی تب بتائے! اسی لیے ڈیوڈ نے یہ بات اپنے تک رکھی تھی۔اب جو پاری نے کہا وہ اپنی ماں کو فون کرنا چاہتی ہے۔
ڈیوڈ گھبرا گیا۔۔۔۔۔۔۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا پاری کو کس طرح منع کرے۔بولا اس وقت تم فون کرنے نہیں جا سکتی۔۔۔۔۔؟
کیوں۔۔۔۔۔؟ پاری تنگ آ کر بولی۔یہ تو شرائط میں نہیں تھا کہ میں اپنی ماں کو کبھی نہیں ملوں گی۔
مگر وہ تو تم سے نہیں ملنا چاہتیں۔
وہ نہ چاہیں۔۔۔۔۔۔۔جو میرا فرض ہے میں وہ کروں گی اگر اتنے دن مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے تو اب میں تلافی کروں گی۔
رک جاؤ پاری وہ بولا۔۔۔۔۔۔۔میں کھانا کھا لوں پھر تمہیں لے جاؤں گا۔
میں خود جاؤں گی۔تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔پاری نے قدم باہر کی طرف بڑھائے۔۔۔۔۔۔
پاری میں حکماً کہہ رہا ہوں کہ مت جاؤ اس وقت۔۔۔۔۔۔۔
میں ایسا کوئی حکم ماننے کی پابند نہیں۔۔۔۔۔۔۔آج میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔
پاری نے دروازے کا لاک کھول دیا۔۔۔۔۔۔
ابھی اس نے قدم باہر نہیں رکھا تھا کہ ڈیوڈ کھڑا ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔اس کے قریب جا کے اس کا بازو پکڑ لیا اور بولا۔۔۔
سنو پاری۔۔۔۔۔۔میری بات سنو۔۔۔۔۔۔۔اس وقت تم غصے میں ہو میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔
میں واپس آ کر تمہاری بات سن لوں گی۔پاری نے بازو چھڑایا۔۔۔۔۔۔۔
پلیز پاری۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے اپنا لہجہ بہت نرم کر لیا۔پلیز اس وقت نہ جاؤ۔
کل ہفتہ ہے، چھٹی ہو گی میں خود تمہیں لے کر جاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔
کل تک میں انتظار نہیں کر سکتی۔۔۔۔۔۔۔۔اس غلطی کی ابھی اسی وقت تلافی ہو گی۔
وہ سیڑھیاں اترنے لگی۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ اس کے پیچھے لپکا۔۔۔۔۔۔۔
پاری سچ کہتا ہوں فون کر کے تمہیں بہت مایوسی ہو گی۔
نہیں میری ماں ہے میں منا لوں گی۔۔۔۔۔۔۔
پر وہ وہاں نہیں ہوں گی۔۔۔۔۔۔۔
جہاں ہوں گی میں وہاں فون کر دوں گی مگر آج رات میں اپنی ماں سے بات ضرور کروں گی۔۔۔۔۔
ہاں اگر وہ اگلے جہاں چلی گئی ہوئیں تو وہاں بات کروں گی۔۔۔۔۔۔۔بے اختیار میں ڈیوڈ کے منہ سے نکل گیا۔۔
پاری رک گئی۔غصے میں بولی۔کیا کہہ رہے ہو ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔تم ہوش میں ہو۔تم اپنی نفرت میں ایسی گری ہوئی باتیں کر سکتے ہو۔
پاری۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔آہستہ سے بولا۔اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں آنٹی وحیدہ کو فوت ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔
کیا۔۔۔۔۔کیا۔۔۔۔۔کیا کیا۔۔۔۔۔۔۔پاری نے ڈیوڈ کا گریبان دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔۔۔۔۔۔۔
ہاں پاری۔۔۔۔۔۔۔آئی ایم سوری۔۔۔۔۔۔۔جس صبح ہماری بیٹی پیدا ہوئی اس صبح۔۔۔۔۔۔۔مگر میں چاہتا تھا ۔۔۔۔۔۔۔تمہاری حالت ذرا ٹھیک ہو جائے پھر۔۔۔۔۔۔۔
پاری نے ایک چیخ ماری۔۔۔۔۔۔۔
ہائے میری ماں۔۔۔۔۔۔۔اور بے ہوش ہو گئی، ڈیوڈ اسے بازوؤں میں اٹھا کر اوپر لے آیا۔لا کے بستر پر ڈال دیا ۔دروازہ لاک کیا۔اور اس کے پاس بیٹھ کر اس کی پیشانی سہلانے لگا۔اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ

کیا کرے۔۔۔۔۔۔۔

یکا یک چھوٹی بچی اپنی کاٹ میں چیخ چیخ کر رونے لگی نہ یہ اس کے اٹھنے کا وقت تھا اور نہ اس وقت وہ رویا کرتی تھی ڈیوڈ پریشان ہو گیا اسے بچی کو چپ کرانے کا تجربہ بھی نہیں تھا اسے گود میں اٹھا کر۔۔۔۔۔ پاری کے پاس آ بیٹھا۔۔۔۔۔ بچی روتے روتے نیلی پیلی ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ ڈیوڈ کبھی کھڑا ہو کر اسے بہلاتا۔۔۔۔ کبھی بیٹھ جاتا۔۔۔۔۔

اس کی چیخیں سن کر پاری نے آنکھیں کھول دیں۔۔۔۔۔۔۔

حیران ہو کر چاروں طرف دیکھا، اپنے آپ کو دیکھا۔ اٹھی اور لپک کر بچی کو لے لیا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔۔۔۔۔ بچی چپ ہو گئی۔۔۔۔۔۔ پاری کو سب کچھ یاد آ گیا۔ بچی کو سینے سے لگا کے اب وہ بلک بلک کر رونے لگ گئی۔۔۔۔۔۔

بچی تو اس کے سینے سے لگ کے چپ ہو گئی مگر پاری کے آنسو نہیں تھمے۔۔۔۔۔۔

بچی کو سلا کے وہ چپ چاپ دور زمین کے ایک کونے پر بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔

تنہا تھی۔۔۔۔۔۔

پردیس میں تھی۔۔۔۔۔

کوئی درد دل سمجھنے والا نہ تھا۔۔۔۔۔۔

کوئی ہم سخن ہم راز پاس نہ تھا۔۔۔۔۔۔۔

اور پچھتاووں کا ایک الاؤ تھا جو اس کے اردگرد سلگ رہا تھا۔۔۔۔۔ ڈیوڈ کافی بنا کے لایا اس نے پینے سے انکار کر دیا کبھی کھانا گرم کر کے لاتا کبھی اسے ایک نوالا کھلانے کی کوشش کرتا مگر وہ تو اپنے آپ میں نہیں تھی۔

بس یہی کہتی۔۔۔۔۔۔ میں بدنصیب اپنے ماں باپ کی موت کا سبب بن گئی ابھی انہوں نے اور جینا تھا۔۔۔

نہیں پاری۔۔۔۔۔ ڈیوڈ اسے سمجھاتا۔ سب اپنی عمر لکھوا کے آتے ہیں، ماں باپ کو آخر جانا ہوتا ہے۔

نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔ سب میری وجہ سے ہوا دعا کرو کسی والدین کی بیٹی میرے جیسی نہ ہو۔۔۔۔۔ وہ دونوں مجھے چھوڑ گئے۔۔۔۔۔ جن کی خدمت کرنے کے لیے ان کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔ ڈیوڈ انہوں نے مجھے لڑکوں کی طرح پالا تھا اور میں اتنی کمینی نکلی کہ اپنی فاسد خواہشوں کے لیے انہیں ٹھکرا کر آ گئی۔۔۔۔۔۔

آہ۔۔۔۔۔۔ میری ماں نے یہ سارا وقت کیسے گزارا ہو گا۔۔۔۔۔ کاش میں ان کی ناراضگی کی پروانہ کرتی اور آتے ہوئے ان کے قدموں پر سر رکھ دیتی۔ وہ ضرور مجھے معاف کر دیتیں۔۔۔۔۔۔

آہ۔۔۔۔۔ میری ماں۔۔۔۔۔۔ میں تجھے کہاں تلاش کروں۔۔۔۔۔ کیا کروں۔۔۔۔۔۔

اس کے رونے کی آواز سن کر بچی چیخنی لگی۔۔۔۔۔ ڈر جاتی۔۔۔۔۔۔ سوتے میں چونک جاتی۔

ڈیوڈ کہتا دیکھو پاری۔۔۔۔۔ تمہاری بچی بے چین ہے۔ یہ تو رات کو بڑے سکون سے سویا کرتی ہے آج بار بار چونک جاتی ہیں رونے لگتی ہے۔۔۔ جب تک تم چپ نہیں کرو گی۔۔۔ یہ بے قرار رہے گی۔۔۔۔

یہ۔۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔۔ چھوٹی سی آٹھ دن کی معصوم بچی۔۔۔۔۔۔ میری وجہ سے بے قرار ہو رہی ہے، اور میں۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ اتنی بڑی ہو کر اپنی ماں کے احسانات بھول گئی۔۔۔۔۔ میں ان کے اضطراب کو نہ جان سکی۔ وہ وہاں تڑپتی رہیں اور میں یہاں سکون سے رہی۔۔۔۔۔۔ وہ وہاں روتی رہیں۔۔۔۔۔۔ مجھے یاد کرتی رہیں اور میں۔۔۔۔۔۔ یا اللہ میں مر جاؤں۔۔۔۔۔

اسے کسی کل چین نہیں آ رہا تھا ساری رات فرش پر بیٹھی رہی جب نیند آئی تو وہیں سو گئی۔

صبح اٹھ کر ڈیوڈ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ پی سی او سے اقبال بھائی اور سونو بھابھی کو فون کر کے سارے حالات انہیں بتا دیئے۔۔۔۔۔ اور ان سے کہا کہ وہ آج کا دن پاری کے ساتھ گزاریں۔۔۔۔۔

بارہ بجے کے قریب وہ لوگ کھانا پکا کے لے آئے۔۔۔۔۔

سونو بھابھی پاری کے گلے لگ کے روتی رہیں، اس نے بھی چیخ چیخ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔۔۔۔۔

یہی غنیمت تھا۔۔۔۔۔

ورنہ اور کون تھا یہاں جس کے کندھے پر سر رکھ کر رو سکتی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 48

ایک مہینے کے بعد پاری نے فارمیسی میں آنا شروع کر دیا۔ بس ایک ہی مہینے کی چھٹی لے رکھی تھی۔ اگر چہ اقبال بھائی نے بہت کہا کہ گھر والی بات ہے وہ جتنی چاہے چھٹی کر سکتی ہے۔ مگر پاری کا دل گھر میں اکیلے بہت گھبراتا تھا۔ شروع شروع میں بچی کو سنبھالنے میں مشکل ہوئی۔ مگر دس پندرہ دنوں کے اندر قدرت نے اسے ماں بنا دیا۔ بچی کے دودھ پینے کے اوقات مقرر ہو گئے وہ جلدی جلدی باورچی خانے کا کام کر کے اس کے کپڑے دھو لیتی گھر ٹھیک کر لیتی۔ پھر بھی وقت بچ جاتا وہ سارا وقت پاری امی کو یاد کرنے میں اور رونے میں گزارتی۔ کبھی اپنا پرانا البم نکال کر لے آتی۔ جو وہ ہوسٹل میں بیٹھ کر بنایا کرتی تھی۔ ورنہ البم بھی ساتھ نہ آ سکتا۔ اس البم میں ایک بڑی ہی خوبصورت تصویر غزالی کی بھی تھی۔ جو غزالی نے کبھی اسے بڑے ارمانوں سے دی تھی اور وہ مذاقاً لڑکیوں کو دکھا کر کہا کرتی تھی۔

یہ ہیں میرے عاشق نامراد

اب وہ دن میں کئی بار اپنا البم دیکھتی۔ اس میں امی کی تصویریں تھیں ابو کی تصویریں تھیں۔ ہر تصویر میں وہ امی سے لپٹ کر بیٹھی ہوتی کبھی ان کے کندھوں سے لگی ہوتی، کہیں ان کے گلے میں بانہیں ڈال کے بیٹھی ہوتی۔ وہ اپنی ماں سے کتنی محبت کرتی تھی۔ ابو اس پر کتنا بھروسہ کرتے تھے فقط ایک شخص کے لیے جو نہ اس کی ذات برادری کا تھا۔۔۔۔۔۔ نہ اس کے مذہب کا تھا۔ اسنے ایسے پیارے والدین سے ناطہ توڑ لیا۔ کیا خون کا رشتہ اتنی جلدی ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ کیا ماں باپ کے رشتے کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اس کی اپنی جان اس چند دن کی بچی میں اٹکی رہتی تھی۔ ایک منٹ کے لیے اسے نظروں سے اوجھل نہیں کر سکتی تھی۔۔۔۔۔۔ کس قدر ناممکن تھا کہ کسی کے مانگنے پر وہ اسے اپنی بچی دے دیتی۔ وہ مانگنے والی کی آنکھیں نہ نکال لیتی۔۔۔۔۔۔ جب چند دن کی بچی کے ساتھ محبت اور تعلق کا یہ عالم ہے۔ تو جوان جہان بچوں کے ساتھ ماں باپ کی گہری وابستگی کا کیا عالم ہو گا۔۔۔۔۔۔۔۔

افسوس جب تک ماں باپ زندہ رہتے ہیں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اپنی قدر و قیمت کی پہچان کروانے کے لیے انہیں مرنا پڑتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ جیتے جی اولاد کو کیوں سمجھ نہیں آتی۔۔۔۔۔۔ ان کو فضول اور بے وقوف کیوں سمجھتی رہتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ ان کی باتوں کو فرسودہ اور ان کی نصیحتوں کو بے وقت راگنی کیوں سمجھتی رہتی ہے پاری کو بچپن سے لے کر شادی کی ایک ایک بات یاد آیا کرتی۔ اور تڑپایا کرتی۔۔۔۔۔۔ کئی کئی گھنٹے وہ روتی رہتی۔ اور اسے پتہ بھی نہ چلتا۔۔۔۔۔۔ پچھتاوے کی ایک ایسی آگ تھی۔ جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔۔۔۔۔۔ نہ کوئی راستہ سوجھتا نہ کوئی واسطہ دکھائی دیتا۔ ڈیوڈ سے وہ کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ نہ اپنا درد اس کے ساتھ بٹانا چاہتی تھی حالانکہ اس دن کے بعد سے اس کا رویہ بڑا نرم اور مہربانہ ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔ مگر اسے یوں لگتا جیسے دل کے اندر کوئی کانچ جیسی نازک چیز ٹوٹ گئی ہے اور کوئی کرچی جگر میں بھی رہ گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔

وہ اپنا تجزیہ کرتی رہتی۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ آنے والے دنوں کے بارے میں بھی سوچتی۔۔۔۔۔۔۔

وہ اپنی بیٹی کے مستقبل کے بارے میں زیادہ سوچتی۔۔۔۔۔۔۔؟

اس بچی کا مستقبل کیا ہو گا۔۔۔۔۔۔۔۔؟

اسے کس نام سے پکارا جائے گا۔۔۔۔۔۔؟

اس کی جڑیں کہاں پر ہوں گی۔۔۔۔۔۔؟

اگر والدین اولاد کی ساری ذمہ داریاں قبول نہیں کر سکتے تو پھر انہیں والدین بننے کا حق بھی نہیں ہے۔ جب تک اس کی بیٹی پیدا نہیں ہوئی تھی اس کے سامنے اتنے مسائل بھی کھڑے نہیں ہوئے تھے مگر اب ہر قدم اسے ایک مرحلہ لگ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

وہ جو قرآن اور نماز سے بیزار رہتی تھی ایک لمحے کے لیے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خیال سے غافل نہیں ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر خود ہی سوچا کرتی کہ محبت کا جذبہ زور آور ہے۔ یا مذہب کی وابستگی۔۔۔۔۔۔۔

یہاں وہ ایک نتیجے پہ پہنچی۔۔۔۔۔۔

محبت کا تعلق جسم سے ہے اور مذہب کا تعلق روح سے ہے۔۔۔۔۔۔۔

جسم اپنی جبلتوں سے تھک بھی جاتا ہے، ہار بھی جاتا ہے، بیمار بھی ہو جاتا ہے مگر روح تو ہمیشہ ایک جیسی رہتی ہے۔۔۔۔۔۔ روح میں تو تبدیلی نہیں آتی۔۔۔۔۔۔ روح کے بغیر تو جسم مردہ ہو جاتا ہے۔۔۔۔ مردہ جسم کے ساتھ زندگی کتنی دور تک جا سکتی ہے۔۔۔۔۔۔۔

وہ شل ہو گئی تھی اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی میں الجھنوں کا مقام اتنی جلدی آ جائے گا۔۔۔۔۔۔۔ دوراہا

-------چوراھابن جائے گا-------

آخرایک مہینے کے بعداس نے فارمیسی جوائن کرلی۔اب وہ مصروف رہنا چاہتی تھی۔یوں ہی اس نے اپنا داخلابھجوا دیا تھا کتابیں بھی خریدلی تھیں۔اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتی تھی اسے اندازہ تھاجب تک تو بچی چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتی وہ پڑھائی لکھائی کا کام کرسکتی ہے------بعد میں اسے پکڑنے سنبھالنے کا کام بڑھ جائے گا۔

فارمیسی کے پیچھے ایک چھوٹا سا ریٹائرنگ روم بنا ہوا تھاجہاں اقبال بھائی اور سب کبھی کبھی گپ لگاتے یا وہاں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے--------

پاری نے اقبال بھائی سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنی بیٹی کا جھولا وہاں رکھ دیا۔کیونکہ وہ اپنی بیٹی کواپنا دودھ پلاتی تھی ویسے بھی اس نے دل میں تہیہ کرلیا تھاوہ پورے دوڈھائی سال اپنی بیٹی کواپنا دودھ پلائے گی------

اس کے اندر سے آواز آئی-----کیوں------؟

کیوں------؟تو وہ کہتی میں چاہتی ہوں اس کے رگ وریشے کے اندر میں دودھ دوڑنے لگے۔اس کی نسوں سے میرے دودھ کی خوشبو نکلنے لگے۔

یہ مجھ سے اتنی شدید محبت کرنے لگے-----کہ میری محبت اس کوکوئی غلط فیصلہ نہ کرنے دے-----یہ سوچنے کےبعد وہ خودزاروقطار رونےلگتی۔

اقبال بھائی نے اسے اجازت دے دی تھی یہاں عورت کے حق میں قوانین بہت عمدہ تھے اگر کوئی عورت اپنے بچے کو اپنا دودھ پلاتی تھی تو اسے ملازمت کے مقام پر بچہ ساتھ رکھنے کی اجازت تھی۔یوں تو ڈیوڈ نے بھی اسے سمجھایا تھا کہ ابھی بچی بہت چھوٹی ہے------اورتھوڑا سا آرام کرلے-----مگر اس نے کہا کہ کافی آرام کرلیا ہے------

اب وہ نور کے تڑکے اٹھ جاتی ہے پہلے نماز پڑھتی۔ایک جائے نماز لا کے اس نے اپنے کمرے میں رکھ لی تھی۔اس کے بعد ناشتہ بناتی اورخود تیار ہو کے بیٹی کوٹوکری تیار کرلیتی-----ویسے تو اسے رات کونہلا کر صاف ستھرے کپڑے پہنا دیا کرتی تھی۔

اتنے میں ڈیوڈ اٹھ جاتا، تیار ہوتا، ناشتہ کرتا پھر وہ ان دونوں کو پہلے فارمیسی میں اتارتا اورخود دفتر چلا جاتا اسی طرح شام کودفتر سے اٹھتا سیدھا فارمیسی آتا،کبھی کبھی اقبال کے ساتھ گپ شپ کرتا۔وگرنہ پاری اور بچی کو لے کرگھر آ جاتا۔

رات کو جب پاری کھانا بناتی وہ بچی سے کھیلتا رہتا۔وہ بھی اس کی صورت دیکھ کرکلیلیں کرنےلگتی۔اس کا نام ''پارسا مریم'' لکھوانے کے بعد ان کے درمیان اورکوئی بات نہیں ہوئی تھی۔البتہ ڈیوڈ اسے پیارسے''میری''بلاتا۔جبکہ پاری چاہتی تھی اگر اسے پارسا نہ بلایا جائےتو مریم بلایا جائے۔لیکن پاری نے اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ ڈیوڈ ضدی طبیعت کا ہے اس سے اختلاف کروتو ضد میں آجاتا ہے اگر ایک مرتبہ کہہ دیا تو پھر وہ اسے میری ہی کہے گا۔

کبھی کبھی اقبال بھائی کے بیٹے لاٹو اورلڈو دونوں فارمیسی آجاتے اورمیری کے ساتھ کھیلنے لگتے،حقیقت میں انہیں یہ بچی بہت پیاری لگتی تھی۔اور جب پاری کہتی یہ تمہاری منی سی بہن ہے۔آؤاس کے ساتھ کھیلوتو وہ دونوں بہت ہی خوش ہو جاتے کبھی اسے گود میں اٹھاتے کبھی ہاتھوں کو چھو کر دیکھتے-----کبھی اس میں سے نکلنے والی پیاری پیاری خوشبو سونگھتے------

ہمیشہ کہتے------

بواجی-----دیکھو ہماری بہن کتنی مومی------مومی ہے------

ہے نا مومی------مومی--------پیاری پیاری-------

پاری کوان کا مومی کہنا بہت اچھا لگتا۔رفتہ رفتہ پاری نے بھی اپنی بیٹی کومومی کہنا شروع کردیا۔

جب کبھی لاٹو اورلڈو آجاتے، پاری کہتی------

جاؤ بھئی مومی کے ساتھ کھیلو------ میں ابھی گاہکوں کو بھگتا کر آتی ہوں------یوں پارسا مریم ------

ڈیوڈ کے لیے''میری''اورپاری کے لیے''مومی''بن گئی------

جب تک فارمیسی میں گاہک آتے رہتے پاری ان کو اٹینڈ کرتی۔اور جب کوئی گاہک نہ ہوتا۔وہ اپنی کتابیں نکال کر پڑھنے لگتی------کبھی کبھی جب اسے لائبریری جانے کی ضرورت ہوتی۔مومی کوسونو بھابھی کے پاس چھوڑ کر ایک دو گھنٹے وہاں گذار آتی۔سونو بھابھی ہمیشہ کہتی پاری اس کو اوپر کا دودھ لگا دو۔کم ازکم ایک فیڈ ہی لگا دو------جب تم باہر جاتی ہوتو تمہیں آنے کی جلدی ہوتی ہے------

وہ کہتی، نہیں بھابھی ۔۔۔۔۔۔۔ میں اسے اوپر ا دودھ بالکل نہیں پلاؤں گی یہ صرف میرے دودھ پر ہی پلے گی ۔۔

اس طرح تم بہت کمزور ہو جاؤ گی ۔ پاری بھابھی کہتیں ۔۔۔۔۔۔۔۔

کمزور ہو جاؤں گی مر تو نہیں جاؤں گی، وہ کہتی ۔۔۔۔۔۔۔۔

امتحان کیسے دو گی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

''میں امتحان اس وقت دوں گی جب اس کا دودھ چھڑوا دوں گی'' وہ ایک فیصلہ کن انداز میں کہتی ۔

ایک روز آنٹی بیٹا کا فون فارمیسی میں ہی آ گیا ۔ انہوں نے باتوں کے دوران بتایا کہ وحیدہ عرفان کی وفات کے بعد نیک اپنے بچوں کو لے کر پاکستان آ گئی ہے اسی گھر میں رہتی ہے پھر اسے تاکید بھی کی ۔۔۔۔۔

بیٹا! تم کبھی اپنی بہن کو فون کر لیا کرو ۔ ماں باپ کا غصہ اپنی جگہ ہوتا ہے مگر بہنوں کے دل اور طرح کے ہوتے ہیں ۔۔ عرفان بھائی اور وحیدہ بہن ہم سے ہمیشہ دوستوں کی طرح ہی ملتے رہے ۔ کبھی ہم سے گلہ نہیں کیا ۔۔ اب نیک بھی ملتی رہتی ہے اس مختصر سی زندگی میں اتنا طویل غصہ رکھنے کی ہمت کس میں ہوتی ہے ۔ انہوں نے نیک کا نمبر اسے لکھوایا ۔ فون بند کر کے وہ کافی دیر تک گم صم بیٹھی رہی ۔۔۔۔۔۔۔ اور سوچتی رہی کہ کس منہ سے نیک کو فون کرے گی اور اسے کیا کہے گی ۔

دور بیٹھے اقبال بھائی اسے دیکھتے رہے ۔ پھر قریب آ کر بولے ۔

بہن جی، آپ کی ساس صاحبہ کا فون تھا سب خیریت ہے نا؟

جی ہاں ۔۔۔۔۔۔ پاری بولی ۔ وہاں سب خیریت ہے ۔

پھر آپ منہ لٹکا کر کیوں بیٹھ گئی ہیں، مجھے تو فکر ہونے لگا ہے ۔

بھا جی! ایسی کوئی بات نہیں ہے پاری نے سوگواری سے کہا ۔

کوئی بات ضرور ہے بہن جی ۔۔۔۔۔۔ میں آپ کو اکثر اداس دیکھتا ہوں ۔ پہلے آپ ایسی نہیں تھیں ۔ سنجیدہ تو ہمیشہ سے ہیں مگر غمزدہ کبھی نہیں ہوتی تھیں ۔۔۔۔۔۔۔

بس امی کا خیال آ جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔ پاری نے سوگواری سے کہا ۔۔۔۔۔۔

بہن جی! آپ کا کوئی اور بھائی یا بہن ہے ۔۔۔۔۔

ہاں ہے، پاری نے کہا ۔۔۔۔۔۔ میری ایک بہن ہے ۔

کہاں رہتی ہے ۔

وہیں امی جان کے گھر میں رہتی ہے ۔

اس کا کبھی فون نہیں آیا ۔۔۔۔۔۔۔۔

میری ساس اسی کو فون کرنے کے لیے کہہ رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔

آپ اسے فون کیوں نہیں کرتیں، میری دکان سے کریں ۔۔۔۔۔۔۔

بھا جی! بات یہ ہے کہ ۔۔۔۔۔۔۔ میں فون تو کرنا چاہتی ہوں مگر ۔۔۔۔۔۔۔

مگر کیا ۔۔۔۔۔۔ بتائیں نا؟ آپ مجھے اپنا سگا بھائی سمجھتی ہیں تو بتائیں نا؟ اب تو میں ہی آپ کا بھائی ہوں ۔۔۔۔۔۔ مجھ سے کیا پردہ ۔۔۔۔۔ جلدی نمبر دیں مجھے میں آپ کی بات کرواؤں ۔

ابھی ابھی آنٹی بیٹا نے نیک کا نمبر لکھوایا تھا ۔ اور وہ چٹ پر لکھا ہوا پاری کے سامنے پڑا تھا ۔ اقبال بھائی نے اٹھا لیا ۔ وہ منع کرتی رہ گئی، انہوں نے نمبر پاکستان میں ملایا ۔۔۔۔۔۔ جب ادھر سے ہیلو کی آواز آئی تو بولے بات کریں اور ریسیور انہوں نے پاری کو پکڑا دیا ۔

پاری نے دھڑکتے دل کے ساتھ ریسیور پکڑا ۔۔۔۔۔۔ اور مری ہوئی آواز میں بولی ۔۔۔۔۔۔

ہیلو ۔۔۔۔۔۔۔ ہیلو ۔۔۔۔۔۔۔۔

پاری ۔۔۔۔۔۔ پاری ۔۔۔۔۔۔ تم ہو، ادھر سے نیک کی آواز آئی ۔ نیک نے ایک ثانیہ نہیں لگایا اور پاتال میں اتری پاری کی آواز پہچان لی ۔۔۔۔۔۔۔۔

پاری کیا تم اسی دنیا میں ہو ۔۔۔۔۔۔۔ یا عالم بالا سے بول رہی ہو ۔ نیک کی آواز میں غصہ بھی تھا اور گلہ بھی ۔۔۔

نیک آپا میں بدنصیب پاری ہوں ۔۔۔۔۔ پاری بس اتنا کہہ سکی بس پھر چیخ چیخ کر رونے لگی ۔ وہ آنسوؤں کا دریا جو کسی اپنے کے کندھے کا منتظر تھا ۔ نیک کی آواز سنتے ہی سیلاب بن گیا ۔۔۔۔۔

پاری کی چیخیں سن کر نیک بھی رونے لگی ۔۔۔۔۔۔۔

دونوں بہنیں اس طرح رو رہی تھیں جیسے صدیوں بعد ملی ہوں اور انہیں پہلی بار ماں باپ کے مرنے کی خبر ملی ہو ۔

© ۔ جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں ۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 49

پاری چاہتی کہ کوئی بات کرے مگر شدت گریہ میں بس اتنا ہی کہا امی اور پھر اس کی ہچکی بندھ جاتی ۔ بڑی مشکل سے کہتی ابو۔۔۔۔۔۔اور پھر اس کی چیخیں بلند ہو جاتیں۔۔۔۔۔۔

نیک پر بھی وہی کیفیت طاری تھی مگر بیچ بیچ میں سے وہ کوئی فقرہ کہہ دیتی۔

پاری، ماں تجھے دیکھنے کو ترستی مر گئی۔۔۔۔۔۔۔

پاری۔۔۔۔۔۔۔ماں تجھے پل پل یاد کرتی تھی۔۔۔۔۔۔

پاری تو کتنی کٹھور ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

پاری تو کہاں کھو گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

اس کا ہر فقرہ پاری کے ذہن اور ضمیر پر ہتھوڑے کی طرح لگتا۔ وہ جواب دینے کی بجائے پہلے سے زیادہ رونے لگتی۔

پھر نیک نے کہا۔۔۔چپ کر جا۔۔۔۔۔اور میرے ساتھ بات کر۔۔۔۔مگر پاری روتی رہی۔۔۔۔

پاری بات کر۔۔۔۔۔۔۔بالآخر نیک نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، بات کر پاری۔۔۔۔۔۔رونا بند کر۔۔۔۔۔۔

مگر پاری کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا اس لیے رک رک کر بولی۔۔۔۔۔۔۔بات نہیں۔۔۔۔۔۔کر۔۔۔۔۔۔۔۔سکتی۔۔۔۔۔۔۔اور اس نے پاس کھڑے اقبال بھائی کو ریسیور پکڑا دیا۔ آپ میرا فون نمبر لکھ لیں۔ پھر کسی وقت فون کر کے بات کر لیں۔

اقبال بھائی نے اپنا فون نمبر لکھوا کر فون بند کر دیا۔

پھر ایک ٹھنڈا کوک لا کر پاری کو دیا۔ اسے چپ کرایا۔۔۔۔۔۔۔۔ریٹائرنگ روم لے جا کر بٹھا دیا، ممی بھی اٹھ گئی تھی۔ اور اب رو رہی تھی۔ پاری نے کئی مرتبہ نوٹ کیا تھا کہ جونہی وہ اداس ہوتی یا روتی تھی اس کی معصوم سی بیٹی بھی اٹھ جاتی اور تڑپ کر رونا شروع کر دیتی۔ اسے حیرت ہوتی کہ ماں اور بچے کا رشتہ کتنا اٹل اور روحانی ہوتا ہے مگر جوں جوں بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے اس رشتے کو سمجھنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔۔۔۔

جب پاری ذرا سکون میں آ گئی تو اقبال بھائی نے کہا۔

بہن جی۔۔۔۔۔۔کوئی بات ہے جو اب تک آپ نے مجھ سے چھپائی ہے بتاتی کیوں نہیں۔۔۔۔۔۔۔

بھائی جی۔ آپ کے بہت احسانات ہیں مجھ پر۔ پاری بولی ویسے ہی آپ کو اپنی پریشانیوں میں شامل نہیں کرنا چاہتی۔

ارے۔۔۔۔بہن بھائی ہوتے کس لیے ہیں اتنا بوجھ اس اکیلے من پر اٹھائے پھرنا اور وہ بھی پردیس میں۔۔۔۔

کیا آپ کو مجھ پر اور سونو پر اعتبار نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

اعتبار ہے بھائی جی۔۔۔۔۔۔۔

پھر اس نے شادی کا سارا واقعہ اقبال بھائی کو بتایا۔ ابو جی کی موت پاکستان چھوڑنے کی وجہ۔۔۔۔۔۔۔اور کیوں اسے ماں کی موت کی اطلاع نہ دی گئی۔

اوہو۔۔۔۔۔۔بہن جی۔۔۔۔۔۔۔۔یہ ہے آپ کی کہانی۔۔۔۔۔۔۔اچھا اب آپ ہمت سے کام لیں۔ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہو وہی پیش آتا ہے اس میں آپ کی خطا نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

پر اپنے جیجا جی۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ جی۔۔۔۔۔۔تو آپ کے ساتھ بہت اچھے ہیں جی۔۔۔۔۔۔

جی بھائی جی! وہ بہت اچھے ہیں میرا بہت خیال رکھتے ہیں انہوں نے تو مجھے فون کرنے سے کبھی منع نہیں کیا۔

بس جی پھر خوش رہا کرو۔ ماں باپ تو کسی کے نہیں رہتے۔ سورگ میں جا کے آپ کے ماں باپ نے آپ کے ماں باپ نے آپ کو معاف کر دیا ہو گا۔ میں آپ کا بڑا بھائی ہوں۔۔۔۔۔۔۔بڑا بھائی پتا کی جگہ ہوتا ہے سونو آپ کی بڑی بھابھی ہے۔ آپ پریشان نہ ہوا کریں۔

شکریہ بھائی جی۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے کہا اللہ تعالیٰ آپ سب کو سلامت رکھے۔۔۔۔۔۔۔مگر جو باتیں میں نے آپ کو بتائی ہیں ان کے بارے میں ڈیوڈ کو پتہ نہ چلے۔۔۔۔۔۔۔۔

بہن جی یہ کوئی کہنے کی بات ہے۔۔۔۔۔۔۔اب کچھ مت کہنا۔۔۔۔۔۔۔میکے والے اپنا فرض خود نبھاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ویسے مجھے اور سونو کو آپ کے حالات کے بارے میں کچھ کچھ شک پہلے ہی تھا، ایسے ہی نا؟۔۔۔۔۔۔

بے جوڑ سی شادی لگتی تھی یہ کہہ کر اقبال ڈر گئے۔۔۔۔۔۔۔۔معاف کرنا بہن جی۔۔۔۔۔۔۔منہ سے نکل گیا۔

کوئی بات نہیں بھائی جی۔۔۔۔۔۔۔۔سچی بات تو منہ سے نکل جاتی ہے پاری نے کہا۔

اگلے دن اسی وقت پاری نے فون کر دیا۔ دوسرے دن دونوں بہنیں حوصلے میں رہیں۔ وہ اک اک بات تفصیل سے پوچھتی رہی اور نیک ہر بات کا جواب دیتی رہی۔۔۔۔۔۔

اس نے بتایا کہ وہ امی کی زندگی میں ہی لاہور آ گئی تھی اپنے بچے بھی یہاں داخل کرا دیئے ہیں۔ اس کا شوہر

اورنگزیب دوبئی میں ہی ہے مگر وہ بچوں کی تعلیم کی خاطر یہاں رک گئی ہے۔
وہ ایک گھنٹہ بات کرتی رہی۔بڑی بہن کی طرح اس کی زندگی کے بارے میں پوچھتی رہی آخر بولی۔
تمہارے گھر پر فون نہیں ہے۔
نہیں آپا۔۔۔۔۔۔
کیوں نہیں لگوایا۔ابھی حالات اس قابل نہیں ہوئے۔
اب تو حالات بہت بہتر ہیں آپا۔۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ گاڑی چل پڑتی ہے۔شروع میں حالات واقعی خراب تھے۔آپ جانتی ہیں بغیر سوچے سمجھے یہاں آجانے سے مشکلات ہی مشکلات تھیں۔
ابھی تک فون کیوں نہیں لگوایا۔۔۔۔۔؟ نیک نے پوچھا۔
ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ڈیوڈ اپنے دفتر سے اپنی ممی ڈیڈی کو فون کر لیتے تھے۔میں۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔
بس ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔۔۔۔۔
کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔نیک نے کہا۔۔۔۔۔اب میں تمہیں اس سٹور پر خود فون کر لیا کروں گی۔
پاری کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔۔۔۔۔۔
نیک آپا۔۔۔۔۔۔اب میں بھی گھر فون لگواؤں گی۔
تمہاری بیٹی کس پر ہے، نیک نے بڑے شوق سے پوچھا۔
مجھے تو امی جان کی طرح لگتی ہے۔
پھر تو یقیناً تجھ پر ہوگی۔یاد ہے سب تجھے بھی کہتے تھے ہو بہو امی کی تصویر ہے۔
نہیں۔۔۔۔۔پاری ایک دم بولی۔تو ماں کے پاؤں کے برابر بھی نہ تھی۔ہوتی تو ایسی حرکت نہ کرتی۔
اچھا۔۔۔۔۔مجھے تصویریں بھیج دینا اس کی نیک نے کہا۔
ٹھیک ہے۔۔۔۔۔
رات کو جب پاری گھر گئی۔۔۔۔۔تو اس نے ڈیوڈ کو بتایا کہ آج اس کی نیک سے بات ہوئی۔۔۔۔۔
وہ کیسے۔۔۔۔۔؟
اس پر اس نے بیٹا آنٹی کی ہدایت اور اقبال بھائی کی جسارت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔۔۔۔۔
چلو اچھا ہوا وہ بولا۔۔۔۔۔تمہاری زندگی کے کچھ مسئلے حل ہو جائیں گے۔
میں نے سوچا ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔پاری آہستہ سے بولی اب ہم فون لگوا ہی لیں۔بل دینے کے قابل تو ہو ہی گئی ہیں کب تک دوسروں کے فون پر سنتے رہیں گے۔
ڈیوڈ مسکرا لیا۔۔۔۔۔
میں شوانا سے کہہ دوں ڈیوڈ۔۔۔۔۔ہمیں لائن دے دے۔۔۔۔۔
میکے کی محبت بھی کیا چیز ہے ڈیوڈ نے ہنس کر کہا۔۔۔۔۔کہہ دو بھئی کہہ دو۔۔۔۔۔
اگلی اتوار کو صبح اٹھتے ہی ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔
''پاری آج میں میری کو چرچ لے کر جاؤں گا۔۔۔۔۔''
پاری چپ رہی، اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ مذہب پر اختلافی بات نہیں کرنی۔ایک کڑی منزل سامنے تھی اور وہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ چکی تھی۔
لے جانا۔۔۔۔۔پاری نے آہستہ سے کہا۔۔۔۔۔
میں کیسے لے جا سکتا ہوں اتنی چھوٹی ہے وہ۔۔۔۔۔تم بھی میرے ساتھ جاؤ گی۔
پاری خاموشی سے کام کرنے لگی۔۔۔۔۔اس نے ناشتہ بنایا۔۔۔۔۔میز پر لگایا ڈیوڈ تیار ہو کے ناشتہ کرنے لگا۔پاری نے جلدی جلدی برتن دھوئے اور پھر غسل خانے میں تیار ہونے کو چلی گئی۔
اسے تیار دیکھ کر ڈیوڈ نے کہا۔۔۔۔۔چلیں۔
وہ بولی۔۔۔۔۔چلیں۔۔۔۔۔
پاری نے مومی کو اچھی طرح کمبل میں لپیٹ لیا آ کر کار میں بیٹھ گئی۔
چرچ آ گیا ڈیوڈ نے کار پارک کی اور بھی بہت سے لوگ آ رہے تھے کئی لوگوں نے گودیوں میں نومولود اٹھائے ہوئے تھے۔۔۔۔۔
جب پاری ڈیوڈ کو بچی پکڑانے لگی تو اسنے کہا۔۔۔تم بھی اندر آ جاؤ۔۔۔۔۔کچھ ہرج نہیں اندر آنے میں۔۔۔۔۔
پاری جانتی تھی ڈیوڈ اس سے اذان کا بدلہ لے رہا تھا۔اب وہ چرچ میں اپنی رسومات کرنا چاہتا تھا مگر اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔چپ چاپ بچی کو اٹھا کر اس کے پیچھے چل پڑی۔سب کے دیکھا دیکھی ایک بینچ پر بیٹھ

گئی۔۔۔۔۔۔۔۔خاموشی سے ان کی عبادات اور رسومات دیکھتی رہی۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ بچی کو اٹھا کر لے گیا۔
بہت خوش خوش اور پر جوش نظر آ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔
وہاں بیٹھے بیٹھے پاری پر سے ایک صدی گزر گئی۔۔۔۔۔۔۔۔اس نے سوچا۔۔۔۔۔۔ہم زندگی میں بعض باتوں کو کس قدر معمولی سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔مذہب کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے۔بعض اوقات مذہب سے بے زاری کا اظہار بھی کرتے ہیں۔۔۔۔۔مگر کتنی عجیب بات ہے کہ مذہب ہر انسان کے اندر خدا بن کے بیٹھا ہوتا ہے۔۔۔۔دنیا بھر کے مذاہب کو ایک خدا کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔وہ خدا کی مختلف صورتیں بنا چھوڑتے ہیں۔۔۔۔۔مختلف نام رکھ چھوڑتے ہیں۔۔۔۔۔۔مختلف انداز میں ان ناموں کی پرستش کرتے ہیں۔وہ نظریہء ضرورت کے تحت خدا کی علامتیں وضع کر لیتے ہیں۔ابتدائے آفرینش سے ہی۔۔۔۔۔۔۔مظاہر قدرت نے بنی نوع انسان کو ماتھا ٹیکنے کا جذبہ بخشا۔۔۔۔۔۔سورج کو دیکھا اس کے آگے جھک گئے۔۔۔۔۔۔آگ نے خوفزدہ کیا اس کی پوجا کرنے لگے۔۔۔۔پانی نے زور دکھایا اس پر پھول چڑھانے لگے۔۔۔۔۔۔۔کتنے بے شمار مذاہب آئے دنیا میں۔۔۔۔۔۔۔دنیا ہمیشہ ایک خدا کی طلبگار رہی۔۔۔۔۔۔۔گڑگڑانے کے لیے۔۔۔۔۔۔۔رونے کے لیے، مانگنے کے لیے دامن پھیلانے کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔مگر یہ تو صرف مذہب اسلام تھا جس نے بتایا خدا زمینوں اور آسمانوں کے درمیان ایک نور ہے۔۔۔۔۔۔۔اس کی کوئی واضح صورت نہیں۔۔۔۔۔۔مگر وہ دنیا کی تمام صورتوں اور مادی شکلوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔وہ کسی میں سے پیدا نہیں ہوا، نہ کوئی اس میں سے پیدا ہوا۔۔۔۔۔۔۔مگر کائنات میں پیدا کی گئی، اگائی گئی، اور بنائی گئی ہر چیز میں اس کا ظہور ہے۔وہی نظر آتا ہے۔۔۔۔۔۔۔اس کا ایک مقام نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔اسے ایک مسجد میں قید کر کے نہیں رکھا سکتا۔۔۔۔۔۔۔وہ ہر وقت، ہر لمحہ، ہر جگہ اور ہر جہان میں موجود ہے۔۔۔۔۔۔۔وہ تمہاری سوچ کے بھی قریب ہے، شاہ رگ کے بھی پاس بیٹھا ہے۔۔۔۔۔۔۔تم کہیں مصلے بچھا لو اسے پکارنے لگو۔۔۔۔۔۔۔۔وہ تمہارے دل میں دھڑکنے لگے گا۔اور تمہاری آہ و زاری سننے لگے گا۔۔۔۔۔۔۔وہ دل میں ہے۔۔۔۔۔۔۔وہ ہر جگہ ہے۔۔۔۔۔۔۔وہ ہر شے میں ہے۔۔۔۔۔۔۔یہی احساس سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔۔۔۔۔۔۔پاری کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔اسے چرچ کے اندر کا ماحول بہت سنسان اور بے جان سا لگا۔۔۔۔۔۔۔گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔
جہاں سفید مصفا کپڑوں میں ملبوس پادری بڑی محویت سے عبادتی رسوم ادا کر رہا تھا۔سب عقیدت سے سر جھکائے کھڑے تھے پاری نے چاہا وہ بھی عقیدت سے سر جھکا کر کھڑی ہو جائے اور بلند آواز سے بائیبل کے اشعار پڑھتی ہوئی ان کے ساتھ شامل ہو جائے۔۔۔۔۔۔مگر وہ ایسا نہیں کر سکی۔۔۔۔۔۔کیونکہ سامنے لٹکے ہوئے مناظر اسے بے جان لگ رہے تھے اور ایک زندہ پائندہ احساس اس کے دل کے اندر دھڑک رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔
دھک۔۔۔۔۔۔دھک۔۔۔۔۔۔۔اللہ۔۔۔۔۔۔۔اللہ۔۔۔۔۔۔۔ایک ان دیکھا خدا۔۔۔۔۔ایک ان چھوا رب۔۔۔۔۔۔۔اس کے آس پاس جیسے پھولوں اور پتیوں کی بارش ہونے لگی۔۔۔۔۔۔۔اس نے چپکے سے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی باہر روشنی تھی ہوا چل رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔درخت ہل رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔دھوپ بھی پھیلی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔۔آسمان صاف اور کشادہ تھا، زمین عاجزی سے سمٹی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔مگر ہر شے جیسے اللہ۔۔۔۔۔۔۔اللہ۔۔۔۔۔۔۔اللہ کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔وہ پتیوں کی طرف دیکھتی تو کہنے لگتی اللہ۔۔۔۔۔۔۔اللہ۔۔۔۔۔۔۔سڑک پر تیز چلتی ہوئی موٹریں اللہ اللہ اللہ جی کہتے معلوم ہوتے۔۔۔۔۔۔۔
میاں جی بڑے پیار سے بتایا کرتے تھے کسی کے مذہب کو کبھی برا نہیں کہتے۔۔۔۔۔۔۔مذہب صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے آتا ہے۔۔۔۔۔ہر کوئی اپنے مذہب سے اسی طرح پیار کرتا ہے جس طرح ہم اپنے مذہب سے کرتے ہیں ان کے لیے ان کا دین ہے، ہمارے لیے ہمارا دین۔۔۔۔۔۔۔
شش و پنج میں گرفتار پاری باہر بینچ پر بیٹھی تھی کہ ڈیوڈ میری کو اٹھائے ہنستا ہوا آ گیا۔
کب آئیں تم۔۔۔۔۔۔۔میں تمہیں اندر ڈھونڈ رہا تھا۔
ابھی آئی ہوں کہہ کے پاری نے میری کو پکڑ لیا۔
باہر کتنی ہوا چل رہی ہے بیٹھ جاؤ ڈیوڈ تم بھی۔۔۔۔۔۔پاری نے بات بدل دی۔
ڈیوڈ اس کے پاس بینچ پر بیٹھ گیا۔
تمام مرد و زن چرچ سے نکل کے اپنی اپنی موٹر میں بیٹھ کر جانے لگے۔
باہر کتنا اچھا لگ رہا ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔کتنے دنوں کے بعد ہم کھلی ہوا میں آئے ہیں۔ہم تو اندر بند ہو کے رہ گئے ہیں۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 50

محنت کشوں کی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے مائی ڈیئر وائف ۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے اپنی فطری شگفتگی سے کہا آپ یہاں روٹی کمانے آئی ہیں ۔فضا کو سونگھنے نہیں ۔۔۔۔۔۔۔

واقعی ۔۔۔۔۔۔پاری نے آنکھیں بند کر کے کھولیں ،باہر کھلی فضا میں بیٹھنا کتنا اچھا لگ رہا ہے ہم تو بس فلیٹ سے نکلے دوکان پر ۔۔۔۔۔۔دوکان سے نکلے فلیٹ پر ۔۔۔۔۔۔

ڈٹ کے محنت کی ہے نا ؟ اسی لیے آج باہر بیٹھنا نصیب ہوا ہے ابھی کچھ عرصہ اور کھلے آسمان تلے نہیں بیٹھ سکیں گے ڈیوڈ نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔

ہاں ۔۔۔۔۔۔۔پاری نے اپنی سوچتی آنکھوں کا زاویہ بدل کے کہا۔۔۔۔۔۔چلیں اب ۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ کھڑا ہو گیا۔

پاری آنٹی کے گھر چلیں ۔۔۔۔۔۔

بغیر اطلاع کے ۔۔۔۔۔۔؟ پاری بولی ۔

میں نے اپنے دفتر سے فون کیا تھا کہ شاید ہم اتوار کو آئیں ۔۔۔۔۔۔

پاری کے دل کو دھچکا لگا۔ڈیوڈ نے اس سے پوچھے بغیر پروگرام بنا ڈالا تھا۔مگر اس نے بحث میں الجھنے سے احتراز کیا ۔مری ہوئی آواز میں بولی ۔چلو ۔۔۔۔۔۔چرچ سے نکلنے کے بعد ڈیوڈ آنٹی کو کو کے گھر جانا چاہتا تھا اور اسے غالباً یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس کی بیوی اس کے ساتھ چرچ گئی تھی ۔۔۔۔۔۔۔

پاری اندر ہی کڑھنے لگی ۔۔۔۔۔۔جب اس نے الاؤ میں چھلانگ لگائی تھی ۔تب اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ آگ جلانے کے لیے ہوتی ہے ڈیوڈ باتیں کرتا رہا اور وہ سارا وقت خاموش بیٹھی رہی ۔

آنٹی نے ان کو دیکھا تو بہت خوش ہوئیں کہنے لگیں ۔۔۔۔۔۔۔

میرا خیال تھا تم نہ آسکو گے ۔۔۔۔۔۔

کیوں ڈیوڈ بولا ۔۔۔۔۔۔

چرچ جو جانا تھا ۔

ہاں چرچ تو گئے تھے ہم ۔۔۔۔۔۔وہیں سے آرہے ہیں ۔

آنٹی نے نظریں اٹھا کر سوالیہ انداز میں پاری کی طرف دیکھا ،پاری سب سمجھ کر بس مسکراتی رہی ۔۔۔۔۔

آج اس کے دل میں ایک کھڑکی کھول گئی تھی ۔وہ بے سود باتوں کا نوٹس ہی نہیں لینا چاہتی تھی پھر آنٹی کریدکرید کر پوچھنے لگی کہ چرچ میں کیا ہوتا رہا۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ جواب دیتا رہا۔مومی کو دودھ پلانے کے لیے بہانے سے پاری دوسرے کمرے میں چلی گئی ۔

پاری نے ایک ایک کر کے سارے پیپر دے ڈالے ۔یہاں یہ سہولت میسر تھی کہ باری باری پیپر دیئے جا سکتے تھے ایک دم اتنا زیادہ پڑھنا اس کے بس میں نہ تھا۔مومی بھی ہوشیار ہوتی جا رہی تھی ۔وہ اس کی خوراک میں دوسرے اجناس شامل کرتی جا رہی تھی ۔اس لیے جب پیپر دینے جاتی تو مومی کو سونو بھابھی کے گھر چھوڑ جاتی ۔پتہ نہیں اسے پڑھنے کا اتنا جنون کیوں ہو گیا تھا۔ویسے لگتا تھا اس کے دل کے اندر کوئی آگ بل اٹھی ہے ۔ڈیوڈ بھی اسے بہت سمجھایا کرتا کہ اپنے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالا کرے ۔۔۔۔۔۔مگر وہ اسے بوجھ نہیں کہتی تھی وہ اپنی بیٹی کو بہتر زندگی دینا چاہتی تھی اس کے مستقبل کو محفوظ کرنا چاہتی تھی اس کے لیے زندگی بھر کام کرنا چاہتی تھی جونہی اس کے اندر اس قسم کے خیالات اٹھتے اسے اپنے ماں باپ یاد آنے لگتے ۔۔۔۔۔۔جنہوں نے اتنی ہی محبتوں اور محنتوں سے اسے پالا تھا۔۔۔۔۔وہ اداس ہو جاتی ۔غمگین ہو جاتی ،اور سوچا کرتی اگر میری بیٹی بھی میرے خوابوں کی تفسیر نہ بن سکی تو کیا ہوگا۔۔۔۔۔۔اس پر وہ لرز جاتی ۔اٹھ کر نماز پڑھنے لگتی ،اللہ سے دعائیں کرتی ۔

جب تک وہ اپنی ماں کے پاس رہی وہ اسے نماز کی تلقین کرتی رہیں ۔۔۔۔۔۔اب وہ اپنے وطن سے ہزاروں کوس دور آگئی تھی ۔نہ کوئی نصیحت کرنے والا تھا اور نہ کوئی دیکھنے والا ۔۔۔۔۔۔مگر اس کے دل کے اندر ایک احساس جاگ اٹھا تھا ۔۔۔۔۔۔اس نے ایک جائے نماز فارمیسی کے ریٹائرنگ روم میں بھی رکھ چھوڑی تھی ۔۔۔۔۔۔گھڑی دیکھ کر نماز پڑھ لیا کرتی ۔

کئی بار اقبال بھائی نے اسے کہا تھا کہ وہ اسلامک سینٹر جایا کرے ۔جمعہ کے دن سارے مسلمان اور پاکستانی وہاں جایا کرتے تھے مگر اس کے پاس وقت نہیں تھا پہلے وہ اپنا امتحان پاس کرنا چاہتی تھی ۔۔۔۔۔زندگی نے جو رخ عطا کیا تھا اس رخ کو سمجھنا چاہتی تھی ۔۔۔۔۔۔

پھر خدا کا کرنا یوں ہوا کہ وہ میڈیکل کے امتحان میں پاس ہو گئی ۔نہ صرف پاس بلکہ ۔۔۔۔۔۔جتنے غیر ملکی ڈاکٹروں نے امتحان دیا تھا وہ ان میں اوّل آئی تھی ۔خوشی سے اس کا دل چاہتا چیخے چلائے ۔۔۔۔۔دوڑ کر جائے

اور اپنی ماں کے سینے سے لگ جائے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔مگر ماں کہاں تھی ۔۔۔۔۔اس نے اپنی بچی اپنی مومی کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر بھینچ لیا۔

میری ماں ۔۔۔۔۔میری مومی ۔۔۔۔۔یہ سب تیری وجہ سے ہوا۔تو میری زندگی میں نہ آتی تو میں کچھ بھی نہ کر سکتی۔

پاری کا رزلٹ مومی کی دوسری سالگرہ سے ایک ہفتہ پہلے آ گیا تھا۔اس لیے انہوں نے اس سال مومی کی سالگرہ بڑے دھوم دھام سے منائی،اور جس قدر دوست اب تک بن چکے تھے ان سب کو بلایا تھا۔۔۔۔اور اپنی اس خوشی کو دوہرے انداز میں Celeberate کیا تھا۔

رزلٹ کے آتے ہی پاری کو مختلف ہسپتالوں کی طرف سے آفر آئی تھی۔پاری اور ڈیوڈ دونوں نے مل کر خوب غور و غوض کیا۔پاری کو چلڈرن ہسپتال کی آفر زیادہ پرکشش لگ رہی تھی۔اگر چہ تنخواہ باقی ہسپتالوں سے ذرا کم تھی۔مگر وہ احاطے کے اندر رہائش کی ساری سہولتیں دے رہے تھے۔کیونکہ چلڈرن ہسپتال کے وسیع و عریض احاطے کے اندر ڈاکٹروں کے لیے چالیس پچاس گھر بنے ہوئے تھے۔یہ تمام گھر پھولوں اور بیلوں سے ڈھکے ہوئے تھے اندر سے بہت اعلیٰ طریقے پر فرش ہوئے تھے۔ڈاکٹروں کی اس چھوٹی سی کالونی میں زندگی کی اور بہت سی سہولتیں موجود تھیں۔مثلاً ایک سوئمنگ پول تھا۔جکوزی تھی،ٹینس کورٹ تھا۔باربی کیو کے لیے ایک الگ احاطہ بنا ہوا تھا۔ڈاکٹروں کی سہولت کے لیے شیر خوار بچوں کی نرسری تھی۔پھر ایک پرائمری سکول تھا جس میں دس سال کی عمر تک کے بچے پڑھ سکتے تھے۔ایک گروسری سٹور تھا۔ایک بہت بڑی فارمیسی تھی۔غرض ایسی سہولتیں مہیا کی گئی تھیں۔۔۔

پاری اللہ کا نام لے کر انٹرویو دینے چلی گئی ۔۔۔۔اور سلیکٹ بھی ہوگئی۔پاری نے انٹرویو کے دوران انہیں بتا دیا تھا کہ وہ بچوں کی بیماریوں کی سرجری میں مزید امتحان پاس کرنا چاہتی ہے یہ اس کا شوق بھی ہے اور مشن بھی۔۔۔۔

اپائنٹمنٹ لیٹر آنے کے بعد پاری نے اپنے گھر کا پرانا سامان سیل کے لیے رکھ دیا۔اتنی توقع نہیں تھی کہ تین سال بعد ہی ان کے حالات بدل جائیں گے۔انہیں جدید ترین کالونی میں آسائشوں سے بھرا ہوا ایک گھر مل جائے گا ۔۔۔۔۔جس میں نیا فرنیچر اور ضرورت کا ہر سامان ہوگا۔

ڈیوڈ کہتا،ہماری میری خوش نصیب ہے اس کے پیدا ہوتے ہی حالات بدلنا شروع ہو گئے ہیں۔

پاری دل میں سوچتی شاید اس کے امی ابو نے اسے معاف کر دیا ہے تبھی تو آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں۔

اسے اقبال بھائی کی فارمیسی چھوڑنے کا بہت دکھ تھا۔اس نے اپنی مشکلوں بھری زندگی کے ابتدائی دن یہیں گزارے تھے۔اگر اقبال بھائی اور ان کی فارمیسی نہ ہوتی تو معلوم نہیں پردیس میں اس کا کیا حشر ہوتا۔۔۔۔۔؟

اقبال کہتے ۔۔۔۔۔بہن جی: آپ کی وجہ سے میں نے فارمیسی کا علم حاصل کر لیا ہے۔ورنہ مجھ جاہل مطلق کو کیا علم تھا کہ فارمیسی کیسے چلائی جاتی ہے۔۔۔۔۔

اب انہوں نے ایک ملازم کے لیے اشتہار دے دیا تھا مگر وہ کہتے تھے پاری کے جانے کے بعد وہ خود اپنی دوکان میں بیٹھا کریں۔

UrduPoint.com

پاری نے دوسری ملازمت جوائن کرنے سے پہلے پورا ایک ہفتہ لگا کر فارمیسی کو نئے سرے سے ترتیب دے کر سب چیزوں کی فہرستیں بنا کے اقبال بھائی کو چارج دے دیا تھا۔پھر بھی اس نے کہا تھا کہ جب کبھی ضرورت پڑے وہ اس سے مشورہ لے سکتے ہیں۔اسے بلا سکتے ہیں۔دونوں خاندانوں نے ایک دوسرے سے وعدے کیے تھے کہ وہ ایک دوسرے کو ملتے رہیں گے۔

جس روز پاری کا فارمیسی میں آخری دن تھا۔وہ اقبال بھائی کے ساتھ دوکان میں بیٹھی ہوئی تھی۔لالو اور لڈو مومی کو بازار گھمانے کے لیے لے گئے تھے۔۔۔۔۔

اچانک اسے کسی کے زور زور سے چیخنے اور رونے کی آواز آئی۔پہلے تو اس نے اسے وہم سمجھا۔مگر جب آواز دوکان کے باہر آ رہی تھی تو وہ گھبرا گئی ۔۔۔۔۔اٹھ کر باہر آئی تو دیکھا ایک آدمی دوکان کے تھڑے کے پاس بیٹھا ڈھائیں مار مار کر رو رہا ہے۔وہ بہت حیران ہوئی۔ذرا قریب آئی تو محسوس ہوا کہ اس آدمی نے شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔شکل سے پاکستانی لگ رہا تھا ایک کالا تھیلا اس کے پاس پڑا ہوا تھا۔

یوں تو پاری کو انگلش بولنے کی عادت پڑ گئی تھی مگر اسے دیکھ کر اردو میں پوچھا۔

کون ہو تم ۔۔۔۔۔اور کیوں رو رہے ہو۔۔۔۔۔۔؟

اس لڑکے نے جو اردو زبان سنی۔تو لپک کر آگے آیا۔اور پاری کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا اس کے پیر پکڑ پکڑ کر رونے لگا۔

بھئی بتاؤ تو سہی تم ہو کون ۔۔۔۔۔کہاں سے آئے ہو۔۔۔۔۔کیوں رو رہے ہو۔۔۔۔۔جب پاری نے ذرا درشتی سے پوچھا تو بولا۔۔۔۔۔

جی پاکستان سے آیا ہوں۔

کب آئے ہو۔۔۔۔۔۔
کل آیا ہوں۔
کس کے ساتھ آئے ہو؟
جی وہ مجھے ساتھ لایا تھا۔۔۔۔۔۔۔ مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔
کھڑے ہو جاؤ اور ٹھیک طرح سے بتاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔ پاری نے اسے ڈانٹا۔
وہ ڈر کر کھڑا ہو گیا آستین سے آنسو پونچھنے لگا۔۔۔۔۔۔ اور روتے ہوئے بتانے لگا۔۔۔۔۔۔۔
جی ایک بندہ مجھے میرے گاؤں سے لایا تھا۔ اس نے یہاں تک لانے کے ڈھائی لاکھ روپے مانگے تھے میں نے اپنی زمین بیچ کر اسے دے دیئے۔۔۔۔۔۔۔ اس نے میرا پاسپورٹ بنوایا۔ ویزا لگوایا۔ ٹکٹ خریدا۔ وہ کہتا مجھے یہاں بڑی اچھی نوکری دلوا دے گا کل ہم روز جہاز سے اترے۔ اس نے ایک جگہ مجھے کھانا کھلایا۔۔۔۔۔ اور پھر موٹر میں بٹھا کر اس مارکیٹ کے پاس یہ کہہ کر چھوڑ گیا۔ کہ تم سیر کرو میں ابھی آتا ہوں۔ جاتے جاتے اس نے مجھے پچاس ڈالر بھی دیئے۔۔۔۔۔۔
کل سارا دن میں گھومتا رہا۔ اس کا انتظار کرتا رہا۔۔۔۔۔۔۔۔ رات پڑ گئی۔ تو ایک باغ میں چھپ کر سو گیا۔ صبح سے اسے ڈھونڈ رہا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں مجھے کہاں جانا ہے۔۔۔۔۔
ہماری دوکان پہ کیسے آئے ہو۔۔۔۔۔۔۔؟
پاری نے پوچھا۔۔۔۔۔ پیچھے کسی نے مجھے بتایا کہ یہاں پاکستانی ہیں۔ میں ادھر آ گیا۔
کیا تعلیم ہے آپ کی۔
جی میٹرک پاس ہوں۔۔۔۔۔۔
کیا نام ہے تمہارا۔۔۔۔۔۔
جی غلام رسول۔۔۔۔۔۔۔
ذرا مجھے اپنا پاسپورٹ دکھاؤ۔ اس نے جیب میں سے پاسپورٹ نکال کے دے دیا۔
پاری نے اس کا پاسپورٹ دیکھا اس میں اس کے گاؤں کا پتہ وغیرہ درج تھا۔۔۔۔۔۔ ٹکٹ کا بچا ہوا حصہ بھی اس کے ساتھ تھا وہ بائیس تیئیس سال کا نوجوان تھا۔ اس کے سامنے کھڑا زاروقطار رو رہا تھا۔
اتنے میں اقبال بھائی بھی دوکان سے نکل کر پاری کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ اور بولے کیا معاملہ ہے بہن جی۔۔۔۔۔۔؟
پاری بولی، اقبال بھائی وہی پرانا قصہ۔۔۔۔۔۔ کوئی دھوکے باز اس غریب نوجوان کو پاکستان سے لا کر یہاں لب سڑک چھوڑ گیا ہے اور یہ روتا پھرتا ہے۔
یہاں بہن جی۔۔۔۔۔ ایسے واقعات یہاں آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ جس طرح پاکستان میں ہر بندے کو کینڈا اور امریکہ آنے کا شوق ہے اسی طرح ہندوستانی بھی اس شوق میں جلتے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں وہ بھی ہیں آتے اور جوتیاں چٹخاتے نظر آتے ہیں۔
اب اس کا کیا کیا جائے اقبال بھائی۔۔۔۔۔۔؟ پاری نے پوچھا۔
اس کو واپس بھیج دیں۔ اقبال بھائی بولے۔۔۔۔۔۔
ہاں تو غلام رسول۔۔۔۔۔۔۔ ہم تمہارا ٹکٹ خرید کر تمہیں واپس بھیج دیں۔ پاری نے پوچھا۔ اس پر وہ دھاڑتا ہوا پاری کے قدموں میں گر گیا۔ اور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔
اللہ کے واسطے مجھے واپس نہ بھیجیں۔ میری ماں صدمے سے مر جائے گی۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ خودکشی کر لوں گا۔۔۔۔۔۔۔ یہیں پر کسی کار کے نیچے آ جاؤں گا، میں واپس جا کر کیا کروں گا۔ ساری زمینیں بیچ کے یہاں آ گیا ہوں ماں کو کسی کے گھر چھوڑ کے آیا ہوں۔۔۔۔۔۔ وہ تو قرضہ اتارنے کی امید میں جیتی ہوگی۔ میں فوراً وطن چلا گیا۔۔۔۔۔ تو جانے اس کا کیا حال ہو۔۔۔۔۔۔
وہ اس قدر رویا اتنا گڑگڑایا کہ پاری کو ترس آ گیا۔ تھوڑی دیر سوچتی رہی پھر بولی۔ اقبال بھائی آپ مجھ پر ایک اور احسان کریں گے۔۔۔۔۔۔؟
حکم کریں بہن جی۔۔۔۔۔۔ احسان کی کیا بات ہے۔
اقبال بھائی مجھے یہ لڑکا بہت ہی بھولا بھالا اور معصوم لگتا ہے یونہی غلط ہاتھوں میں نہ چلا جائے۔ پلیز آپ اسے کچھ دنوں کے لیے اپنے گھر میں رکھ لیں۔۔۔۔۔۔ صرف دو وقت کی روٹی دے دیا کریں۔ اور کوئی کام لے سکیں تو لے لیا کریں۔۔۔۔۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ ہم لوگ اگلے ہفتے نئے ہسپتال میں شفٹ کر جائیں گے ابھی وہاں کے ماحول کا بھی علم نہیں ورنہ میں اسے ضرور اپنے پاس رکھ لیتی۔۔۔۔۔

رکھ لیں گے بہن جی۔۔۔۔۔۔اقبال بھائی نے کہا۔آپ کہتی ہیں تو ضرور رکھ لیں گے۔
آپ کے گھر میں تو دو سٹور بھی ہیں۔وہاں سو جایا کرے گا پاری بولی۔پلیز ایک ماہ کے لیے اسے رکھ لیں۔پھر میں سوچوں گی اس کے لیے کیا کرنا ہے۔
غلام رسول روتا روتا کھڑا ہو گیا اور بولا۔باجی جی میں آپ کا یہ احسان مرتے دم تک نہیں بھولوں گا۔
دیکھو غلام رسول۔۔۔۔۔پاری کہنے لگی۔یہ کینیڈا ہے یہاں کے قانون بہت سخت ہوتے ہیں تم سڑکوں پر پھرتے رہے تو وہ تمہیں اندر کر دیں گے یا کسی بحری جہاز پر بٹھا کر پاکستان بھیج دیں گے۔تمہیں یہاں کی زبان بھی نہیں آتی۔اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم کچھ دن اقبال بھائی کے ہاں شرافت سے رہو۔یہاں کسی کو اپنا گھر میں رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے تم ان کے لیے اور مشکلیں نہ پیدا کرنا۔کوشش کرنا کہ ان کا کوئی کام کر سکو۔گھر کا کوئی کام سیکھ لو۔ان کے دو بچے ہیں ان کی خدمت کر سکو۔۔۔۔۔میں اپنی نئی ملازمت پر نئے گھر میں منتقل ہو رہی ہوں ۔۔۔۔۔جب میں سیٹل ہو جاؤں گی۔۔۔۔تو تب تمہاری خبر لینے آؤں گی۔۔۔۔
جی اچھا۔۔۔۔۔۔۔جی اچھا۔۔۔۔۔غلام رسول نے پلکیں جھپک جھپک کر کئی بار دیکھا۔
اور تمہارا یہ پاسپورٹ اور کاغذات میں اپنے پاس رکھوں گی۔۔۔۔۔۔۔سنا تم نے۔۔۔۔۔وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔۔۔۔۔۔اگر تمہارا دل نہ لگے تو اقبال بھائی کو بتا دینا۔وہ مجھے فون کر دیں گے اور میں تمہیں پاکستان واپس بھیج دوں گی میری بات سمجھ گئے ہو۔۔۔۔۔
سمجھ گیا ہوں جی۔۔۔۔۔۔سمجھ گیا ہوں جی۔۔۔۔۔۔
یہ میرے بھائی ہیں تمہیں اپنے پاس رکھ کے تم پر احسان کر رہے ہیں۔
سمجھ گیا ہوں جی۔۔۔۔۔۔۔سمجھ گیا ہوں۔۔۔۔۔۔وہ بار بار کہتا۔
بہن جی۔۔۔۔۔۔آپ فکر نہ کرو۔شکل سے شریف لڑکا لگتا ہے اقبال بھائی نے کہا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 51

اتنے میں لاٹو اور لڈو موی کو اس کی پرام میں سیر کر کے واپس لے آئے تھے۔۔۔۔۔۔
پاری نے اقبال بھائی کا شکریہ ادا کیا۔۔۔۔۔۔
اور موی کی پرام پکڑ کر گھر کی طرف چل پڑی۔۔۔۔۔۔۔۔
رات کو سونے سے پہلے پاری نے غلام رسول کا سارا قصہ ڈیوڈ کو سنا دیا۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ برہم ہوگیا کہنے لگا کیوں خواہ مخواہ تم نے ایک واہیات انسان کی ذمہ داری لی اور اقبال بھائی کو زیر بار کیا۔
تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ واہیات انسان ہے۔یاد کرو جب ہم لوگ آئے تھے کس قدر کسمپرسی میں تھے۔کوئی پرسان حال نہ تھا۔
ہم تعلیم یافتہ تھے ہم نے اپنا مقام بنالیا تھا یہ جاہل کی اولاد یہاں کیا کرے گا۔کیا کر سکتا ہے واپس تمہارے پاس آگیا تو کیا کرو گی۔
اس طرح غصہ کیوں کررہے ہو ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔اگر وہ کچھ نہ کر سکا تو میں اسے واپس پاکستان بھیج دوں گی۔۔۔۔
یعنی تم۔۔۔۔۔۔اتنا کرایہ خرچ کر کے اسے بھیجو گی۔آخر تمہارا کیا لگتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔
اور کوئی رشتہ نہ ہو۔۔۔۔۔۔مسلمان بھائی تو ہے۔۔۔۔۔۔پاکستانی تو ہے۔۔۔۔۔۔۔پاری کے منہ سے اچانک نکل گیا۔
ڈیوڈ نے غصے بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔اور بولا۔۔۔۔۔۔
تو پھر ساری دنیا کے علمے اور نکھٹو مسلمانوں کا ٹھیکہ تم ہی لے لو۔۔۔۔۔۔۔
پاری خاموش ہوگئی،اس کے بعد کچھ کہنا فضول تھا۔
یہ گھر خوبصورت تھا اس میں دو بیڈ رومز تھے۔جن میں خوبصورت فرنیچر رکھا ہوا تھا ایک ڈرائنگ ڈائننگ تھا۔وہ بھی جدید ترین فرنیچر سے آراستہ تھے۔۔۔۔۔۔ملحقہ کچن تھا جس میں فریج اور ڈیپ فریزر کے علاوہ ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔۔۔۔۔ایک ٹی۔وی لائنج تھا جو لونگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور اس میں ٹی۔وی کی سہولت بھی موجود تھی۔۔۔۔۔کھڑکیوں اور دروازوں پر خوش رنگ پردے لٹک رہے تھے فرشوں پر نرم قالین بچھے ہوئے تھے۔۔۔۔چھت کے اوپر ایک خوشنما پھولوں سے گھرا ہوا ٹیرس تھا۔۔۔۔جس پر بار۔بی کیو کا انتظام تھا۔۔۔
اتنے خوشنما اور آرام دہ گھر میں آکر پاری کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔تین سال اس نے زندگی کا ہر دکھ سہا تھا۔۔۔۔۔۔اب اللہ نے پتہ نہیں کس نیکی کے صلے میں اسے اتنی عزت والی نوکری اور سجا سجایا گھر دے گی تھا اس نے مصلے نکالا اور سب سے پہلے اللہ کا شکریہ ادا کیا۔۔۔۔۔۔
اچانک اللہ سے اس کی یاری ہوگئی۔۔۔۔۔۔وہ اللہ کی مہربانی پر مرمٹی۔۔۔۔۔۔اور دل میں کہنے لگی۔
اے مہربان خدا!میں اب تجھے ہمیشہ یاد کرتی رہوں گی۔
ڈیوڈ بھی یہاں آکے بہت خوش تھا بار بار کہتا۔۔۔۔۔۔۔
دیکھو ہماری میری کتنی مبارک ہے کتنی نصیبوں والی ہے۔۔۔۔۔اس کے آتے ہی ہمارے حالات بدلنے شروع ہو گئے ہیں۔
انہوں نے اپنے پرانے گھر کا سامان بیچ دیا تھا ساتھ ہی پرانی موٹر بھی بیچ دی تھی اور سارے پیسے ملا کر ڈیوڈ نے ایک نئی موٹر خرید لی تھی کیونکہ ڈیوڈ کا دفتر یہاں سے بہت دور تھا۔البتہ پاری اپنی ڈیوٹی کے اوقات میں پیدل ہی ہسپتال جایا کرتی تھی موی کو وہ بچوں کی نرسری میں چھوڑ دیتے تھے۔۔۔۔۔۔پہلے پاری گھر آتی تھی آتے ہوئے وہ موی کو بھی لیتی آتی۔جلدی جلدی کپڑے بدل کے وہ کھانا بنا لیتی۔۔۔۔۔پھر موی کو نہلا دھلا کے اس کے کپڑے بدلتی۔میز پہ کھانے کے برتن لگا کے ٹی۔وی کے آگے بیٹھ جاتی۔کبھی پروگرام دیکھتی اور کبھی موی کے ساتھ کھیلتی رہتی۔۔۔۔۔
موی بھی اس گھر میں آکے بہت خوش تھی۔۔۔۔۔ڈیوڈ آتا تو اس کے استقبال کو بھاگی جاتی۔۔۔۔۔۔
پاپا۔۔۔۔پاپا۔۔۔۔۔۔کہتے اس کی ٹانگوں سے لپٹ جاتی۔ڈیوڈ بھی اسے اٹھا کے سینے سے لگا لیتا
آسودہ ہوتے ہی ایک دن پاری نے ڈیوڈ سے کہا۔۔۔۔۔
ڈیوڈ کیوں نہ یہاں آنٹی اور انکل کو بلا لیں۔اب تو ہمارے پاس ایک فالتو بیڈ روم بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔
ہاں پاری آئیڈیا اچھا ہے۔۔۔ڈیوڈ نے اسی وقت فون ملا کے اپنے ممی ڈیڈی سے بات کی۔اور انہیں بتایا کہ اب انکے پاس ایک خوبصورت گھر ہے سہولتوں سے بھرا ہوا اور خوشیوں سے سجا ہوا اب وہ دونوں آکر اس گھر میں رہیں آنٹی ٹینا نے بتایا کہ وہ آج کل پیٹر کے لیے لڑکی تلاش کر رہی ہیں اس کی منگنی کر کے ہی آئیں گی۔
یوں انکل اگروال نے تو اندازہ کر کے بتا دیا تھا کہ وہ کتنی بھی جلدی کریں میری کی اگلی سالگرہ پر ہی آئیں گے۔

ایک دن ڈیوڈ صبح کا اخبار دیکھ رہا تھا دیکھتے ہی پاری کو پکارنے لگا پاری ادھر آ۔۔۔۔۔۔جلدی آ پاری۔۔۔۔۔۔
پاری ایپرن لگائے کچن میں کام کر رہی تھی۔دوڑی آئی۔۔۔۔۔۔۔کیا بات ہے؟
پاری! ایک بڑی اچھی نوکری کا اشتہار آیا ہے اخبار میں۔۔۔۔۔۔
توبہ ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔تم تو ڈرا ہی دیتے ہو پاری واپس جانے لگی۔
ارے دیکھو تو سہی۔۔۔۔۔۔۔وہ اس کے پیچھے لپکا۔ایک موبائل فون کمپنی میں منیجر کی آفر آئی ہے کسی بھی نوکری کا صرف تین سالہ تجربہ انہوں نے مانگا ہے۔تنخواہ کے علاوہ موبائل فون اور گھر کا الاؤنس بھی دیتے ہیں۔
موبائل تو مجھے بھی ملا ہوگا ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔گزارے کے لیے کافی نہیں۔پاری نے کہا۔
جان! بات یہ ہے کہ ڈاک خانے کی نوکری سے اکتا گیا ہوں۔
یہ اکتانے والے جراثیم تمہارے اندر کتنے ہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔؟ پاری نے گھور کر کہا۔۔۔۔کل کو مجھ سے اکتا جاؤ گے تو کیا ہوگا۔۔۔۔۔
اوہو! پاری تمہاری مولویوں والی عادتیں ہیں،ہر وقت مولوی بنی رہتی ہو۔
اور ڈیوڈ تم بھی وقت بے وقت پادری بننے کی کوشش نہ کیا کرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔
پاری۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ چونکا۔اسے احساس ہوا کہ اس نے بے موقع اور غلط بات کہہ دی تھی۔۔۔۔۔۔
پاری جلدی جلدی میز لگانے لگی آج برنچ تھا۔اور وہ صبح سے حلوہ اور پوری بنا رہی تھی اس نے گاجر کا حلوہ بھی بنایا تھا بڑی اچھی خوشبو آ رہی ہے ڈیوڈ آ کے میز پر بیٹھ گیا۔پاری نے مومی کو اٹھا کے اس کی کرسی میں فٹ کر دیا اور وہ دنوں کھانا کھانے لگے۔۔۔۔۔۔
تھوڑی دیر بعد ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔۔۔پاری میں مذاق نہیں کر رہا تھا۔
کون سا۔۔۔۔۔۔مولوی والا۔۔۔۔۔۔۔
او پاری کم آن۔۔۔ڈیوڈ شرمندگی سے ہنسا۔۔۔۔۔۔ہر بات کا برا نہ مانا کرو۔اتنی نفرت کیوں ہے۔۔۔۔۔۔۔
بھئی مجھے کلیوں نفرت ہونے لگے میں نے تو ایسے ہی سنی سنائی بات کہہ دی۔کہ لوگ کہتے ہیں مولوی ہر وقت دوزخ سے ڈراتا رہتا ہے۔
مگر تم نے بھی تو جواب میں پادری کا طعنہ دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔۔
وہ محض جوابی کاروائی ہے تاکہ تمہاری زبان بند ہو جائے ورنہ ہمارے مذہب میں پادریوں کے لیے نہ کوئی لطیفے ہیں اور نہ کوئی تعصب۔
یار ہم مذاق مذاق میں لڑنے لگے ہیں۔ڈیوڈ بولا۔
لیکن ہم ایسا مذاق کیوں کریں۔جس سے دوسروں کے جذبات مجروح ہوں۔
دوسرا کوئی الگ ہے پاری۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ چڑ کر بولا۔۔۔۔۔
ہاں جب اس کو الگ بتایا جائے گا وہ الگ ہو کر دیکھے گا۔
ویسے پاری تمہیں خوامخواہ کا بتنگڑ بنانے کی عادت ہے۔
ساری بری عادتیں مجھی میں جو ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے مومی کو کھلانا شروع کر دیا۔
ڈیوڈ! یہ مت سمجھنا کہ ہم جو ہم مذہب میاں بیوی ہیں ان میں تکرار یا لڑائی نہیں ہوتی۔لڑائی تو ان میں بھی ہوتی ہے مگر وہ ایک دوسرے کو مذہب کی چوٹ نہیں مارتے۔
میں نے تم سے کہا تھا نا؟۔۔۔۔۔۔۔
بس۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے ہاتھ اوپر کیا۔۔۔۔۔۔۔بس اب اپنا وہ سکہ بند فقرہ دوہرانا کہ سب سے بڑا اختلاف مذہب ہی کا ہوتا ہے میں اس فقرے کو ازبر کر چکا ہوں۔
پھر اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرو۔۔۔۔۔۔۔
تم سے بک بک کرنا فضول ہے پاری! تم اپنے آپ کو اعلیٰ پائے کی کوئی چیز ہو جس سے غلطی نہیں ہو سکتی جو غلط بات نہیں کہہ سکتی۔۔۔۔۔جس کے حضور کوئی غلط بات نہیں کہی جا سکتی۔۔۔میں نے تو صرف نوکری کا مشورہ ہی مانگا تھا۔اچھی آفر تھی دفتر بھی نزدیک تھا۔۔۔کیا میری دل نہیں چاہتا میں ترقی کروں۔۔۔تمہیں ایک اچھی نوکری مل گئی تو تمہارے مزاج آسمان پر پہنچ گئے۔۔۔۔۔۔کیا میں ساری زندگی پوسٹ ماسٹر ہی رہوں گا۔۔۔۔۔۔ویسے تو میں تمہارے مشورے کا محتاج نہیں ہوں۔جب چاہوں کروں۔تم ہوتی کون ہو مجھے منع کرنے والی۔۔۔۔۔
اب پاری کھڑی ہو کر برتن اٹھانے لگی۔ماحول باقاعدہ کشیدہ ہو گیا تھا۔اس نے میز کو صاف کیا اور کچن میں جاتے جاتے بولی۔۔۔۔۔۔۔
میں نے بھی مشورہ لینے کے لیے چھٹی نہیں لکھی تھی۔

گھر کے باہر پیتل کی چمکتی ہوئی پلیٹ لگی تھی۔ جو دور سے بھی نظر آتی تھی اور جس پر "ڈاکٹر پاری اگروال۔۔۔" لکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر پاری کی سچائی اور اخلاق مندی نے پوری کالونی میں دھوم مچا رکھی تھی۔ یہاں رہنے والی تقریباً ہر فیملی سے پری کی دوستی ہو گئی تھی۔ ڈیوڈ نے بھی موبائل فون کمپنی میں ملازمت کر لی تھی۔ ان کا گھرانہ بہت دوست نواز اور خوشحال گھرانہ مانا جانے لگا تھا۔

مگر آج اس گھر کی سج دھج اور رونق کی وجہ ہی کچھ اور تھی۔۔۔۔۔۔ ان کی پیاری بیٹی "میری" کی سالگرہ تھی۔ اوپر والا ٹیرس روشنیوں سے دمک رہا تھا۔ جھنڈیاں اور غبارے فضا میں لہرا رہے تھے۔۔۔۔۔۔ چائے کا بندوبست پاری نے ہسپتال کے کیفے ٹیریا کو دے دیا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مسٹر اور مسز اگروال پاکستان سے آئے ہوئے تھے۔ وہ پچھلے مہینے آئے تھے۔ پاری، ڈیوڈ اور میری کے لی بہت سے تحائف لائے تھے اپنے بچوں کو خوش حال اور آسودہ دیکھ کر انہیں بہت خوشی وہ رہی تھی۔

نیک آپا نے بھی ان کے ہاتھ تینوں کے لیے بیش قیمت تحائف بھیجے تھے۔۔۔۔۔۔۔

پاری اور ڈیوڈ بہت خوش خوش مہمانوں کو ریسیو کر رہے تھے۔ میرے پھولا پھولا فراق پہنے ادھر سے ادھر بھاگی پھر رہی تھی۔۔۔۔۔۔ اتنے میں اقبال بھائی تحفوں کے ڈبے اٹھائے نمودار ہوئے۔۔۔۔۔۔ ساتھ میں سونو بھابھی۔۔۔۔۔۔ اور دونں بیٹے بھی تھے پیچھے پیچھے مٹھائی کا ٹوکرا غلام رسول نے سر پر اٹھا رکھا تھا۔۔۔۔۔۔

آتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اس نے جھک کر پاری کو سلام کیا۔

باجی جی سلام۔۔۔۔۔۔ پاری نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اچھے تو ہو غلام رسول۔۔۔۔۔۔

جی باجی جی۔۔۔۔۔۔۔

خوش رہو۔۔۔۔۔۔۔

جی باجی جی۔۔۔۔۔۔۔ میں نے جی اپنے صاحب جی سے کہہ دیا تھا مجھے باجی جی کے گھر ضرور لے چلیں۔ میں بھی چھوٹی باجی کی سالگرہ میں جاؤں گا۔

بہت اچھا کیا غلام رسول۔ پاری بولی۔ باجی جی کوئی کام ہے تو بتائیں میں حاضر ہوں۔

پری اس کی باتیں سن کر حیران ہو رہای تھی۔ یہ وہ کودن رو روند غلام رسول نہیں لگ رہا تھا جسے ایک سال پہلے اس نے سٹور کے باہر روتا ہوا دیکھا تھا۔ اس نے اسے اقبال بھائی کے حوالے تو کر دیا تھا۔ مگر سوچ رہی تھی ایک مہینے کے اندر اندر وہ اپنی کاہلی اور چوری سیا اقبال بھائی کو اس قدر عاجز کر دے گا کہ وہ کانوں کو ہاتھ لگا لیں گے۔ اور اسے پکڑ کر پاری کے پاس واپس لے آئیں گے۔۔۔۔۔۔

مگر ایسا بالکل نہیں ہوا۔ ایک مہینے بعد جب اس نے غلام رسول کی خ بر لینے کے لیے فون کیا تو اقبال بھائی نے کہا بہن جی! آپ کا کس منہ سے شکریہ ادا کروں۔ آپ نے نہایت دیانت دار اور ہوشیار لڑکا مجھے دیا ہے میں جو کام بھی سمجھاتا ہوں فوراً کر دیتا ہے۔۔ سارے گھر کی صفائی کر دیتا ہے۔ پھر سونو کے ساتھ گروسری سٹور جاتا ہے منٹوں میں اجناس صاف کر کے، بوتل کے لفافوں میں بھر دیتا ہے۔۔۔۔۔۔

میرے لان کا گھاس کاٹ دیتا ہے وار میرے بیٹوں کے چھوٹے چھوٹے کام خوشی خوشی کرتا ہے میرا خیال ہے میں اسے اپنے ہاں مستقل رکھ لوں گا۔

دیکھ لیں اقبال بھائی۔۔۔۔۔۔ ابھی کچھ اور دن دیکھ لیں۔

یہاں دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔۔۔ اقبال بھائی بولے۔۔۔۔۔۔ دو تین مہینے اور دیکھ لوں گا پھر اس کی تنخواہ ایک ہزار ڈالر ماہانہ مقرر کر دوں گا۔

یہ آپ کی مرضی ہے باجی۔۔۔۔۔۔ پاری بولی۔ وہ بے چارا تو ایک ہزار ڈالر ماہانا لے کر ہی خوش ہو جائے گا۔

سو اس کی کارکردگی دیکھ کر اقبال بھائی نے تین مہنے کے بعد اس کی تنخوا مقرر کر دی تھی۔ اور اب وہ مستقل ان کے گھر میں رہتا تھا پاری نے اس کا پاسپورٹ اور کاغذات بھی اسے واپس کر دیئے تھے۔

سالگرہ کے دن بھی وہ آگے بڑھ بڑھ کے کام کر رہا تھا۔ مہمانوں کی تواضع کر رہا تھا ان گھر کا فرد ہی لگ رہا تھا۔۔

پارٹی میں ساری کالونی کے مہمان آئے ہوئے تھے بہت خوبصورت ہنگامہ تھا۔ پاری اور ڈیوڈ کے چہروں پر، عرصہ دراز کے بعد انوکھی خوشی کی چمک تھی۔ ڈیوڈ آگے بڑھ بڑھ کے ہر مہمان سے اپنے والدین کا تعارف کرا رہا تھا۔ آنٹی اور انکل بھی خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے، اپنے بچوں کو اچھی حالت میں دیکھا تو ان کی جان میں جان آئی۔۔۔۔۔۔ دونوں گھوم پھر کے فخریہ انداز میں سارے مہمانوں کو دیکھ رہے تھے۔۔۔۔۔۔

©- جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 52

جانے سے پہلے غلام رسول نے چپکے سے پاری کے قریب آ کر کہا۔
باجی جی آپ مجھے اپنے پاس کب بلائیں گی؟ اب تو آپ کے پاس بڑا گھر ہے۔
پاری نے حیران ہو کر غلام رسول کی طرف دیکھا اور پوچھا۔۔۔۔۔۔
غلام رسول تمہیں وہاں کوئی تکلیف ہے۔۔۔۔۔۔۔۔؟
نہیں باجی جی۔۔۔۔۔۔۔۔وہ بولا۔ میں تو وہاں بڑے آرام سے ہوں۔ اب تو اقبال بھائی مجھے ایک ہزار ڈالر ماہانہ بھی دیتے ہیں۔ میں اس میں سے صرف پچاس ڈالر لیتا ہوں باقی جمع کر کے اپنی ماں کو بھیجنے کے لیے۔۔۔
تمہاری ماں تو اب خوش ہو گی۔۔۔۔۔۔تین مہینے بعد میں نے خط لکھا تھا پہلے بڑی فکر مند تھی اب خوش وہ گئی ہے میں پیسے جمع کر رہا ہوں باجی جی۔۔۔۔۔۔آپ مجھے اپنے پاس کب بلائیں گی۔
دیکھو غلام رسول اقبال بھائی نے تمہیں سہارا دیا۔ تنخواہ لگائی۔ تم نے ان کا کام سنبھالا۔ وہ تمہیں پسند کرتے ہیں تم ان کے پاس رہو۔ ان کا کام سنبھالو۔ اب وہ تم پر بھروسہ کرنے لگے ہیں تو میں تمہیں واپس مانگ لوں۔ یہ خودغرضی ہو گی جب تک وہ خود تمہیں میرے پاس نہ بھیجیں گے تم بھی مت آنا۔ یہ احسان فراموشی ہو گی۔
آپ ٹھیک کہتی ہیں باجی۔۔۔۔۔مگر میں تو سمجھتا ہوں نا؟ کہ اصل احسان تو آپ کا ہے۔ اس روز اگر آپ مجھے سہارا نہ دیتیں تو پتہ نہیں میرا کیا حشر ہوتا۔ میرا تو رواں رواں آپ کو دعا دیتا ہے۔
بس پھر تم اقبال بھائی کے پاس رہو۔۔۔۔۔۔۔ابھی تنخواہ تھوڑی ہے جب تم کام سیکھ جاؤں گے وہ تمہاری تنخواہ بڑھا دیں گے۔
ٹھیک ہے باجی جی۔۔۔۔۔۔۔میں آپ کا حکم مانوں گا مگر کبھی کبھی آپ کو ملنے آیا کروں گا۔
ضرور آنا۔۔۔۔۔۔۔غلام رسول۔
پارٹی بخیر خوبی ہو گئی۔ حقیقت میں یہ ان دونوں کی طرف سے پہلی پارٹی تھی۔ یعنی ایک تعارفی پارٹی تھی اردگرد کے سب لوگوں کو بلایا تھا اور نئی دوستیوں کی ابتداء کی تھی۔۔۔۔۔۔
دوسرے دن آنٹی اگروال نے پاری سے پوچھا۔۔۔۔۔۔۔۔
یہ غلام رسول تم سے کیا باتیں کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔؟
تو پاری نے آنٹی کو ساری کہانی شادی کے پہلے دن سے لے کر آخر دن تک۔۔۔۔۔۔اسی لیے وہ چاہتا ہے اب میرے پاس آ جائے۔
تم دعوت پارٹی میں اسے بلا لیا کرو۔ اچھا لڑکا معلوم ہوتا ہے۔
ممی۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔ہماری بیگم بڑی خدا ترس ہے میں نے تو کہہ دیا ہے کہ وہ یہاں بھی ایک خیرات خانہ کھول لے۔ ان پاکستانیوں کے لیے جو غیر قانونی طور پر آ جاتے ہیں، اور یہاں آ کر مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں۔
ڈیوڈ یہ کیا بات ہوئی۔ پاکستان میں صرف مسلمان ہی بستے ہیں۔ ساری دنیا کے لوگ یہاں آتے ہیں۔ ان میں اچھے برے سب ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔کچھ اپنے ملک کا نام روشن کرتے ہیں۔ کچھ بدنام کرتے ہیں مگر سب اپنے ملک سے ہی پہچانے جاتے ہیں اگر میکسیکو کا باشندہ غلط نکل آئے تو اسے میکسیکن کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔اگر اٹلی کا غلط کام کرے تو اسے اٹیلین کہتے ہیں۔ کبھی کسی نے نہیں کہا کہ عیسائی نے برا کام کیا یا بدھ مت کو بدنام کیا مگر پاکستان کا نام آتے ہی کہنے لگتے ہیں۔ مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں۔ ایک پاکستانی سارے مسلمانوں کو کیسے بدنام کر دیتا ہے۔
دیکھا۔۔۔۔ڈیوڈ نے قہقہہ لگایا۔۔۔دیکھا ماما۔۔۔اس کے اندر ہمیشہ ایک مولوی بولتا رہتا ہے مسلمانوں کو برا بھلا کہہ دو تو جذباتی ہو جاتی ہے۔
آنٹی اگروال نے ڈیوڈ کو گھور کر دیکھا۔۔۔۔۔۔۔
پاری بڑے اطمینان سے بولی۔ مسلمان جو ہوں۔ مسلمانوں کی برائی نہیں سن سکتی۔ ابھی تمہارے سامنے عیسائیوں کو من حیث القوم صلواتیں سنا دیتی ہوں دیکھوں گی تم کیسے چپ رہتے ہو۔ ویسے بھی جسے اپنے وطن سے محبت نہیں ہوتی اسے دنیا میں کسی سے محبت نہیں ہوتی۔
یہ کہہ کر پاری اپنے کمرے میں چلی گئی اور اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔
آنٹی اگروال نے ڈیوڈ کو اپنے پاس بٹھا لیا اور بولیں۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ تم اپنی زبان کو لگام دو۔ اب تم ایک ذمہ دار باپ ہو اور ایک شوہر ہو۔
ماما میں نے کیا کہا ہے میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔

ایسا مذاق کبھی نہیں کرتے وہ بولیں ۔۔۔۔۔لوگ ازدواجی زندگی میں بہت سی باتوں کا خیال نہیں کرتے اور مذاق مذاق میں اپنی بیویوں کی دل آزادی کرنے لگتے ہیں۔

ممی ۔۔۔۔۔۔۔آپ خواہ مخواہ اس کی سائیڈ لے رہی ہیں۔

نہیں بیٹا! میں جس دن سے آئی ہوں تمہارا یہ رویہ دیکھ رہی ہوں ۔۔۔۔تم اکثر پاری کو سخت بات کہہ دیتے ہو۔وہ ہماری وجہ سے ہنس کر ٹال دیتی ہے۔اس کا مذاق اڑاتے ہو ۔۔۔۔۔اور اسے مذہب کا طعنہ دیتے ہو۔

ممی میں تو بس اسے چھیڑتا ہوں۔

کیوں چھیڑتے ہو مذہب کا مذاق کوئی بھی پسند نہیں کرتا تمہارے مذہب کی پھبتی اڑائی جائے کیا برداشت کرلو گے میں تو زبان کھینچ لوں گا۔

تو پھر دوسرے کو بھی زبان کھینچنے کا حق ہے۔کیا شادی کرنے سے پہلے تمہیں علم نہیں تھا کہ تم دونوں دو مختلف مذہبوں سے تعلق رکھتے ہو۔اگر تمہیں اتنا اختلاف تھا تو تم نے شادی کیوں کی تھی۔

پتہ نہیں ۔۔۔۔۔۔۔ممی ۔۔۔۔۔۔۔مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ جیسے پاری مجھے اچھا نہیں سمجھتی۔

ہمیں بھی یہاں آئے ہوئے اتنے دن ہو گئے ہمیں تو ایسا نہیں لگا۔

کیونکہ اس نے سختی کے دن دیکھے ہیں۔لاشعوری طور پر وہ خوف زدہ رہتی ہے اس لیے اپنا اور تمہارا مستقبل محفوظ کرنا چاہتی ہے۔

اب یہی دیکھیں ممی آپ کے آنے سے پہلے اس نے سرجری کے ایک امتحان کا داخلہ بھیج دیا تھا اور مجھے بتایا تک نہیں۔۔

مجھے اس نے فون پر بتا دیا تھا اور مجھ سے وعدہ بھی لیا تھا۔کہ سال بھر ایہاں رہوں گی تا کہ وہ امتحان دے سکے۔اب تمہارے ڈیڈی تو تین مہینے کے بعد چلے جائیں گے مگر میں یہاں رہوں گی۔میری کو سنبھالوں گی۔تا کہ پاری اطمینان سے امتحان دے لے۔

ممی آپ بھی اس کی سازش میں شامل ہو گئیں ۔۔۔۔۔۔۔

سنو ڈیوڈ ۔۔۔۔۔۔۔مسز اگروانے اسے جھڑکا ۔۔۔۔۔۔۔

تم ابتدا سے ضدی طبیعت کے لڑکے ہو۔تمہاری طرف سے مجھے ہمیشہ فکر ہی لگا رہتا تھا ۔۔۔۔۔تم نے اپنی مرضی سے پاری کے ساتھ شادی کر لی۔آخر شادی کے لیے اسے طرح طرح کی دلیلیں دے کر راضی کیا ہو گا ۔۔۔اس نے بھی ایک قسم کا ایثار کیا ہے ۔۔۔۔۔اس قسم کی انقلابی شادیاں کر لینا کوئی بری بات نہیں ہوتی۔مگر اس قسم کی شادیوں کو نبھانا بڑی بات ہوتی ہے ۔۔۔ہر شادی میں طبیعتوں کا بعد ہوتا ہے کوئی نہ کوئی خانگی اختلاف ہوتا ہے ۔۔۔۔۔تمہاری شادی میں مذہبی اختلاف ہے تم دونوں کو بہت سنبھل سنبھل کر زندگی گزارنا ہو گی۔ورنہ اس کا اثر تمہاری بیٹی پر پڑے گا۔

بیٹی تو میرے کلیجے کا ٹکڑا ہے ممی ۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ فوراً بولا۔

چپ رہو اور میری بات سنو ۔۔۔۔۔۔پاری بھی کسی کے کلیجے کا ٹکڑا تھی۔تمہیں کی معلوم کہ عرفان بھائی اسے کس قدر چاہتے تھے ۔۔اس کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے جب تم نے ان سے ان کے کلیجے کا ٹکڑا چھین لیا تو چند دن بھی زندہ نہ رہ سکے۔۔۔۔۔۔

ممی میری بیٹی کو کوئی نہیں چھین سکتا ۔۔۔۔۔ڈیوڈ بے تابی سے بولا ۔۔۔۔۔۔۔

میں نے کہا ہے کہ خاموشی سے میری بات سنو ۔۔۔۔۔۔بیچ میں مت بولو ۔۔۔۔۔۔۔دنیا میں سب والدین ایک جیسے ہوتے ہیں خواہ یہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔وہ جیتے مرتے اولاد کے لیے ہیں اسے جنم دیتے ہیں اچھی زندگی دیتے ہیں اعلیٰ تعلیم دلواتے ہیں ۔۔۔۔۔۔اور اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق ان کے گھر آباد کرنا چاہتے ہیں۔خصوصاً لڑکیوں کے والدین بہت حساس ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔ہاں یہ اور بات ہے کہ دنیا بھر میں اولاد کا وطیرہ والدین سے مختلف ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔وہ اپنی من مانی میں والدین کا دل توڑنا جائز سمجھتی ہے ۔۔۔۔۔۔

یہ تو میں جانتی ہوں کہ میری پیاری سہیلی وحیدہ اپنی بیٹی کی یاد میں کس طرح تڑپ تڑپ کر مر گئی ۔۔۔۔۔۔اس نے اپنے شوہر کو دیا ہوا وچن نبھایا ۔۔۔۔۔۔مجھ سے بھی دوستی نبھائی ایک روز میرے آگے گلہ کیا نہ رونا رویا ۔۔۔۔۔۔

اب ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اس کی لڑکی کو خوش رکھیں ۔۔۔۔۔۔اسے اچھی زندگی دیں بلکہ وہ تو تمہارے ساتھ مل کر محنت مشقت کر رہی ہے ۔۔۔۔۔۔۔

تمہاری طبیعت میں جیسے ابال آیا کرتا ہے ۔۔۔۔۔۔ویسے ہی وہ جھاگ کی طرح بیٹھ بھی جایا کرتی ہے ڈیوڈ ۔۔۔۔۔۔ہوش کوش سے سن لو۔آج میں تمہیں وصیت کر رہی ہوں کہ تم نے پاری کا ہاتھ پکڑا ہے تو آخر دم نبھانا ہو گا ۔۔۔۔۔۔اسے برداشت کرنا ہو گا اس کے ساتھ ہی رہنا ہو گا اگر مجبور بھی کرے ۔۔۔۔۔۔تو اسے

طلاق مت دینا لوگ پھر ایسی شادیوں پر یقین کرنا چھوڑ دیں گے۔
اگر تم نے پاری کو چھوڑ دیا یا کسی دوسری عورت کی خاطر اسے طلاق دے دی تو میں تمہیں دودھ نہیں بخشوں گی۔
ڈیوڈ نے سر جھکا لیا۔
بولو ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔منہ سے بولا۔۔۔۔۔۔اور میرے ساتھ وعدہ کرو۔۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور بولا۔۔۔۔۔۔
ممی، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں پاری کے ساتھ کبھی بے وفائی نہیں کروں گا۔ پاری کو کسی حال میں بھی تنہا نہیں چھوڑوں گا اور طلاق کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

انجام

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے
نہ کر دیں مجھ کو مجبورِ نوا فردوس میں حوریں
مرا سوزِ دروں پھر گرمیِ محفل نہ بن جائے
کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینے میں غمِ منزل نہ بن جائے
اقبال

ٹورانٹو کی ایک جدید ترین آبادی میں لب سڑک ایک انتہائی دیدہ زیب محل نما گھر تھا، دور سے دیکھیں تو یوں معلوم دیتا جیسے یہ گھر پاکستان کے کسی شہر میں کھڑا ہے۔ کیونکہ اس کا نقشہ پاکستانی گھروں سے مشابہ تھا۔ لمبے لمبے ستون تھے اور باہر کا حصہ چھوٹی سرخ اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ سڑک پر جاتا ہوا راہ گیر ایک بار نظر اٹھا کر اس گھر کو ضرور دیکھتا تھا۔۔۔۔۔۔سیاہ گیٹ کے ساتھ پیتل کی چمکتی ہوئی اس پلیٹ کو بھی دیکھتا تھا جس پر ڈاکٹر پاری اگروال لکھا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔روشیں سرسبز تھیں اور لان موسمی پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔
ایک سفید رنگ کی مرسیڈیز کار مین روڈ سے اتر کر اس طرف آ رہی تھی قریب پہنچی تو اندر بیٹھی ہوئی ڈاکٹر پاری اگروال نے ریموٹ کنٹرول سے گھر کا گیٹ کھول دیا اور موٹر کو پورچ تک لے گئی۔ دروازہ کھول کر باہر نکلی تو صدر دروازے میں ایک جوان اور انتہائی حسین لڑکی پاکستانی غرارا سوٹ پہنے کھڑی ہوگئی اس کے لمبے لمبے بال اس کے شانوں پر لہرا رہے تھے پاری نے اس کی طرف دیکھا تو نہال ہوگئی۔۔۔۔۔۔دوڑ کر آگے آئی اور بولی۔ کتنی خوبصورت لگ رہی ہے میری مومی، میری گڑیا نظر نہ لگ جائے۔ آگے آ کر اس کا ماتھا چوم لیا اور اس کی بلائیں لیں ماما آپ پانچ منٹ لیٹ ہوگئی ہیں مومی بولی۔
کیا کرتی ٹریفک جو زیادہ تھا اچھا مجھے پانچ منٹ دو گی۔ میں چائے پی لوں۔
ہاں ماں۔۔۔۔۔تم چائے پی لو۔ میں اپنی فرینڈ کو فون کر دیتی ہوں۔ وہ بار بار پوچھ رہی تھی تمہاری ماما آئیں یا نہیں۔
وہ دونوں باتیں کرتیں ہوئی لاؤنج میں بیٹھ گئیں۔۔۔۔۔۔۔
آج مومی کی گہری دوست کی سالگرہ تھی۔ اور پاری نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ شام کو جلدی آ جائے گی اور اس کی دوست کے گھر چھوڑ دے گی کیونکہ پاری کو رات آٹھ بجے دوبارہ ہسپتال جانا تھا دو تین آپریشن تھے۔
کتنی پیاری لگ رہی ہو تم اس غرارے سوٹ میں۔۔۔۔۔۔پاری نے خوش ہو کر کہا۔ آج پارٹی میں سب تمہاری تعریف کریں گے۔۔۔۔۔۔
ماما۔۔۔۔۔۔نیک خالہ نے پچھلے سال یہ سوٹ بھیجا تھا دیکھیں اب مجھے بالکل پورا آ گیا ہے۔
تصویر کھینچوا کے نیک خالہ کو بھیج دینا۔
اتنے میں غلام رسول چائے بنا کے لاؤنج میں لے آیا۔۔۔۔۔۔۔
غلام رسول کو بھی کہنا نہیں پڑتا۔ مسکرا کر پاری نے چائے کا ایک کپ اٹھا لیا۔
آپ آ گئیں، چھوٹی باجی بہت فکرمند ہو رہی تھیں۔ میں نے تو کہا تھا میں چھوڑ آؤں گا۔ مگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 53

پاری نے کلائی پر لگی گھڑی دیکھی ۔اور پوچھا۔۔۔۔۔۔صاحب آئے تھے۔۔۔۔۔۔

جی غلام رسول نے کہا۔۔۔۔۔کھانا کھا کے چلے گئے ہیں۔

پاری نے چائے پی لی۔۔۔۔۔پھر کمرے میں جا کر فریش اپ ہوئی لباس تبدیل کیا اور نیچے آ گئی۔۔۔۔۔

مومی پہلے ہی موٹر میں جا بیٹھی تھی۔پاری نے موٹر اسٹارٹ کی اور دونوں ماں بیٹیاں سڑک پر نکل آئیں۔غلام رسول نے گھر کا گیٹ بند کر لیا۔

تمہاری پارٹی کس وقت ختم ہو گی مومی۔۔۔۔۔پاری نے پوچھا۔

ماما رات کو بارہ بج جائیں گے۔

اگر میں فارغ نہ ہوئی تو تمہیں فون کر دوں گی۔

ہاں میں نے پہلے ہی انکل سے کہہ دیا ہے وہ کہتے تھے وہ لوگ مجھے خود چھوڑ جائیں گے۔

مومی میں ان لوگوں کو تکلیف تو نہیں دینا چاہتی۔۔۔۔مگر جس رات تین چار آپریشن ہوتے ہیں، مجھے وقت پر اختیار نہیں رہتا۔

کوئی بات نہیں ماما۔۔۔۔۔مجھے آپ کی مجبوریوں کا بہت احساس ہے آپ فکر نہ کرنا۔۔۔۔۔آپ تو میری دوست کے گھرانے کو اچھی طرح جانتی ہیں۔

پھر بھی۔۔۔۔۔مومی جب تو میری آنکھوں سے اوجھل ہو تو میں بے چین ہو جاتی ہوں۔

مائیں ساری وہی ہوتی ہیں ماما۔۔۔۔۔۔اب میں چھوٹی تو نہیں ہوں پورے اٹھارہ سال کی ہوں۔

پاری ہنسنے لگی۔۔۔۔۔اٹھارہ سال بھی کوئی عمر ہوتی ہے مگر اس عمر میں غلط فہمیاں بہت ہو جاتی ہیں۔

پاری سوچتے سوچتے اپنے ماضی کی طرف لوٹ گئی۔جب اٹھارہ سال کی تھی تو کتنی شوخ و شنگ تھی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔

ماما۔۔۔ایک دم مومی بولی۔پاپا ایسی ملازمت کیوں کرتے ہیں جس میں انہیں ہفتہ اتوار باہر گزارنا پڑے۔۔

پاری نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی اور اپنے دل میں کہا جان تو اٹھارہ سال کی تو ہو گئی ہے مگر یہ بات تیری سمجھ میں نہیں آئے گی۔

ویسے ہی بات بنا کر بولی۔

چند اروز روز ملازمتیں بدلی تو نہیں جا سکتیں۔۔۔۔۔پھر اگر ان کو سہولت ہے تو ہم کیوں اعتراض کریں۔

لو جی دو ہی دن تو ہوتے ہیں چھٹی کے، سب مل کے گزارتے ہیں ہمارے پاپا چھٹی کے دن ٹور پر چلے جاتے ہیں۔

مگر باقی سارا وقت تو وہ تمہارے ساتھ گزارتے ہیں کتنا پیار کرتے ہیں تم سے۔

میں نے ان سے کہا تھا، آج نہ جائیں مجھے سالگرہ پر لے جائیں مگر وہ مانے نہیں۔۔۔۔۔مومی نے کہا۔

اب تم بڑی ہو گئی ہو مومی۔۔۔۔۔پاری نے کہا۔اب بچوں والی باتیں نہ کیا کرو اتنے میں اس کی سہیلی کا گھر آ گیا۔

پاری اندر گئی۔سب سے ملی اور ان سے فون نمبر لے کر تاکید کر دی کہ اگر اسے دیر ہو جائے تو مومی کو گھر پہنچا دیا جائے۔واپسی پر اس نے موٹر ہسپتال کی جانب موڑ لی۔۔۔۔۔

اس نے دس سال تک چلڈرن ہسپتال میں ملازمت کی تھی۔کئی امتحان پاس کیے تھے۔

اللہ نے اس کے ہاتھ میں شفا دی تھی۔وہ بڑی کامیابی سے بچوں کے آپریشن کرتی تھی۔خصوصیت سے ان بچوں کے جو ماں کے پیٹ سے ہی جڑے ہوئے پیدا ہوتے تھے۔آج کل وہ ٹورانٹو کے سب سے بڑے ہسپتال میں تعینات تھی۔مختلف ہسپتالوں میں وزیٹنگ سرجن تھی۔پورے کینیڈا میں اس کی دھوم تھی۔آپریشن کے لیے دور دور سے بلایا جاتا تھا بعض دفعہ اسے امریکہ میں بھی بلایا جاتا کبھی وہ لیکچر دینے کے لیے جاتی۔اور کبھی مشکل ترین آپریشن کے لیے اسے مدعو کیا جاتا۔۔۔۔۔

اسے اپنے پیشے سے عشق تھا اسی لیے اس کا نام دور دور پہنچ گیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے شہرت بھی دی اور دولت بھی دی۔

اس کا دل چاہتا ایک بہت خوبصورت گھر ہو جب توفیق ہوئی تو اس نے ٹورانٹو کی امیر ترین آبادی میں انتہائی خوبصورت گھر بنا لیا۔اس کے اندر جدید ترین زندگی کی ہر سہولت تھی۔ٹورانٹو کی سب سے مہنگی کمپنی سے اس نے گھر ڈیکوریٹ کروایا تھا۔چھتوں پر فانوس تھے پاؤں تلے دبیز قالین تھے۔یہ چار بیڈ روم کا انتہائی کشادہ گھر تھا دو بیڈ روم اوپر والی منزل پر تھے اور دو نیچے۔۔۔۔۔۔ایک وسیع و عریض ڈرائنگ اور ڈائننگ تھا۔دو ٹی۔وی لاؤنج تھے ایک اوپر تھا اور ایک نیچے تھا بیس منٹ میں ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں اکثر پارٹیاں ہوتیں۔باہر ایک ہرا بھرا پھولوں سے لدا ہوا لان تھا اس کے ایک کنارے میں نیلگوں سوئمنگ پول تھا۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی ان کے سٹیٹس کا اندازہ ہو جاتا تھا اس نے اپنی زندگی کی ساری محرومیوں کی کسر اسی

گھر پر نکال لی تھی ۔آئے دن ان کے ہاں ڈنر پارٹیاں ہوتیں ۔لوگ انہیں شہر کا خوش قسمت ترین جوڑا سمجھتے تھے ۔کرسمس پارٹی ان کے گھر ہوتی ۔عید ملن ان کے گھر ہوتی ،کوئی بھی تہوار پارٹی کے بغیر نہیں گزرتا تھا ۔

وہ ہسپتال پہنچ گئی ۔آج جڑواں بچوں کے تین آپریشن ہونا تھے دو اور ڈاکٹر بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے ۔اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے نرس سے پروگرام منگوایا وہ چارٹ لے کر آ گئی ۔آپریشن تھیٹر جانے میں ابھی آدھا گھنٹہ تھا جس رات وہ آپریشن کرتی اس رات وہ نماز پڑھ کے خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتی ۔کہ اس کے ہاتھ میں اپنی رحمت سے شفاء عطا کرے ۔یہ اس کا یقین تھا ۔۔۔۔

اس لیے ابھی وقت دیکھ کے اس نے اپنی دراز میں سے مصلےٰ نکال کے فرش پر بچھایا اور خود وضو کرنے غسل خانے میں چلی گئی ۔

علی الصبح ۔۔۔۔۔۔ جب صبح کاذب اپنا شرمیلا آنچل صبح صادق کے ہاتھوں سے چھڑا رہی تھی ۔۔۔۔۔۔ پاری ہسپتال سے نکلی اور گھر کی جانب رواں ہوئی ۔ساری رات جسم انسانی کی رفوگری میں گزری تھی ۔ایک حبشی عورت کے تین جڑے ہوئے بچے پیدا ہوئے تھے ۔تینوں صحت مند تھے ۔مگر تین بچوں کی پانچ ٹانگیں تھیں ۔۔۔۔۔کل رات انہی کا آپریشن تھا ۔ایک لبنانی سرجن اور ایک یورپین سرجن اس کے معاون ومددگار تھے ۔کئی میٹنگوں کے بعد یہ طے ہو گیا تھا کہ دو بچوں کو ہر صورت میں بچا لیا جائے گا اس طرح کہ ان کے اعضاء بھی سلامت رہیں ۔۔۔

تینوں سرجن اپنی اپنی میز پر اپنی اپنی مشاقی دکھا رہے تھے ،بار بار مشورے ہو رہے تھے ۔ایسا مشکل کام بس رات کی تنہائی میں ہی ہو سکتا تھا جب ساری دنیا سو رہی تھی ۔ہو کا سناٹا تھا ۔۔۔۔۔رب قدیر آسمانوں سے جھانک رہا تھا اور تین مختلف ملکوں کے مسیحا ایک الگ قومیت کے بچوں کو خوبصورت زندگی دینے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے ۔نہ انہیں بھوک کا احساس تھا نہ پیاس کا ۔۔۔۔۔۔۔بس احساس تھا تو یہ کہ مامتا کے سامنے سرخرو ہو جائیں ۔بالآخر کئی گھنٹوں کی کاوش کے بعد آپریشن کامیاب ہو گیا تھا ۔۔۔۔۔۔۔دو جڑواں اپنے اعضاء سمیت بالکل نارمل حالت میں تھے ۔البتہ درمیان والا بچہ غیر یقینی حالت میں تھا اس کے حصے میں ٹانگ بھی ایک آئی تھی ،تاہم تینوں ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اس کی زندگی بچائی جا سکتی ہے ۔

ریٹائرنگ روم میں آ کر ڈاکٹروں نے پاری کو کافی کی پیشکش کی تھی ۔مگر اس وقت وہ گھر جانا چاہتی تھی اس لیے ان کا شکریہ ادا کر کے باہر نکل آئی ۔۔۔۔۔۔ پہلے بھی کئی بار وہ ایسے وقت میں ہسپتال سے نکلی تھی ۔۔۔۔۔۔نور ظہور کا یہ وقت اسے بہت اچھا لگتا تھا ۔موٹر چلاتے ہوئے وہ ہمیشہ دور افق پر دیکھا کرتی تھی ۔۔۔۔۔۔ مسلسل دیکھا کرتی ۔۔۔۔۔ اس وقت ٹریفک بالکل نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ سٹیرنگ سے نظریں ہٹا کر کینڈا کے آسمان کو دیکھتی ۔۔۔۔۔۔۔

ہر آسمان پر پو پھٹنے منظر ایک سا ہوتا ہے آنے والی صبح ہمیشہ رات کی کالی چادر کو پھاڑ کر اپنا نوری چہرہ باہر نکالتی ہے ، مگر یہ منظر بڑا حادثاتی لگتا ہے ۔دور سے افق پر کالی دھاری سفید دھاری سے جدا ہوتی ہوئی صاف دکھائی دیتی ۔۔۔وہ سوچتی اپنے ملک میں ان خوبصورت لمحوں میں فجر کی اذان گونجتی ہے بندے کو جگانے کے لیے اپنے رب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اسے دادا جان یاد آتے ۔۔۔۔۔اگر رمضان کی رات نیند دیر سے کھلتی اور گھر والے دوڑ میں لگ جاتے سفید دھاری سے جدا نہیں ہوئی ۔۔۔۔۔۔جب کالی دھاری سمٹ جائے گی تب فجر شروع ہو گئی ۔

اپنے بچپن میں وہ اس کالی دھاری اور سفید دھاری کا بہت مذاق اڑایا کرتی تھی اور کہتی تھی ۔۔۔۔۔۔۔

''دادا میاں رات کو پرنٹ کی بات کرتے ہیں وہ تو بازار میں ملتا ہی نہیں''

امی اسے گھورنے لگتی تھیں ۔۔۔۔۔۔۔۔

پتہ نہیں ایسے میں اسے اپنے بچپن کی باتیں کیوں یاد آنے لگتی تھیں ۔۔۔۔۔شاید انسان کا ماضی ہمیشہ اس کے اندر رہتا ہے ۔۔۔۔۔۔اس کے بچپن کا ماحول اس کے لاشعور میں چھپا رہتا ہے ۔۔۔۔۔۔ پتہ نہیں یہ سب کچھ کس کمپیوٹر میں فیڈ ہو جاتا ہے کہ آپ نے بچپن کی کسی یاد کا بٹن دبایا ۔سارا منظر آپ کی آنکھوں کے سامنے آ گیا ۔۔۔

ان یادوں کے ساتھ اور بہت سی یادیں جڑی ہوئی تھیں کیا یادیں بھی جڑواں بچوں کی طرح ہوتی ہیں ۔۔۔۔۔۔ ساتھ ساتھ رہتی ہیں ،بعض اوقات تلخ یادوں کا آپریشن کر کے انہیں خوشگوار یادوں سے جدا کیا جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔اور ایسے آپریشن کرنے میں وہ کتنی ماہر ہو گئی تھی ۔دنیا میں اس کا نام بولنے لگا تھا ۔۔۔۔۔۔اپنے گھر کا منظر ذہن میں آ جاتا ۔۔۔۔۔۔رمضان المبارک کی راتوں میں اٹھنا ۔۔۔۔۔۔سارے گھر میں پراٹھوں کی خوشبو کا پھیل جانا ۔۔۔۔۔۔دادا میاں کا زور سے متنبہ کرنا ۔ہر رات مذہب کے بارے میں کچھ بتا دینا پاری کا ضد کر کے روزہ رکھ لینا مگر سارا دن سو کر گزار دینا ۔۔۔۔۔۔۔

امی کا اونچی آواز میں بولتے رہنا ۔۔۔۔۔۔پاری اگر تم نماز نہیں پڑھ سکتیں تو روزہ بھی مت رکھو ۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کو فاقہ پسند نہیں ہے ۔۔۔۔۔یہ روزہ نہیں ہے تم صرف اپنے آپ کو تسلی دے رہی ہو ۔۔۔۔۔

ابو جی کا امی کو سمجھانا ۔۔۔۔۔۔کوئی بات نہیں بچی ہے۔روزہ رکھے تو اس کی حوصلہ افزائی کیا کرو۔جب سمجھ دار ہو جائے گی ۔۔۔۔۔۔نمازیں بھی پڑھا کرے گی۔

کب سمجھ دار ہو گی ۔۔۔۔۔امی بل کر کہتیں ۔۔۔۔۔ایف۔ایس۔سی میں پڑھ رہی ہے۔معصوم بچی تو نہیں ہے عرفان تم بیچ میں نہ بولا کرو۔۔۔۔۔۔امی تن جاتیں تم اس لڑکی کو بگاڑ رہے ہو ایک دن پچھتاؤ گے۔۔۔۔۔۔

یہاں تک سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں، ابو جی کی وقت بے وقت حمایت نے اسے بگاڑ دیا اس نے روایات کے چہرے پر ٹھوکر ماردی اور اپنے مذہب کی لاج نہ رکھی۔۔۔۔۔۔

پھر روتے ہوئے آسمان کے منظر میں کھو جاتی۔۔۔۔۔۔

رات کے اندھیرے کے بچے کھچے نشان کس قدر خوبصورتی سے سمٹ جاتے ۔۔۔۔۔۔اندھیرا اپنے جانے کو قبول کر لیتا ۔۔۔۔۔صبح مسکرانے لگتی ۔۔۔۔۔پہلے اس کا رنگ کاسنی ہوتا ۔۔۔۔۔پھر اودا ہو جاتا ۔۔۔۔۔۔یوں لگتا کسی نے آسمان کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا ہے۔۔۔۔۔۔صبح کی پہلی مسکراہٹ سارے آسمان پر بکھر جاتی۔

اسے طلوع صبح کا منظر اچھا لگتا تھا اسے محسوس ہوتا نئی صبح ایک نومولود کی طرح ہوتی ہے جس طرح نومولود کے جسم سے ایک آسمانی خوشبو آتی ہے اسی طرح صبح کی آمد سے دنیا میں ایک الوہی خوشبو پھیل جاتی ہے ۔۔۔۔۔۔زندگی کی خوشبو ۔۔۔۔۔۔امید اور امنگ کی خوشبو ۔۔۔۔۔۔محبتوں کی خوشبو ۔۔۔۔۔۔اس کی خوشبو میں اس کے ماضی کی کئی خوشبوئیں پھیل جاتیں ۔۔۔۔۔۔وہ اپنی کار کی رفتار اور بھی آہستہ کر لیتی ۔۔۔۔۔۔وہ اس منظر کو اپنی روح تک میں جذب کر لینا چاہتی ۔۔۔۔۔۔وہ چاروں طرف دیکھتی رہتی ۔۔۔۔۔۔

وہ آئین قدرت پر عش عش کر اٹھتی ۔۔۔۔۔۔مظاہر قدرت اللہ تعالیٰ کے قانون کے پابند ہیں ۔۔۔۔۔۔انسان کیوں نہیں اللہ تعالیٰ کے قوانین کا پابند رہ سکتا۔۔۔۔۔

اللہ تعالیٰ کا قانون کیا ہے وہ اپنے آپ سے پوچھتی ۔۔۔۔۔۔انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے قوانین تو قرآن پاک میں درج ہیں ۔۔۔۔۔مگر ۔۔۔۔۔کس قدر پاسداری ہوتی ہے ان کی ۔۔۔۔۔وہ اداس ہو جاتی ۔۔۔۔۔

کتنی دیر بعد یہ باتیں سمجھ میں آتی ہیں کیا کچھ گنوا کر آئین فطرت کی ادا سمجھ میں آتی ہے ۔۔۔۔۔انسان تو خود اپنے فیصلوں کا پابند نہیں رہ سکتا، اپنے کئے ہوئے فیصلہ کی نفی کر دیتا ہے اپنے فیصلوں پر پچھتانے لگتا ہے رونے لگتا ہے ۔۔۔۔۔۔ایک وقت آتا ہے جب محبت سب سے زور آور جذبہ بن جاتی ہے۔وہ اس محبت پر سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہو جاتا ہے، جان سے پیارے والدین، والدین کی طرف سے ادا کی ہوا مذہب ۔۔۔۔۔۔اللہ کا آئین ۔۔۔۔۔۔سب کچھ ۔۔۔۔۔۔مگر یہ محبت ہے کیا جو ہر چیز پر اور ہر تعلق پر حاوی ہو جاتی ہے اور یہ زندگی کیا ہے۔پھر ایک وقت آتا ہے ۔۔۔۔۔جب یہ زندگی محبت کی تابع ہو جاتی ہے ۔۔۔۔۔۔محبت کی غلام ہو جاتی ہے ۔۔۔۔۔۔اسے سب کچھ مضحکہ خیز لگنے لگتا ہے۔شاید محبت کا یہی وطیرہ ہے وہ زندگی کے ساتھ قدم ملا کر چلنے میں اپنی ہتک سمجھتی ہے ۔۔۔۔یہی وجہ ہے کہ تھوڑی دور چل کر ان دونوں کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔زندگی چلتی رہتی ہے مڑ کر دیکھتی ہے تو محبت دور کھڑی ہاتھ ہلا رہی ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔مگر زندگی کو مختلف ادوار میں مختلف شکلوں میں ملتی رہتی ہے ۔۔۔۔۔۔کبھی ماں اور باپ کی صورت میں کبھی بہن اور بھائی کے جامے میں، کبھی دوست اور محبوب کے روپ میں، کبھی فن کی ردا اوڑھ کر ۔۔۔۔۔کبھی چھوڑ دیتی ہے ۔۔۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔عاشق تخت کو ٹھوکر مار دیتا ہے۔عورت اپنا مذہب قربان کر دیتی ہے۔اگر یہ سب حقائق کے چہرے ہیں ۔۔۔۔۔تو پھر محبت ہمیشہ اپنی اصل صورت میں زندگی کے ساتھ رہتی کیوں نہیں ۔۔۔۔۔۔یہ ہر جائی ہے، یا زندگی تلوں آشنا ہے ۔۔۔۔۔۔اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کب ان دونوں کے درمیان اختلاف شروع ہو گئے ۔۔۔۔۔۔یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ سرجری کے کئی امتحان پاس کر کے ایک کامیاب ڈاکٹر بن گئی تھی۔اس نے گویا اپنے آدرش کی زمین پر پہلا قدم رکھ دیا تھا۔اسے وقت بے وقت آپریشن کے لیے بلایا جانے لگا۔بے وقت کے آپریشنوں کے اسے بہت سے پیسے ملتے تھے۔ڈیوڈ اس کی مصروفیات سے چڑنے لگا۔اسے طعنے دینے لگا شاید اسے کوئی احساسِ کمتری ہونے لگا تھا سارے فون پاری کے لیے آتے۔ سارے وزیٹر پاری کے لیے آتے ۔۔۔۔۔۔

ایک دن بولا ۔۔۔۔۔۔

پاری! اب ہمیں اپنی ازدواجی زندگی مکمل کر لینی چاہیے ۔۔۔۔۔۔

کیا کہہ رہے ہو، ڈیوی۔۔۔۔۔۔ماشاءاللہ ہماری ازدواجی زندگی مکمل ہے۔

ایک تو مجھے تمہارا یہ ماشا اللہ کہنا زہر لگتا ہے پلیز جس طرح پاکستان چھوڑا ہے۔اس طرح اس کو بھی چھوڑ دو۔

پاری نے حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

یہ لفظ تو تم بھی اکثر کہتے ہو ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔مذاق میں کہتا ہوں آئندہ تم میرے منہ سے نہیں سنو گی۔۔۔۔۔

پاری کو بہت دکھ ہوا، دنیا بھر میں بہت سی قومیتوں کے کچھ لفظ عام ہو جاتے ہیں۔ اب تو غیر ملکی بھی اپنی گفتگو میں انشاء اللہ کہنے لگے تھے۔۔۔۔۔۔ دنیا کی لغت میں اسی طرح سے محاورے بنتے رہے ہیں اور بنتے رہیں گے مگر پاری خاموش ہوگئی۔۔۔۔۔۔ وہ اپنے پیشے میں اس قدر ڈوب چکی تھی کہ فضول بحث میں اپنی توانائیاں ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔

رات کو سونے سے پہلے ڈیوڈ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔ بولا۔۔۔۔۔۔

پاری! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔

کیا سمجھوں ڈیوڈ! تم لڑنے کا بہانہ ڈھونڈتے ہو۔

اصل میں مجھے بیٹے کی ضرورت ہے پاری۔۔۔۔۔۔ ہمارا ایک بیٹا ہو جائے تو ہماری زندگی مکمل ہو جائے گی۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 54

نہیں ڈیوڈ! میری سال بھر کی بے تحاشا مصروفیات ہیں میری اپائنٹمنٹس طے ہو چکی ہیں کچھ غیر ملکی ٹور بھی ہیں۔
۔۔۔۔میں تو۔۔۔۔۔
ہاں تم اتنی بڑی ہو گئی ہو کہ ڈالر کو بچے پر ترجیح دے رہی ہو۔
ہماری ایک بیٹی ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔
وہ اب پانچ سال کی ہو گئی ہے تنہائی محسوس کرتی ہے اب اس کا کوئی اور بہن یا بھائی ہونا چاہیے۔
یاد ہے ابتدا میں تم نے کہا تھا ہم صرف ایک ہی بچہ پیدا کریں گے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔۔۔۔۔۔
لعنت بھیجو میری بات پر اور اپنی یادداشت پر۔۔۔۔۔۔۔اس وقت کے حالات کا وہی تقاضا تھا۔۔۔۔۔
ایک زمانے میں میری یادداشت نے تمہیں بہت متاثر کیا تھا اب اس پر لعنت بھیجنے لگے۔تمہاری عادت ہے کوئی پرانی بات نکال کر میرے منہ پر مار دیتی ہو۔
پرانی باتوں کے علاوہ ہمارے پاس ہے ہی کیا۔۔۔۔؟ جب زندگی مشکل میں تھی تو ہم اس کو آسودہ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔۔۔۔۔اس وقت تمہیں میری سب باتیں اور عادتیں بہت اچھی دکھائی دیتی تھیں اب پیٹ بھر کر روٹی ملنے لگی ہے تو عیب نکالنے کا بھی وقت نکل آیا ہے۔
یہ تم لوگوں کی بری عادت ہے کرو تو وعظ کرنے لگتے ہو۔ڈیوڈ نے یہ فقرہ جان بوجھ کر کہا تھا وہ جانتا تھا یہ فقرہ سنتے ہی پاری تلملائے گی۔۔تڑپے گی۔۔جھپٹ کر جواب دے گی۔۔اور اچھا خاصا میدان کارزار گرم ہو گا۔۔۔۔۔
پاری اندر ہی اندر تلملائی مگر باہر نکل گئی۔۔۔۔۔۔وہ اسے اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔۔
یوں زندگی کے ساتھ کچھ مسائل بھی چل پڑے تھے۔۔۔۔۔۔
وہ اپنے کچن میں ہمیشہ ایک اسلامی کیلنڈر بھی لگا چھوڑتی تھی جس سے اسے اسلامی تہواروں کا پتہ چلتا رہتا۔جب شب برات آتی تو وہ باقاعدہ حلوہ پوری بنایا کرتی۔اور وہاں اپنی غیر ملکی سہیلیوں کو دعوت میں بلاتی۔۔۔۔۔۔
بعد میں ہمیشہ ڈیوڈ الجھ پڑتا کہتا۔۔۔۔۔۔یہ تو ٹھیک ہے کہ تم نے انہیں حلوہ پوری کی دعوت دی۔مگر یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ مسلمانوں کا یہ ایک مذہبی تہوار ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔
اگر ایسٹر ایک تہوار ہے تو شب برات بھی ایک تہوار ہے۔وہ کہتی جو کچھ میری ماں کرتی تھی میں ضرور کروں گی۔
تو پھر اپنی ماں کے پاس ہی رہنا تھا۔۔۔۔۔
ہاں اگر تم مصیبت بن کے نہ آئے ہوتے۔۔۔۔۔۔
اس پر ان کی خوب لڑائی ہو جاتی۔اور دونوں ایک دوسرے سے نہ بولتے۔
پھر سلح ہو جاتی کیونکہ پردیس میں جہاں گھر میں صرف دو بڑے اور ایک بچی ہو زیادہ دن تک لڑائی چل نہیں سکتی۔
مگر وہ اپنے معمولات نہیں چھوڑتی تھی رجب کی ستائیسویں کو میٹھا زردہ پکا کے کھانے کی میز پر رکھ دیتی۔ڈیوڈ اس کو ہاتھ بھی نہ لگاتا اور جب وہ اسے کھانے کو کہتی۔۔۔۔۔تو وہ کہتا۔۔۔۔۔
ایسی چیزیں غریبوں میں تقسیم کر دیا کرو،اگر غریب نہ ملیں تو کوڑے دان میں پھینک دیا کرو۔گھر والوں کو خیرات دان نہ کیا کرو۔
اس کے باوجود کہ گھر میں ایک تناؤ سا آ گیا تھا۔وہ اپنے مذہبی تہوار منانا کبھی نہ بھولتی۔ستائیسویں رمضان کو ساری رات نوافل پڑھتی۔اونچی آواز میں کلام پاک پڑھتی جب وہ قرآن پاک پڑھتی ڈیوڈ میری کو اٹھا کر باہر لے جاتا۔
اور تو اور وہ اپنی آمدنی میں سے زکوٰۃ بھی نکالنے لگ گئی تھی۔زکوٰۃ کا مسئلہ اس نے اسلامک سنٹر کے مولانا سے پوچھ لیا تھا انہوں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ مسلمان کسی بھی زمین پر رہے وہ مسلمان ہوتا ہے۔اس لیے وہ اپنی جائز آمدنی پر زکوٰۃ دینے کا مجاز ہوتا ہے تب سے وہ ایک رقم نکال کر الگ رکھ لیتی تھی۔۔۔۔۔۔ہسپتال میں جب کسی بھی ملک کی مسلم فیملی کو کوئی غریب مریض یا مریضہ آجاتی وہ اس کی مدد کر دیتی۔بلکہ بعض افریقی غریب مسلمان خاندانوں کو وہ باقاعدہ ڈالر بھیج دیا کرتی۔اس پر ڈیوڈ اور پاری کی لڑائی ہو جاتی۔حالانکہ وہ اسے بار بار سمجھاتی کہ یہ زکوٰۃ وہ اپنی ذاتی آمدنی میں سے نکال کر دیتی ہے۔مگر وہ اسے اس کی شاہانہ فطرت کی خود پسندی کہتا تھا۔۔۔۔
پہلے پہلے جب یہاں مقیم مسلمان خاندانوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ لوگ جمعے کی نماز پڑھنے اسلامک سنٹر جاتے ہیں تو اس کا دل بھی چاہا تھا اس نے ڈیوڈ سے پوچھا تھا ڈیوڈ نے کہا تھا۔۔۔۔۔
کیا کرلوگی وہاں جا کر۔۔۔۔۔۔گھر میں تو تم نے اسلامک سنٹر بنا ہی رکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔
پھر بھی وہ اس انتظار میں رہی۔کہ کسی جمعے کو اتنی فراغت مل جائے کہ وہ جمعے کی نماز پڑھنے اسلامک سنٹر چلی جائے۔
ایک جمعہ ایسا مل گیا اس رز اس نے مومی کو غرارا سوٹ پہنایا ایک چھوٹا سا دوپٹہ اوڑھایا اور خود بھی سفید سوٹ پہن کر چل دی۔۔۔۔۔۔مسجد میں بے شمار پاکستانی آئے ہوئے تھے۔عورتیں باقاعدہ اس طرح تیار ہو کر آئی تھیں

جیسے کہ میلہ دیکھنے آئی ہوں۔ خوب باتیں کرتی پھرتی تھیں خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔ جب جمعہ کی اذان ہوئی تو سب عورتیں اوپر والی منزل میں چلی گئیں۔ پاری بھی مومی کو لے کر ایک صف میں کھڑی ہو گئی۔ آج کوئی مصری امام مسجد نماز پڑھا رہے تھے۔ کیونکہ سنا تھا کے پاکستانی مولانا ایک ماہ کے لیے پاکستان گئے ہوئے تھے۔ دوران نماز تلاوتِ کلام پاک سن کر پاری کا دل تھرتھرانے لگا۔ اس کی کیفیت قلب ہی بدل گئی۔ یوں لگتا ایک ایک حرف اس کے دل پر گر رہا ہے۔۔۔۔۔۔اس پر گریہ طاری ہو گیا۔۔۔۔۔۔رب جلیل کا جلال اس کے اعصاب پر چھا گیا۔ اس نے عجیب کیفیت میں نماز پڑھی۔ مسلسل روتی رہی۔۔۔۔۔۔اگر چہ خطبہ عربی زبان میں ہوا تھا اور وہ عربی زبان سے نابلد تھی پھر بھی مولانا کے الفاظ اس کی سماعت سے یوں ٹکرا رہے تھے جیسے آفاق سے پھولوں اور کلیوں کی بارش ہو رہی ہو۔۔ اسے یوں لگا وہ اپنے مرکز سے بچھڑی ہوئی تھی۔ آج اچانک آ کر مل گئی ہے۔۔۔ پاس بیٹھی ننھی سی مومی کبھی اپنا چھوٹا سا دوپٹہ ٹھیک کرتی اور کبھی اپنی روتی ہوئی ماں کو دیکھ کر اس سے لپٹ جاتی۔۔۔ مولانا کے لہجے میں شہد گھلا ہوا تھا اور شہد سے سوز نکل رہا تھا۔۔۔۔۔۔وہ لرز رہی تھی اور کلام پاک میں ترجمے کے ساتھ پڑھی ہوئی یہ آیت اسے بار بار یاد آ رہی تھی۔

''اگر یہ قرآن ہم نے پہاڑوں و پر نازل کیا ہوتا تو وہ پھٹ جاتے ریزہ ریزہ ہو جاتے''

یہ تو رب العالمین کا کلام ہے۔ یہ تو دلوں پر نازل ہوتا ہے۔ دلوں کی کیفت بدل کے رکھ دیتا ہے، یہ ذہنوں پر نازل ہوتا ہے ذہن میں انکلاب آ جاتا ہے۔ یہ کلام رب ذوالجلال جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہن کی زبانی سنا تھا تو ان کی زندگی کا دھارا ہی بدل گیا تھا۔۔۔۔

جمیع مسلمان اس کلام ربانی پر غور کیوں نہیں کرتے۔۔۔۔۔۔؟

پاری ایک عجیب ہی کیفیت میں دوزانو بیٹھی تھی اور ننھی مومی اس کی گود پر چڑھی ہوئی تھی۔ جب ایک عورت نے اسے بلایا جلایا۔۔۔۔۔اور کہا۔۔۔۔۔۔نماز ختم ہو گئی ہے سب نیچے چلے گئے ہیں۔ پاری نے آنکھیں صاف کر کے ادھر ادھر دیکھا، واقعی سب لوگ باہر سبزہ زار میں چلے گئے تھے مگر وہ پتہ نہیں کہاں پہنچ گئی تھی۔ اسے یاد بھی نہیں تھا کہ اس نے دعا میں شمولیت بھی کی تھی یا نہیں۔۔۔۔۔یا پھر کیا دعا مانگی تھی۔

آپ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے اسی عورت نے پوچھا۔۔۔۔۔آپ کیوں اتنا رو رہی ہیں؟

پاری چونک گئی کھڑی ہو گئی۔ دوپٹہ ٹھیک کیا۔ مومی کی انگلی پکڑی۔۔ باہر کو چلی۔۔ ذرا سا مسکرا کے بولی۔

کچھ نہیں۔۔۔۔۔

وہ کیا کہتی۔۔۔۔۔۔کیا کہتی وہ۔۔۔۔۔آج اتنے دنوں کے بعد خدا کے گھر آئی۔۔۔۔۔۔۔تو خدا دل میں آ بیٹھا۔۔۔۔۔اس کے آنے کا انداز یہی ہے زبان گنگ ہو جاتی ہے اور آنسو زبان بن جاتے ہیں اللہ کو محسوس تو دل سے کر لیا جائے مگر زبان سے کیسے بتایا جائے۔۔۔۔۔۔آنکھوں میں کیسے دکھایا جائے۔۔۔۔۔۔اسے آنسوؤں میں ہی دکھایا جاتا ہے وہ اپنے کلام میں بول رہا تھا۔ مولانا کے لب و لہجہ اور لحن میں بول رہا تھا۔ مسجد کے ممبر پر بیٹھا ہنس رہا تھا۔ رکوع میں تھا سجود میں تھا۔

وہ کیسے بتاتی اس کا مسئلہ کیا تھا۔

وہ چہرہ دوپٹے سے صاف کر کے باہر آ گئی۔ سب عورتوں سے اس کا تعارف ہوا۔ کچھ عورتیں اس کی سہیلیاں بھی بن گئیں۔۔۔۔۔۔کچھ معلومات بھی اس نے حاصل کیں۔۔۔۔۔۔

آج وہ اپنے سامنے تھوڑی سی سرخرو لگ رہی تھی۔

جب وہ اپنی کار نکالنے جا رہی تھی اور مومی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی کچھ عورتیں اس کے پیچھے پیچھے بولتی آ رہی تھیں۔

ایک عورت نے آواز آہستہ کر کے پوچھا۔۔۔۔۔۔

یہ کون ہے پہلی دفعہ دیکھی ہے۔

دوسری بولی۔۔۔۔۔لیڈی ڈاکٹر ہے۔ چلڈرن ہسپتال میں اس کی بڑی شہرت ہے۔

تیسری بولی۔۔۔۔۔بڑی غمزدہ لگتی ہے۔۔۔۔۔نماز میں مسلسل روتی رہی ہے۔۔۔۔۔۔

ارے تمہیں نہیں معلوم۔۔۔۔۔۔ایک چوتھی آواز ان میں آ کے شامل ہوئی۔۔۔۔۔۔۔اس نے ایک عیسائی آدمی سے شادی کی ہوئی ہے۔

اچھا۔۔۔۔۔؟ حیرت بلند ہوئی۔

یہ دونوں میاں بیوی پاکستان سے آئے تھے؟

اچھا۔۔۔۔۔۔کب کب۔۔۔۔۔۔کیسے۔۔۔۔۔۔۔کیسے۔۔۔۔۔۔

تو کیا یہ ابھی تک مسلمان ہے۔۔۔۔۔۔

لو اور سنو عیسائی ہوگئی ہے۔اس کے ساس سسر بھی اس کے پاس آ کر رہتے ہیں۔
جب عیسائی ہوگئی ہے تو یہاں کیا کرنے آئی ہے۔
ڈرامہ کرنے ۔۔۔۔۔۔اس پر ساریاں کھلکھلا کے ہنس دیں۔۔۔۔۔۔۔
ان کے ہنسنے پر پاری نے مڑ کر انہیں دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔ساری ایک دم چپ ہوگئیں۔۔۔۔۔۔پاری نے کار کے پاس پہنچ کر دروازہ کھولا مومی کو پیچھے اپنی کرسی میں فٹ کیا خود آگے آ کر کار اسٹارٹ کر دی۔۔۔اس کے بعد وہ اسلامک سنٹر کبھی نہیں گئی۔جو کچھ اسے حاصل ہوگیا تھا وہ اسے گنوانا نہیں چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔
چلڈرن ہسپتال کے ساتھ اس کا دس سال کا کنٹریکٹ ہوا تھا۔آٹھویں سال اسے گھر بنانے کا خیال آ گیا۔ایک دن ڈیوڈ سے بولی۔
ڈیوڈ!میرا دل چاہتا ہے میں ایک بہت خوبصورت گھر بناؤں جو میرا اپنا گھر ہو۔
بنا سکتی ہو تم شہر کی امیر ترین عورت ہو۔ڈیوڈ طنزیہ انداز میں بولا۔
ڈیوڈ پلیز۔۔۔۔۔۔۔میرا مذاق نہ اڑاؤ۔مجھے مشورہ دو کیا تمہارا دل نہیں چاہتا ہمارا اپنا گھر ہو۔۔۔۔۔
میرا دل کیا نہیں چاہتا مائی ڈیئر لیڈی۔۔۔۔۔۔اپنا گھر ہو،دو چار بچے ہوں آسودہ بڑھاپا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔
فی الحال تم گھر والی شق پر غور کرو۔پاری بولی۔اگلے سال چلڈرن ہسپتال سے میرا کنٹریکٹ ختم ہو جائے گا بہت سے ہسپتالوں سے مجھے آفرز آئی رہتی ہیں۔میرا خیال ہے اس گھر سے ہمیں اپنے ہی گھر جانا چاہیے۔
خیال تو اچھا ہے ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔۔۔
تو پھر کس کالونی میں گھر خریدیں۔خرید کر اسے اپنی مرضی کے مطابق بنالیں گے۔
ٹھیک ہے نا؟پاری بولی۔
کیا کرو گی شاندار گھر بنا کے۔۔۔۔۔۔۔تمہیں گھر میں رہنے کی فرصت ہے۔۔۔۔۔؟ڈیوڈ نے کہا۔
ڈیوڈ سب کام کرنے والے اس طرح کام کرتے ہیں۔مگر میں تو گھر اپنے بیٹی کے لیے بنانا چاہتی ہوں میں چاہتی ہوں اس کے جوان ہونے تک میں دنیا کی ہر نعمت اس کیلئے اکٹھی کروں اسے کبھی تکلیف نہ ہو،پاری بولی۔
کیا یہ کسی بات کا ردعمل ہے۔۔۔۔۔۔؟ڈیوڈ کا لہجہ اکھڑا ہوا تھا۔
ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔جو لوگ اپنے بچوں کے لیے جائیدادیں بناتے ہیں کیا ان پر کوئی ردعمل ہوتا ہے۔
ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔جو انہیں نہیں مل پاتا اپنی اولاد کے لیے حاصل کر لیتے ہیں۔
تو کیا یہ برا ہے اگر دنیا میں ہوتا آتا ہے تو ہم بھی کر سکتے ہیں کیوں نہیں؟
یہ جو کچھ میں کما رہا ہوں میری بیٹی کا ہے نا۔۔۔۔۔۔؟
پاری!تم بہت ہوشیار ہو،ڈیوڈ بولا۔تم بہت سی چیزوں پر بہت سے پردے ڈالتی رہتی ہو۔
کیسے پردے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔؟
حقیقت یہ ہے کہ تم مجھ سے شادی کر کے پچھتا رہی ہو۔اس پچھتاوے کو زائل کرنے کے لیے بے تحاشہ کام کرتی ہو۔خوب پیسہ کماتی ہو اور اب ایک عالیشان گھر بنانے کے کئی جواز مہیا کرنا چاہتی ہو۔
نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔یہ محض تمہارا خیال ہے گھر کی تمنا ہر غریب،امیر عورت کے اندر ہوتی ہے گھر اس کی اور اس کے بچوں کی سیکیورٹی ہوتا ہے تم ہمیشہ نیت پر شک کرتے ہو۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں کیوں۔۔۔۔۔؟
پاری تم نے ابھی تک مجھے معاف نہیں کیا۔۔۔۔۔۔؟تم مجھ سے اجتناب برتنے لگی ہو۔
نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔یہ اجتناب نہیں ہے۔۔۔۔۔۔یہ ایک رویہ ہے،زندگی گزارنے کا۔۔۔۔۔۔اور تم نے کیا ایسا کیا ہے کہ میں نے تمہیں معاف نہیں کیا۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 55

میں نے تمہیں شادی کے لیے مجبور کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔
مگر اس میں میری مرضی بھی تو شامل تھی۔
شاید وہ جذبہ وقتی تھا۔
وقتی ہوتا تو میں تمہیں چھوڑ کر چلی گئی ہوتی۔ آخر جبر کیا تھا۔
ہوسکتا ہے بیٹی کی مجبوری ہو۔۔۔۔۔۔۔۔
ہاں اولاد بڑی سچائی ہے مگر آدمی کو اپنے فیصلوں کا احترام کرنا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔۔
میں نے تم سے کہا مجھے ایک اور بچہ چاہیے تم نہیں مانتیں۔۔۔۔۔۔ تم اپنا حلیہ دیکھو۔۔۔۔۔۔ تم میرے لیے اپنا حلیہ درست نہیں رکھتیں۔ تمہارے بال کتنے خوبصورت تھے تم نے میرے منع کرنے کے باوجود کٹوا دیئے ۔۔۔۔۔۔۔ اب تمہارے بالوں میں سفیدی آنے لگی ہے تم نے اپنی عمر سے بڑی نظر آنے لگی ہو۔ میرے کہنے پر تم بال نہیں رکھتیں۔ بن ٹھن کے نہیں رہتیں۔ تم مجھے اذیت پہنچا کر خوش ہوتی ہو۔
پاری بے اختیار ہنسنے لگی۔۔۔۔۔۔ ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔ تم ایک اچھے سکرپٹ رائٹر ہو۔ اپنے پاس سے ہر منظر لکھ لیا میرے پیشے کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔ میں لمبے بال نہیں رکھ سکتی۔ بال ڈائی کروانے کا وقت نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ پھر یہاں کے پانی سے میرے بال دھڑا دھڑ اتر رہے تھے۔ میں نے شارٹ کروائے۔ کہاں وقت ہے میرے پاس بیوٹی پارلر جانے کا۔۔۔۔۔۔ سنگھار کرنے کا بن ٹھن کے رہنے کا۔۔۔۔۔ اس وقت کو میں کسی کی زندگی بچانے میں صرف کرنے چاہتی ہوں۔۔۔۔۔۔ بس یہاں آکر میرا زاویہ نظر بدل گیا ہے۔۔۔۔۔۔ شاید۔۔۔۔۔۔ شاید۔۔۔۔۔۔ والدین کی نافرمانی کرنے کا قلق مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں دنیا میں کچھ اچھے کام کر کے جاؤں ۔۔۔۔۔۔۔ کچھ اچھا کرتی رہوں۔ ڈیوڈ! یقین کرو بعض دفعہ تم بڑی دل آزاری کی بات کر جاتے ہو، میں برداشت کر لیتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔ تمہیں معاف کر دیتی ہوں شاید۔۔۔۔۔۔۔ میں نے اپنے آپ کو معاف نہیں کیا۔۔۔۔۔۔ شاید مجھے اندر ہی اندر کوئی احساس جرم رہتا ہے۔۔۔۔۔۔ اب بتاؤ اس میں میرا کیا قصور ہے؟
نہیں پاری تم نے مجھے معاف نہیں کیا۔۔۔۔۔۔۔ تم مجھے بھی سزا دے رہی ہو۔ تم نے گھر کے اندر اپنی ایک الگ سے دنیا بسالی ہے۔۔۔۔۔۔ تم نے جان بوجھ کر اپنے پیشے سے عشق کیا تھا کہ میں رقابت میں مرتا رہوں، مجھے کہیں پیچھے چھوڑ دیا۔۔۔۔۔۔ اب مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی ہو۔۔۔۔۔۔
میں معافی چاہتی ہوں ڈیوڈ! اگر تمہیں کوئی ایسا تاثر ملا۔۔ لیکن کچھ چیزیں میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ میں واقعی اس دنیا سے دور ہوگئی ہوں۔ شاید تمہیں بیویوں والا سکھ نہیں دے سکی ڈیوڈ۔۔ نہ جانے مجھے کیا ہوگیا ہے۔۔۔۔
ڈیوڈ! اگر تم سمجھتے ہو کہ میں اچھی بیوی نہیں ہوں۔ اور تمہیں مجھ سے بہتر بیوی مل سکتی ہے تو میں۔۔۔۔۔۔
واہ واہ۔۔۔ کیا بات ہے ڈیوڈ زور سے ہنسا۔۔ اب علیحدہ ہونے کا مشورہ دے کر تم کوئی نئی سخاوت کرنا چاہتی ہو۔ ڈیوڈ میری ہر آفر کو غلط نہ سمجھو۔۔۔۔۔۔۔۔
ہاں ہاں میں ہی غلط سمجھ رہا ہوں۔ اب تم ایک امیر عورت ہو۔ مجھ سے زیادہ کما رہی ہو۔ ایک شاندار گھر بنا سکتی ہو ۔۔۔۔۔۔ کسی مسلمان سے شادی کر کے اپنی غلطی کی تلافی بھی کر سکتی ہو۔۔۔۔۔۔ میں جانتا تھا ایسا ایک دن آئے گا۔۔۔۔۔۔ ضرور آئے گی۔۔۔۔۔۔ وہ کھڑا ہوگیا اور غصے سے ٹہلنے لگا۔
ڈیوڈ مجھ سے قسم لے لو۔۔۔۔۔۔ قسم لے لو۔۔۔۔۔۔ جو میں نے کبھی ایسا سوچا ہو۔ وہ تو آج تمہاری گفتگو سن کے میں نے یہ کہہ دیا ہے۔۔۔۔۔۔
مگر یہ بات میری طرف سے بھی سن لو۔۔۔۔۔۔ ڈیوڈ پھنکارتا ہوا بولا۔۔۔۔۔۔ اتنی آسانی سے میں تمہیں آزادی دینے والا نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔ سمجھیں تم۔۔۔۔۔۔ یوں بھی میری ممی نے مجھے قسم دی تھی۔۔۔۔۔۔ اور میں اپنی ماں کی قسم کا احترام آخری دم تک کروں گا۔
کیا قسم دی تھی میں بھی تو سنوں۔۔۔۔۔۔ پاری بولی۔۔۔۔۔
بس اب بات کو نہ بڑھاؤ۔۔۔۔۔۔ یہیں ختم کر دو۔ ڈیوڈ زچ ہو کر بولا۔۔۔۔۔۔
ڈیوی! دنیا میں سارے میاں بیوی لڑتے ہیں۔ جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا یہ بہت نیچرل ہے ہماری تو ایسی کوئی لڑائیاں نہیں ہوتیں۔۔۔۔۔۔۔۔
ہاں تم لڑتی نہیں ہو۔ مجھے خاموشی کی مار دیتی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ کئی کئی دن چپ کر کے گزار دیتی ہو۔
تلخ کلامی سے بہتر ہے آدمی چپ رہے۔
تم نے بھی ذہنی طور پر مجھے قبول نہیں کیا۔۔۔۔۔ تم لوگ ہم لوگوں کو حقیر سمجھتے ہو، اس لیے۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ! پاری بولی، یہ تم لوگ اور ہم لوگ کون ہوتے ہیں، مجھے بتاؤ تو سہی۔۔۔۔۔۔

بتاؤں گا تو سیخ پا ہو جاؤ گی۔۔۔۔۔۔۔
ہاں میں بھی اس کے آگے کوئی اور حوالہ دوں گی تو تم بھی سیخ پا ہو جاؤ گی اور کہنے لگو گے دنیا بھر کی ذہانت تمہاری میراث نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔
اچھا۔۔۔۔۔۔۔میں ذرا باہر جا رہا ہوں ڈیوڈ بولا، اس بک بک نے سر چکرا دیا ہے۔
تم بھی تو اب وقت بے وقت باہر وقت گزارنے لگے ہو ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔پاری نے کہا میں نے تم سے کبھی پوچھا ہے تم کہاں جاتے ہو۔۔۔۔۔۔۔؟
پوچھ کر بھی کچھ حاصل نہ کر سکو گی۔تمہارے پاس میرے لیے چھٹی کا وقت بھی نہیں ہوتا تو پھر۔۔۔۔۔۔مجھے کہیں نہ کہیں تو وقت گزارنا پڑتا ہے۔۔۔۔۔۔
جلدی ہی پاری کو احساس ہو گیا کہ ڈیوڈ نے اپنی ایک کولیگ سے دوستی گانٹھ لی ہے۔جب کبھی لڑائی ہوتی وہ اٹھ کر اس کے ہاں چلا جاتا اور پھر رات کو بھی دیر سے آتا۔۔۔۔۔۔۔
روزلین کا نمبر پاری نے ڈیوڈ کی ڈائری سے تلاش کر لیا تھا اور ایک دن جب وہ لڑ جھگڑ کر گھر سے نکل گیا تھا ۔۔۔۔۔۔ایک گھنٹے بعد پاری نے روزلین کے گھر فون کر کے اسے دریافت کر لیا تھا۔۔۔۔۔۔
وہ گھر آ کے بولا تھا اب تم نے بیویوں والے حربے شروع کر دیے ہیں مجھ پر چھاپے مارنے لگی ہو۔
ہاں۔۔۔۔۔تا کہ تم سمجھ سکو کہ میں تمہیں شوہر سمجھتی ہوں اور تم پر اپنا استحقاق جتاتی ہوں۔
وہ بس میری دوست ہے۔۔۔۔۔۔۔اور کوئی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔
میں نے کب کہا کہ اور کوئی بات ہے۔۔۔۔۔۔۔اگر اور کسی بات کی ضرورت سمجھو تو وہ بھی پوری کر لینا۔۔۔۔۔۔
تو کیا مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔۔؟بڑی خوش فہم ہو۔۔۔۔۔بڑا احساس برتری ہے تمہیں۔
ڈیوڈ میں تو مذاق کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔یونہی چھیڑ رہی تھی۔
تم جو سارا دن دوسرے ڈاکٹروں کے ساتھ رہتی ہو اکثر ان کے فون آئے رہتے ہیں میں نے کبھی شک کیا تم پر۔؟
جب شوہر اپنی بیوی کے مزاج کو سمجھتا ہو تو پھر اس پر شک نہیں کر سکتا۔
اس بات کا اطلاق بیوی پر نہیں ہوتا؟
ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔اول تو تمہیں روزلین کے بارے میں مجھے خود بتا دینا چاہیے تھا۔اب جب میں نے پوچھا ہے تو برا نہیں ماننا چاہیے تھا۔۔۔۔۔۔۔
نہ جانے کیسے اور کس طرح روزلین ان کے درمیان آ گئی۔۔۔۔۔۔۔
یہ قصہ یاد آتے ہی پاری کا سارا مزاج بدل گیا۔عجیب طرح کے دکھ نے اس کو گھیر لیا۔اسی وقت وہ مین روڈ سے اتر کر اپنے گھر والی سڑک میں داخل ہوئی تھی دور سے اس کا خوبصورت گھر خوابوں کی نگری کی طرح نظر آ رہا تھا ۔۔۔۔۔۔صبح بالکل سفید ہو چکی تھی دور جہاں دور چار سرخ نیزے ابھرتے وقت۔۔۔۔۔۔وہ جگہ بھی اب سفید نظر آ رہی تھی۔اس نے کار کا ریڈیو آن کر دیا۔اطلاع مل رہی تھی کہ آج سات بجے برفباری ہو گی۔۔۔۔۔۔۔
سارا منظر دھندلا دھندلا ہوتا جا رہا تھا شکر ہے وہ گھر کے نزدیک پہنچ گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔مگر اسے اپنے آپ پر بہت غصہ تھا۔پتہ نہیں سفر کرتے وقت وہ اپنے ذہن کا کمپیوٹر کیوں آن کر دیتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔کبھی کبھی لاشعور کے اندھیرے میں پڑی ڈسکیں قریب آ جاتی تھیں۔۔۔۔۔۔۔کچھ بھی یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔مگر سفر میں یادیں گروبنی ساتھ ساتھ دوڑنے لگتی تھیں۔
پاری کی موٹر جب اپنے گیٹ کے اندر داخل ہوئی صبح کا سنہری مکھڑا دودھیا ہو چکا تھا۔گویا برف باری کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔گاڑی پورچ میں رکی تو غلام رسول نے دوڑ کر دروازہ کھولا۔سلام کیا۔۔۔۔۔۔
تھکی ہاری، پری اتر کر اندر چلی گئی۔اس نے گاڑی میں سے پاری کا سامان نکالا پھر گاڑی کو گیراج میں کھڑی کر کے اندر آ گیا۔
پاری نے اپنے کمرے میں جانے سے پہلے مومی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا وہ بے سدھ سو رہی تھی ویسے اس نے سہیلی کے گھر سے آ کر پاری کو اس کے موبائل پر فون کر دیا تھا۔
پاری اپنے کمرے میں گئی منہ ہاتھ دھویا۔ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے اور لاؤنج میں آ گئی اوپر والے لاؤنج میں اس نے ایک جھولا رکھا ہوا تھا جس کے سامنے شیشے کی کھڑکیاں تھیں اور باہر کا منظر اچھی طرح نظر آتا تھا۔جب کبھی چمکیلی دھوپ نکلتی یہاں بیٹھ کر پاری سن باتھ کا مزہ لیتی اور جب برف باری کا موسم شروع ہوتا تو یہیں بیٹھ کر آسمان سے چاندی کے پھول گرتے دیکھا کرتی تھی۔
آج بھی پاری آ کر اپنے جھولے پر بیٹھ گئی۔اس کے آتے ہی غلام رسول نے گرم پانی کا ایک ٹب اس کے پاؤں تلے رکھ دیا بس غلام رسول کو پاری نے ایک بار ہی سمجھایا تھا۔کہ جب ساری رات وہ آپریشن تھیٹر میں گزار کر آتی

ہے تو اس کے پاؤں تھک جاتے ہیں وہ نیم گرم پانی میں نمک ملا کر اس کے پاؤں تلے رکھ دیا کرے آج تک غلام رسول یہ کام نہیں بھولا تھا۔

پاری نے گرم پانی میں پاؤں ڈالے تو اس کے اعصاب میں ایک نشہ آور تازگی دوڑ گئی۔۔۔۔۔۔اس نے ٹیک لگا کے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ کو ڈھیلا ڈھالا چھوڑ دیا پوری طرح ریلیکس ہونے کے لیے۔۔۔۔۔۔

غلام رسول گرم گرم چائے کا پیالہ لے کر آ گیا۔اس نے تپائی آگے کر کے اس پر چائے رکھ دی۔پاری نے آنکھیں کھول کر دیکھا مسکرائی اور بولی۔

غلام رسول تم اس گھر میں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہو۔تم نہ ہوتے تو خدا جانے میرا کیا حال ہوتا۔۔۔۔۔۔؟

کیا حال ہوتا۔۔۔۔۔۔؟

باجی جی آپ بھی اس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہیں۔غلام رسول نے کہا اور پشت کی طرف سے آ کر پاری کے کندھے ہولے ہولے دبانے لگا۔۔۔پاری کو بہت اچھا لگا اس نے ٹیک لگا کے آنکھیں موند لیں۔۔۔۔۔۔

چائے میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔

کچھ لوگوں کا خمیر ہی ایسی مٹی سے اٹھتا کہ وہ کسی چھوٹی سے نیکی کو بھی فراموش نہیں کر سکتے۔اس میں غریب یا امیر کی تخصیص نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔

پاری نے غلام رسول کو اقبال بھائی کے پاس رکھوا دیا تھا پورے پانچ سال غلام رسول ان کے ہاں رہا۔جب بہت سے پیسے اکٹھے ہو گئے تو پاکستان چلا گیا جن دنوں پاری اپنا نیا گھر بنوا رہی تھی اسے ایک خط ملا۔۔۔۔لکھا تھا۔

باجی جی: السلام وعلیکم،

میں ہوں آپ کا چھوٹا بھائی غلام رسول مجھے پاکستان آئے ہوئے اٹھارہ ماہ ہو گئے ہیں۔میں نے ماں کا سارا قرضہ اتار دیا ہے ماں نے میری شادی کر دی ہے۔اب میں ایک بچی کا باپ ہوں۔میں نے یہاں آ کر بہت سے کام سیکھے ہیں۔ایک فائیو سٹار ہوٹل میں ملازمت کر کے سارے کھانے پکانے سیکھے۔پھر ایک ڈرائیونگ سکول میں داخل ہو گیا کار چلانا سیکھی اور دو مہینے تک کرائے کی ٹیکسی چلاتا رہا۔پھر ایک لانڈری میں ملازم ہو گیا۔مشین میں کپڑے دھونا ڈرائی کلین کرنا اور استری کرنا سیکھا۔اس کے بعد ایک ہائی کلچر سوسائٹی میں ایک ماہ کام کیا مجھے پودوں کی دیکھ بھال کرنا آ گئی ہے۔

باجی جی یہ سب کچھ میں نے آپ کی خاطر سیکھا ہے کیونکہ پانچ سال وہاں رہ کر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میری باجی کی خدمت کس طرح ہو سکتی ہے آپ بہت محنت کرتی ہیں آپ کو میرے جیسے ملازم کی ضرورت ہے جو گھر کا ہر کام کرنا جانتا ہو۔میں نے آتے ہوئے اقبال بھائی سے کہہ دیا تھا اب میں ان کا کام نہیں کروں گا باقی ساری زندگی اپنی باجی جی کی خدمت میں گزار دوں گا۔میں نے ٹکٹ خرید لیا ہے میں انشاء اللہ اگلے مہینے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔

UrduPoint.com

آپ مجھے دھکے بھی دے کر نکالیں گی تو میں کہیں اور نہیں جاؤں گا۔

میری ماں آپ کے لیے بہت دعائیں کرتی ہیں چھوٹی باجی کے لیے دعا پیار۔

والسلام

ناچیز بندہ غلام رسول

جسے آپ نے اپنا چھوٹا بھائی بنایا تھا۔

پاری یہ خط پڑھ کر کافی دیر تک ہنستی رہی۔اس نے ڈیوڈ کو بھی خط پڑھ کے سنایا۔حیران بھی ہوئی کہ غریب لوگوں میں کتنی مروت ہوتی ہے۔عجیب اتفاق یہ ہوا کہ ابھی نئے گھر میں شفٹ ہوئے پاری کو ایک ہفتہ اور تھا کہ غلام رسول آ گیا۔

اس مرتبہ غلام رسول کا آنا پاری کو بہت اچھا لگا۔کیونکہ اتنے بڑے گھر کو سنبھالنے کے لیے پاری کو ہفتے میں دو ہیلپرز کی ضرورت تھی۔۔۔۔۔۔۔غلام رسول کے لیے پاری نے بطور خاص گیراج کے اوپر ایک کشادہ کمرہ بنوا دیا وہ کہتا رہا کہ وہ گیراج میں سویا کرے گا مگر پاری نے کہا تم میرے بھائی بن کر آئے ہو۔تمہارا شاندار کمرہ بنے گا۔کمرے کے ساتھ ایک باتھ روم اور لانڈری بھی بنا دی۔کمرے کے اندر ضرورت کی ہر چیز تھی فریج۔ٹی۔وی، ہیٹر ائیر کنڈیشنر۔۔۔۔۔۔۔

اندر ایک انٹر کام بھی تھا۔جب کوئی گھر پر نہ ہوتا وہ فون کر کے پیغامات وصول کر لیتا تھا۔اب غلام رسول بہت ہوشیار ہو گیا تھا انگریزی بھی بول لیتا تھا۔

''باجی جی چائے ٹھنڈی ہو جائے گا''۔۔۔۔۔۔۔

اس نے کندھے چھوڑ دیئے۔۔۔۔۔۔۔۔پاری سیدھی ہو گئی اور چائے اٹھا کے گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔۔۔۔۔۔

غلام رسول اس کے لیے ناشتہ بنانے چلا گیا۔غلام رسول سارے گھر کا مزاج دان ہو گیا تھا۔اسے معلوم تھا کون کس دن کیا ناشتہ کرنا پسند کرتا ہے۔غلام رسول پاکستان سے جاتے وقت اپنی دو سفید وردیاں سلوا کے لے گیا تھا۔کام کے دوران وردی پہنے رہتا۔عام حالات میں نیلی جینز اور رنگ برنگے لفظوں والی ٹی شرٹ پہنا کرتا تھا۔اس نے اپنا ایک شیڈول بنا کے رکھا ہوا تھا۔سوموار کے روز وہ گھر کی صفائی کیا کرتا۔اور بستر کی چادریں بدل لیتا۔منگل وار کو مشین چلا کے گھر بھر کے کپڑے دھو دیتا۔بدھ وار کو سارے کپڑے استری کر کے ہر ایک کی وارڈ روب میں پہنچا دیتا۔جمعرات کو باہر لان میں گھاس کاٹتا پودے صاف کرتا اور سوئمنگ پول کی صفائی کرتا۔جمعے کے پہلے پہر وہ چھٹی کرتا اپنا کمرہ صاف کرتا اپنے کپڑے دھوتا۔نہا دھو کر نزدیک والی مسجد میں نماز پڑھنے چلا جاتا۔۔۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 56

ہفتے کے روز گروسری لینے چلا جاتا اور ہفتہ بھر کی چیزیں لے آتا۔۔۔۔۔۔اتوار کے روز ہر ایک کی فرمائش پر نئے نئے پکوان پکا کے کھلاتا اور سب گھر والوں کے ساتھ انجوائے بھی کرتا۔ ویسے وہ ہر رز شام کو تازہ کھانا پکاتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سارے گھر والے رات کے کھانے پر اکٹھے ہوتے ہیں۔ پاری اور ڈیوڈ دونوں کو دعوت پارٹیاں کرنے کا بہت شوق تھا۔ان کی ڈنر پارڈیاں مشہور بھی بہت تھیں چاہے وہ سو مہمان بلا لیتے مگر سارا کھانا غلام رسول ہی تیار کرتا اس نے بیکری کا کام بھی سیکھا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔وہ کبھی باہر سے کیٹرنگ نہیں کروانے دیتا چاہے اسے ساری ساری رات پکانا پڑے۔ یہ ذمہ داری وہ اپنے کاندھوں پر اٹھالیتا تھا۔

ڈیوڈ اس کی اس عادت کو بہت پسند کرتا تھا پاری بھی تو بڑے شوق سے اس کا تعارف کرواتی تھی۔

"He is my younger brogher"

اس تعارف پر ہی وہ جھک جھک جاتا کہتا۔

باجی ہم تو کمی کمین ہیں۔آپ نے ہمیں بھائی کہہ کر عزت بخش دی۔

شروع شروع میں مومی کو اس کا نام بلانے میں دقت ہوتی تھی اس لیے پاری نے اسے سکھایا کے غلام رسول تمہارا ماموں ہے۔اسے ماموں کہا کرو۔ماموں اس کی زبان پر چڑھ گیا۔تھوڑے عرصے میں مومی نے دیکھا کہ اس کی عمر کی لڑکیاں اور لڑکے بڑوں کو انکل بلاتے ہیں تو وہ ازخود ماموں انکل کہنے لگ گئی۔اس پر سب بہت ہنسا کرتے تھے۔رفتہ رفتہ مذاق مذاق میں سب ہی اسے ماموں انکل کہنے لگ گئے۔

مومی جب بڑی ہوگئی اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ ماموں کا مطلب بھی انکل ہوتا ہے تب بھی اس نے ماموں انکل کہنا نہ چھوڑا۔۔۔۔۔کہتی تھی مجھے ماموں انکل کہنا اچھا لگتا ہے اور غلام رسول بھی کہتا تھا اس غلطی کو درست نہ کیا جائے یہ منفرد اور انوکھا نام ہے۔

غلام رسول ہر دو سال کے بعد پاکستان جاتا تھا کبھی کبھی پاری کہتی۔۔۔۔۔۔۔

اب تمہارے بچے ہو گئے ہیں غلام رسول۔۔۔۔۔۔۔اپنے بیوی کو یہاں لے آؤ تو وہ کہتا۔۔۔۔۔۔۔

نہ باجی جی۔۔۔۔۔۔ہماری عورتیں گاؤں میں ہی ٹھیک رہتی ہیں۔دوسری جگہ جا کر سر درد بن جاتی ہیں۔میں اسے پیسے بھیج دیتا ہوں اب تو گھر بنا کے دے آیا ہوں بس میں نے اسے تاکید کر دی ہے بچوں کو ضرور پڑھائے۔

یہ تم نے اچھا کیا غلام رسول۔

باجی جی میری بیٹی ہے وہ اب نویں جماعت میں ہے۔تینوں چھوٹے ہیں وہ بھی پڑھ رہے ہیں۔بیٹیوں کو خوب پڑھاؤں گا بیوی آنے کی ضد تو کرتی ہوگی۔

کرتی تو ہے باجی جی۔۔۔۔۔۔۔مگر میں نے زندگی آپ کی خدمت میں گزارنی ہے۔۔۔۔۔۔۔وہ یہاں آ کر مجھے کام نہیں کرنے دے گی۔۔۔۔۔۔ہاں جب میرا بڑا بیٹا میٹرک کر لے گا تو اسے یہاں لے آؤں گا۔۔۔۔۔۔چھوٹی باجی کی خدمت کے لیے۔۔۔۔۔۔۔

غلام رسول تمہاری باتیں مجھے حیران کر دیتی ہیں اب ایسے لوگ ہیں۔نسل در نسل خدمت کرنے والے۔۔۔۔۔۔

باجی جی۔۔۔۔۔۔ہمارے بابا کہا کرتے تھے جس کا نمک کھائیں،اس پر قربان ہو جائیں۔

نہیں غلام رسول اب ایسے لوگ پیدا ہونے بند ہو گئے ہیں،بس تم ہی ایک نشانی ہو۔

باجی جی!میرے بچے بھی ایسے ہوں گے جی۔۔۔۔۔۔آزما کے دیکھ لینا۔

ایسے لمحوں میں پاری سوچا کرتی۔۔۔۔۔۔باری تعالیٰ نے اس پر کتنا کرم کیا ہے۔۔۔۔۔

پردیس میں غلام رسول جیسا مددگار مل گیا ہے۔گھر آتے ہی اس کی ساری تھکن اتر جاتی تھی۔

غلام رسول نے ناشتہ بنا کے اس کے آگے رکھ دیا اور اس کے پاؤں کے نیچے سے ٹب نکال لیا اب پانی بھی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔

پاری نے دو تین نوالے کھائے۔۔۔۔۔۔۔۔پھر ہاتھ اٹھالیا۔۔۔۔۔۔۔باہر باقاعدہ برف باری شروع ہوگئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔یوں لگتا تھا جیسے روئی کے نازک نازک پھول زمین پر گرتے جا رہے تھے اور زمین ان کو سمیٹ کر ہنستی جا رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔وہ مسلسل برف باری کو دیکھا کرتی۔دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نثار ہوتی۔۔۔۔۔۔۔۔نہ جانے ایسا ہمیشہ کیوں ہوتا کہ برف کے دودھیا پھول زمین پر گرتے گرتے اس کے دل پر گرنے لگتے۔۔۔۔۔۔وہ ان کی ٹھنڈک اپنے اعصاب پر محسوس کرتی۔۔۔۔۔۔اور پھر ان پھولوں کے اندر سے ایک اداس اور سنجیدہ چہرہ ابھرتا۔۔۔۔۔۔اس کی سمجھ میں نہ آتا یہ چہرہ دل سے برآمد ہوتا ہے یا برفانی بوچھاڑ سے۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں کیوں برفباری میں اسے غزالی یاد آجاتے۔

ایک بار نیک نے اسے ڈانٹا تھا اور کہا تھا۔۔۔۔۔۔

پاری تمہیں اتنا عرصہ ہوا مجھے فون کرتے ہوئے تم گھنٹہ گھنٹہ بھر مجھ سے باتیں کرتی ہو تم نے کبھی غزالی کے بارے میں نہیں پوچھا۔ میں خود ہی بتا دیتی ہوں۔

نیک آپا جب آپ خود ہی بتا دیتی ہیں تو پھر میں کیا پوچھوں۔۔۔۔۔۔

تم بھی اس کی خیر خیریت پوچھا کرو۔ بلکہ اسے فون کیا کرو۔

شاید وہ مجھ سے ناراض رہتے ہوں گے۔

نہیں وہ ایسا نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ابو کی فوتیدگی کے بعد وہ اس گھر میں بیٹا بن کے رہ رہا ہے پہلے امی کا خیال رکھا کرتا تھا اب میرا اور میرے بچوں کا بہت خیال رکھتا ہے حالانکہ اب وہ بہت امیر آدمی بن چکا ہے۔ اس نے فیصل آباد میں ٹیکسٹائل فیکٹریاں بنالی ہیں۔ بہت مصروف ہو گیا ہے۔ مگر جب بھی لاہور آتا ہے تمہارے کمرے میں ٹھہرتا ہے۔۔۔۔۔۔

اس نے تمہارا کمرہ جو کا توں رکھا ہوا ہے ذرا شمار کرو کتنے سال ہو گئے ہیں، تمہاری تصویریں۔۔۔۔۔تمہاری کتابیں۔۔۔۔۔تمہاری چھوٹی چھوٹی چیزیں اٹھانے نہیں دیتا اس کا بس چلے تو بستر کی چادر بھی نہ بدلنے دے۔

روتے روتے پاری بولی۔۔۔۔۔۔

بس کرو آپا۔۔۔۔۔۔میں کس منہ سے اسے فون کروں۔۔۔۔۔۔

تم کم از کم اسے شادی کرنے پر تو مجبور کرو۔ ہم سب تو کہہ کہہ کر تھک گئے ہیں وہ میری بات مان لیں گے۔

تم کہہ کر تو دیکھو۔۔۔۔۔۔تم بات تو کرو اس سے۔۔۔۔۔۔تمہاری اس سے لڑائی تو نہیں۔۔۔۔۔۔

نہیں آپا۔۔۔۔۔۔مجھ پر تو ان کے احسان ہیں مگر شرمندگی کے مارے فون نہیں کرتی۔

میں تمہیں فیصل آباد دفتر کا فون دیتی ہوں ضرور بات کرنا۔

پاری نے نمبر لکھ لیا۔۔۔۔۔۔بہت دنوں کی سوچ بچار کے بعد پاری نے اپنی ہمت کو مجتمع کیا۔۔۔۔۔۔اور فون کر دیا۔

پاری نے نمبر ملایا۔۔۔۔۔۔مل گیا۔۔۔۔۔۔کسی نے ریسیور اٹھا لیا۔

پاری نے لرزتی ہوئی آہستہ سے آواز میں کہا۔۔۔۔۔۔ہیلو۔۔۔۔۔۔

ادھر سے کسی نے جھٹ کہا۔۔۔۔۔۔پاری۔۔۔۔۔۔کیسی ہو۔۔۔۔۔۔؟

جیسے کسی جادوگر نے آب حیات چھڑکا اور پتھر میں تبدیل ہو جانے والے انسان اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔۔۔۔

اس طرح پاری کے سارے جذبے جاگ اٹھے۔

کتنے عرصے کے بعد انہوں نے پاری کہا۔۔۔۔۔اور اپنے اسی انداز میں کہا۔۔۔۔۔۔

پاری پگھلنے لگی۔

کیسے بھانپ لیا کہ میں پاری ہوں، وہ بولی۔

ایک اندازہ غلط ہو گیا تو کیا اب سارے اندازے غلط ہوں گے یہ تم نے کیوں سوچ لیا پاری؟

پاری کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔۔۔۔۔۔وہ کمزور ہوتی جا رہی تھی پتہ نہیں دل میں کتنے غم پوشیدہ تھے۔ جو ایک ہی آواز سن کر چھلک جانا چاہتے تھے۔

میری نیک آپا سے بات ہوتی رہتی ہے پاری نے یونہی بات جاری رکھی۔ نیک آپا مجھے بتاتی رہتی ہیں۔۔۔۔۔

تمہاری بیٹی کی بہت باتیں بتاتی ہیں۔

ڈیوڈ کیسا ہے پاری کی خاموشی سے اکتا کر انہوں نے پوچھا۔

ٹھیک ہے وہ آہستہ سے بولی۔

سنا ہے تم بہت ہی مشہور و معروف ڈاکٹر بن گئی ہو۔ تمہارے چرچے پاکستان تک آ رہے ہیں۔ مجھے خوشی ہوتی ہے دنیا کے جنگل میں تم نے اپنے آپ کو گم نہیں کیا۔

آپ کی دعاؤں سے۔۔۔۔۔۔پاری کی آواز ٹوٹ گئی۔

میں تو کبھی دعا نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔وہ ہنسنے لگے۔ مجھے کیا پتہ دعا کیا ہوتی ہے۔

میں تو صرف تقدیر کا تابع ہوں۔۔۔۔۔۔

پاری کو خوف آنے لگا۔۔۔۔۔۔شاید وہ بات جاری نہ رکھ سکے۔ اس لیے جلدی سے بولی۔

غزالی آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟

یہ کوئی پوچھنے والی بات ہے۔۔۔۔۔۔؟

اب اس کا جواب کیا دے۔۔۔۔۔۔پاری کے بچ نکلنے کا کوئی رستہ نہیں تھا پھر بھی ہمت کر کے بولی۔۔۔

تنہا زندگی کیسے بسر کریں گے؟

UrduPoint.com

کس نے کہا میں تنہا ہوں کاش کہ تنہا ہو جاتا پھر شادی کرنا بھی آسان ہو جاتا۔۔۔۔۔۔

اُف۔۔۔۔۔۔۔پاری کی آنکھیں پھر چھلکنے لگیں۔۔۔۔۔۔۔۔ایسے آدمی کو کوئی کیا کہے۔۔۔۔۔۔زندگی کیسے گزرے گی۔۔۔۔۔۔۔۔؟وہ روئی روئی آواز میں بولی۔

لوگوں کو غلط فہمی سی رہتی ہے، جبکہ زندگی صرف گزرنے کے لیے ہوتی ہے کوئی تنہا ہو یا بھیڑ میں کھڑا ہو ۔۔۔۔۔۔۔کسی کا ہاتھ پکڑ رکھا ہو یا ہاتھ پھیلا رکھا ہو۔۔۔۔۔۔۔زندگی بسر ہوتی رہتی ہے۔۔۔۔۔۔۔اسے بسر ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔۔۔۔۔۔۔اور جب زندگی کا کام ہی بسر ہونا ہے تو پھر اس فکر میں مبتلا ہونا کہ کیسے بسر ہوگی، ایک لایعنی سا خیال اور بے معنی سا ملال ہے۔۔۔۔۔۔۔

پھر اس کے بعد اسے فون کرنے کی جرات نہ ہوئی۔وہ اس سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی بہت کچھ سننا چاہتی تھی مگر وہ تو راستے کا ایک ایسا نشان بنا کھڑا تھا میلوں چلنے کے باوجود آدمی جس تک نہیں پہنچ پاتا۔۔۔۔۔

بالکل ایسے جیسے پتہ نہیں لگتا اس برف باری کا ماخذ کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔؟

صاف ستھرے آسمان کو کب ڈھلک لیتی ہے۔کب نمودار ہو جاتی ہے، کیسے پھوہار بن جاتی ہے۔۔۔۔۔۔اوپر تو کچھ نظر نہیں آتا نیچے دودھیا سلوں کا ڈھیر لگتا جاتا ہے۔۔۔۔۔

وہ برف باری کو دیکھتی رہی۔۔۔۔۔۔۔سوچتی رہی۔۔۔۔۔۔۔

نہ جانے کب اس کے اعصاب ڈھیلے ہو گئے اور وہ گہری نیند سو گئی۔غلام رسول نے برتن اٹھا لیے اس کے کمرے میں سے کمبل لا کر اس پر ڈال دیا۔۔۔۔۔۔تھک ہار کے اس کے سونے کا یہی انداز تھا۔

یا اپنی ذات کو بھول جانے کا انداز یہی تھا۔

ڈیوڈ گھر داخل ہوا تو مومی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔۔۔۔۔۔اس کے لمبے لمبے بالوں نے ڈیوڈ کا گھراؤ کر لیا۔

پاپا۔۔۔۔۔۔۔جایئے میں آپ سے نہیں بولتی۔اس ہفتے بھی آپ ٹور پر چلے گئے۔

ارے۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے مومی کو اپنے پہلو میں سمیٹ لیا۔

بھئی میں تو ایک گرینڈ گالا ڈنر کا اہتمام کرنے میں مصروف تھا میری لاڈلی، اور پیاری اور انوکھی۔۔۔۔۔۔اور ذہین بیٹی نے گریجوایشن کر لی ہے اور پوری کلاس میں ٹاپ کیا ہے ہمارے تو خاندان کے لیے یہ بڑا اعزاز ہے بلکہ یہ اعزاز پورے پاکستان کا ہے۔

UrduPoint.com

مومی ہنسنے لگی۔

پاپا آپ بڑے چالاک ہیں۔

نہیں تو۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے جیب سے ایک کارڈ نکالا۔

دیکھو میں نے تمہاری کامیابی کو سیلی بریٹ کرنے کے لیے یہ کارڈ ڈیزائن کیا ہے۔۔۔۔۔۔

مومی کارڈ لے کر دیکھنے لگی۔

پاپا اس میں آپ نے یہ کیوں لکھا ہے کہ ہماری انیس سالہ بیٹی نے بڑے شاندار نمبروں میں گریجوایشن کر لی ہے ۔۔۔۔۔۔۔

تمہیں معلوم ہے اتنی چھوٹی عمر میں کم لوگ گریجوایشن کرتے ہیں۔میں نے ایک نئی طرز کا کارڈ بنایا ہے اگر تم پسند کرو تو کل چھپنے کو دے دوں گا۔ڈنر میں ایک ہفتہ رہ جائے گا۔

ان کی آواز سن کر پاری اپنے کمرے سے نکل آئی۔۔۔۔۔۔۔

کیا ہو رہا ہے مجھے بتائے بغیر چپکے چپکے۔۔۔۔۔۔

ماں دیکھو۔۔۔۔۔۔ماں دیکھو۔۔۔۔۔۔پاپا میری گریجوایشن کو سیلی بریٹ کر رہے ہیں۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 57

اب تک وہ دونوں میاں بیوی مومی کی سالگرہ کا جشن مناتے آئے تھے۔سال میں ایک مرتبہ ایک گرینڈ ڈنر ہوتا تھا اس مرتبہ انہوں نے سالگرہ کے جشن میں کامیابی کا جشن منانے کا فیصلہ کرلیا۔وہ تینوں بیٹھ کے پروگرام بنانے لگے پھر غلام رسول کو بھی شامل کیا گیا کیونکہ جب اپنے دوستوں اور مومی کی سہیلوں کی فہرست مرتب کی گئی تو پچانوے مہمان بن گئے۔

غلام رسول نے حامی بھر لی کہ وہ سارے مہمانوں کا کھانا حسب سابق خود ہی بنائے گا بس اسے مینیو سمجھا دیا جائے گا چاروں نے مل کے مینیو کارڈ کو فائنل کیا اور لاؤنج میں بیٹھ کے گپ بازی کرنے لگے۔

پاپا۔۔۔۔۔مومی بولی۔۔۔۔۔اب آپ یہ نوکری چھوڑ دیں جس میں آپ دو راتیں باہر رہتے ہیں آپ فرائی ڈے نائٹ کو جاتے ہیں اور سنڈے آفٹرنون میں آجاتے ہیں۔مجھے چھٹی کے دن آپ کا باہر رہنا اچھا نہیں لگتا۔

میری جان، اس نوکری پر مجھے تمہاری ماں نے لگایا ہے اس سے پوچھ اس نے کیوں ایسا کیا۔۔۔۔۔۔

ماما۔۔۔۔۔وہ پاری کی طرف مڑی۔۔۔۔۔آپ نے ایسا کیوں کیا۔۔۔۔۔؟

میں بتاتا ہوں، ڈیوڈ خود ہی بولا۔۔۔۔۔۔۔تمہاری ماں نے جب اپنا دائرہ پھیلایا تو اسے ہفتے اور اتوار کو بھی کام ملنے لگا وہ چونکہ خود گھر نہیں آتی تھی اس لیے مجھے بھی اس رستے پر لگا دیا۔

کیوں ماما۔۔۔۔۔۔۔مومی نے پوچھا۔

پاری خاموشی سے مسکراتی رہی۔

اچھا میری اپنی ماں کو غور سے دیکھو۔۔۔۔۔۔اور مجھے بھی دیکھو۔۔۔۔۔۔اور بتاؤ ہم دنوں میں سے زیادہ اسمارٹ اور زیادہ ینگ کون لگتا ہے۔

مومی غور سے دیکھنے لگی۔۔۔۔۔۔پھر بولی۔

پاپا، آپ ایک دم اسمارٹ، فٹ اور ینگ لگتے ہیں۔

ماما، آپ پاپا کے سامنے بوڑھی لگنے لگ گئی ہیں۔۔۔۔۔۔۔دیکھیں نا؟۔۔۔۔۔۔اس نے ماں کا چہرہ اوپر اٹھایا۔۔۔۔۔۔دیکھیں نا پاپا کو۔۔۔۔۔۔

ماما۔۔۔۔۔۔آپ اپنا خیال کیوں نہیں کرتیں۔۔۔۔۔۔

تیری ماما صرف ڈالروں میں پھنسی ہوئی ہے دیکھو اس کے سارے بال سفید ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔۔دیکھو اس کے ہاتھوں کی کھال کھنچ گئی ہے۔جب تمہاری ماں ہی اتنی اسمارٹ نہیں ہوگی تو میں چھٹی کے دن گھر آ کر کیا کروں گا۔

نہیں پاپا۔۔۔۔۔۔مومی بولی، میں یونیورسٹی جوائن کرنے سے پہلے ماما کو بیوٹی پارلر لے جاؤں گی۔فیس لفٹنگ کراؤں گی۔۔۔۔۔۔ایکسر سائز کرواؤں گی ان کے بال ڈائی کرواؤں گی اف بالکل اپ ٹو ڈیٹ کروں گی۔

پاپا پھر آپ گھر پر رہیں گے نا؟۔۔۔۔۔۔

ہاں بھئی۔۔۔جس کی بیوی خوبصورت ہوتی ہے وہی اپنے گھر واپس آتا ہے۔مگر تمہاری ماں مانے گی نہیں۔۔۔

مانے گی۔۔۔۔۔۔مومی نے اٹھ کے ماں کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔

ماما پلیز۔۔۔۔۔۔میری پارٹی سے پہلے اپنے بال ضرور ڈائی کرلو۔۔۔۔۔دیکھنا تم پاپا سے کہیں زیادہ ینگ اور اسمارٹ لگو گی۔۔۔۔۔۔

پاری بس مسکراتی رہی۔۔۔۔۔۔

ماما۔۔۔۔۔۔پرومس کرو نا؟۔۔۔۔۔۔

نہیں مومی۔۔۔۔۔۔پاری ہنس کر بولی۔میں تمہارے پاپا سے بوڑھی لگنا چاہتی ہوں میں چاہتی ہوں وہ زیادہ ینگ اور زیادہ اسمارٹ نظر آئیں۔۔۔۔۔۔

کیوں کیوں ماما۔۔۔۔۔مومی مچلنے لگی۔

زیادہ اسمارٹ نظر آئیں گے تو دوسری عورتیں ان کو دیکھیں گی اس پر ڈیوڈ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور یہ کہہ کر اٹھ گیا میں ذرا شاور لے کر کپڑے تبدیل کر آؤں۔۔۔۔۔۔

ماما۔۔۔۔۔۔سچ بتائیں نا؟ آپ اتنی بور کیوں ہیں۔آپ تو لپ سٹک بھی نہیں لگاتیں نہ اپنا خیال رکھتی ہیں آپ کو اتنے موٹے شیشوں کی عینک لگ گئی ہے۔۔۔۔۔۔بس سارا وقت ہسپتال اور آپریشنوں میں ڈوبی رہتی ہیں۔

اسی لیے مومی میں نے تمہیں ڈاکٹری نہیں پڑھائی۔یہ پیشہ ہوتا ہی ایسا ہے اس پیشے کو اپنی ساری خوشیاں اور خواہشیں دینی پڑتی ہیں، تبھی آپ کو کامیابی ملتی ہے۔۔۔۔۔۔اس کو اختیار کرنا تو آپ کے اختیار میں ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔اس کو چھوڑنا اور اس کی طرف کم توجہ کرنا آپ کے اختیار میں نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔

ماما۔۔۔۔۔۔آپ بھی تھوڑا انجوائے کیا کریں۔۔۔۔۔۔چھٹی کیا کریں۔۔۔۔۔۔پاپا کو توجہ دیا کریں۔۔۔۔۔۔

تم جو ہو پاپا کا خیال رکھنے کے لیے پاری نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔

مگر یہ جو ہفتے میں دو دن پاپا باہر رہتے ہیں مجھے اچھا نہیں لگتا میں چھٹی کے دن ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں ان کے ساتھ کھیلنا چاہتی ہوں مگر جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے وہ تو گھر ہوتے ہی نہیں۔۔۔۔

اچھا پہلے تم جاؤ۔۔۔۔۔۔۔میز پر کھانا لگواؤ۔۔۔۔ابھی تمہارے پاپا تیار ہو کر آ جائیں گے۔ان کے ساتھ میز پر بیٹھو میں بھی آ جاتی ہوں۔۔۔۔۔۔

ماما آپ ہمیشہ ٹال دیتی ہیں،موی کھڑی ہوگئی۔

ٹھیک ہے اس پر بھی بات کریں گے کوئی انتظام کریں گے اب تم جاؤ۔۔۔۔۔۔۔

پاری اپنے کمرے میں آ گئی۔۔۔۔۔۔اور احساس کے سارے کانٹے اس کے دل میں چبھ گئے۔۔۔۔۔۔

اسے معلوم تھا کہ ایک دن یہ گھڑی آئے گی۔۔۔۔۔۔۔۔

اور اسے اپنی بیٹی کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑے گا۔

ابتدا میں ڈیوڈ نے پاری کو رقابت میں مبتلا کرنے کے لیے روز لین سے تعلقات استوار کیے تھے۔گاہے گاہے گھریلو گفتگو میں اس کا ذکر بھی کر دیتا تھا۔۔۔۔۔۔۔پاری کو معلوم تھا بعض اوقات وہ چھٹی کے روز بھی اس کے پاس چلا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔اسے غصہ بھی آتا تھا حسد بھی ہوتا تھا مگر وہ جس ڈگر پر چل پڑی تھی وہاں سے لوٹ آنا اس کے بس میں نہیں تھا وہ جانتی تھی اس کی اس بے حسی کا انجام کیا ہوگا مگر وہ اس بے حسی کے گرداب سے نکل بھی نہ سکتی تھی ویسے بھی اس کے لاشعور میں کہیں یہ بات دبی تھی کہ ڈیوڈ زیادہ دور تک نہیں جائے گا۔۔۔۔۔۔مگر اسے قریب تر رکھنے کا اس نے کوئی جتن بھی نہ کیا۔۔۔۔۔۔

ایک عرصہ تک وہ دوسرے بچے کا تقاضا کرتا رہا۔سچی بات یہ ہے کہ پاری کو دوسرے بچے کی تمنا نہیں تھی۔ایسے دوغلے بچے جنم دینے کا کیا فائدہ۔۔۔۔۔۔؟ جنہیں آپ ان کے مذہب کی تلقین نہ دے سکیں۔ان کے کلچر کا یقین نہ دے سکیں۔اور یہاں اولاد کا جو چلن تھا،اس نے بہت اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔۔۔۔۔۔۔یہیں اس کے اور ڈیوڈ کے درمیان ایک لکیر سی پڑ گئی۔۔۔۔۔۔۔لکیر پڑ جانے سے شیشہ اپنی آب گنوا دیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

تاہم۔۔۔۔۔۔دنوں نے سوچ رکھا تھا کہ نبھانا ہے ڈیوڈ کو اپنی ماں کی دی ہوئی قسم کا پاس تھا۔اور پاری کو پرورش پا رہی اپنی پیاری بیٹی موی کے مستقبل کا احساس تھا۔موی جو ایک گھر میں دو ناموں کے ساتھ پرورش پا رہی تھی۔باپ بڑے یقین سے اسے میری کہتا تھا ماں بڑے وثوق سے اسے موی بلاتی تھی کبھی وہ یہ سوچ کر لرز جاتی کہ کہیں اس کی بیٹی موم کی لڑکی نہ ثابت ہو اسے جدھر موڑ دیا جائے ادھر مڑتی چلی جائے۔۔۔۔۔۔

جن دنوں آنٹی اگروال ان کے ہاں آئی ہوئی تھی وہ انہیں ایک نام بلانے پر مجبور کیا کرتیں مگر ان میں سے کوئی بھی باز نہیں آتا تھا۔۔۔۔۔۔۔پھر آنٹی اگروال پوتی کو گود میں بٹھا کر پوچھا کرتیں۔۔۔۔۔۔

اچھا بھئی بتاؤ میری کون ہے۔۔۔۔؟

تو وہ جلدی سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہتی۔۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔۔

پھر دادی پوچھتی۔۔۔۔۔۔۔موی کون ہے۔۔۔۔۔۔

تو وہ رخسار پر انگلی رکھ کر کہتی۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔

اس پر دادی اس کا منہ چوم لیتی۔۔۔۔۔۔پھر دادی روزانہ اسے ایک لوری سنانے لگی تھیں۔

تھوڑی سی یہ موی ہے

تھوڑی سی یہ میری ہے

تھوڑی مما پپا کی

ساری کی ساری میری ہے

اس پر وہ کلکلیں کر کے ہنسا کرتی۔روز سونے سے پہلے دادی سے کہتی۔

''میری موی'' سناؤ۔۔۔۔۔۔۔

آنٹی اگروال ان کے پاس ایک سال رہی تھیں پھر واپس چلی گئیں۔انہیں پیٹر کی شادی کرنا تھی۔پیٹر کی شادی پر بھی پاری پاکستان نہیں گئی تھیں۔۔۔۔۔۔اس نے مصروفیات کا عذر دیا تھا اکیلا ڈیوڈ گیا تھا۔۔۔۔۔پتہ نہیں وہ پاکستان کیوں نہیں جانا چاہتی تھی یا کچھ لوگوں کا سامنا کرنے سے گھبراتی تھی۔۔۔۔۔۔دو سال بعد آنٹی فوت ہو گئیں اور چھ مہینے کے اندر اندر انکل اگروال بھی ان سے جا ملے دونوں مرتبہ ڈیوڈ ہی پاکستان گیا تھا۔

ماں کے فوت ہو جانے کے باوجود ڈیوڈ اپنی قسم پر قائم تھا اور پاری سمجھتی تھی ساری ڈیوڈ کی گیدڑ بھبھکیاں ہیں وہ زیادہ دور نہیں جائے گا۔۔۔۔۔۔

ان ساری مشکلوں میں انہوں نے نیا گھر بنا لیا۔جس میں ڈیوڈ نے بھی بڑے ذوق شوق سے حصہ لیا۔بنانے میں

UrduPoint.com

سجانے میں۔۔۔۔۔۔۔

اوپر کی منزل میں ماسٹر بیڈ روم تھا۔۔۔۔ بہت کشادہ اور بہت خوبصورت تھا۔ انہوں نے اپنے غسل خانے میں جکوزی بھی بنوائی تھی۔ اور جدید ترین سہولتوں سے آراستہ کیا تھا ساتھ میں مومی کا کمرہ تھا۔۔۔۔۔

نچلی منزل میں دو خوبصورت گیسٹ روم بنائے تھے گو ان کے ہاں کوئی مہمان نہیں آتے تھے پھر بھی انہوں نے مہمانوں کی گنجائش رکھی تھی۔۔۔۔۔۔۔

جس رز وہ لوگ شفٹ ہوئے ڈیوڈ کی خوش دیدنی تھی اور خدا کی قدرت یہ ہوئی کہ شفٹنگ والے دن ان کی شادی کی سالگرہ تھی۔ انہوں نے دانستہ یہ دن چنا تھا ڈیوڈ بہت خوبصورت کیک بنوالایا تھا جس پر پاری اور ڈیوڈ لکھا ہوا تھا صرف گھر والوں نے یہ سالگرہ منائی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

اس نے پاری سے کہا تھا رات کے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے نئے روم میں آجائے کیونکہ وہ نئے بیڈ روم میں اپنی شادی کی سالگرہ منانا چاہتا ہے پاری نے کہا تھا مومی کو اس کے کمرے میں سلا کر وہ آجائے گی اس کے انتظار میں ڈیوڈ نے بیڈ روم میں سارے رومانٹک گیت بجانے شروع کر دیئے تھے۔۔۔۔۔۔۔ پاری جب مومی کو لے کر اس کے بیڈ روم میں گئی تو نیا کمرہ ہونے کی وجہ سے اس نے سونے میں بہت دیر لگائی ابھی اسے سلا کے باہر نکلی تھی کہ لاؤنج میں پڑا فون بج اٹھا۔ پاری نے اٹھالیا۔ دوسری طرف نیک تھی جو نئے گھر کی مبارکباد دے رہی تھی باتوں باتوں میں اس نے یہ بھی بتادیا کہ آج پاکستان میں شب برات ہے۔۔۔۔۔۔۔

پاری کا سارا موڈ بدل گیا وہ تو شب برات کو ساری رات نوافل پڑھا کرتی تھی۔۔۔۔۔۔ اس نے وضو کیا لاؤنج میں مصلے بچھادیا اور نوافل پڑھنے لگی۔۔۔۔۔۔۔ اسے نئے گھر کی پہلی رات میں نفل پڑھنے کا آئیڈیا بہت اچھا لگا۔۔۔۔۔۔۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک وہ لاؤنج میں نفل پڑھتی رہی۔۔۔۔۔۔۔ اور ڈیوڈ اپنے بیڈ روم میں اس کا انتظار کرتا رہا۔۔۔۔۔۔ جب سوئی بارہ سے بھی اوپر چلی گئی تو اس نے باہر نکل کر دیکھا وہ اگر بتیاں جلائے۔۔۔۔۔۔۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر نفل پڑھنے میں مگن تھی۔

ڈیوڈ حیران و ششدر اسے دیکھتا رہ گیا۔۔۔۔۔۔۔ اسے نے ڈیوڈ کو اطلاع دینے کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔ جبکہ وہ جانتی تھی آج کتنے شوق سے اس نے اسے کمرے میں بلایا تھا جب پاری اپنے کمرے میں داخل ہوئی رات کے تین بجے ہوئے تھے ڈیوڈ جاگ رہا تھا مگر ایک کتاب پڑھ رہا تھا اسے دیکھتے ہی پھنکارہ۔۔۔۔۔۔۔

سنا ہے اس مذہب میں شوہر کو مجازی خدا کا درجہ دیا جاتا ہے اور اس کی خواہش کو فرمان سمجھا جاتا ہے اور انسانی حقوق کا عبادت سے زیادہ درجہ ہے۔ اور تم نے اپنے شوہر کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ تمہارا موڈ بدل چکا ہے۔۔۔۔۔۔۔ کیونکہ تمہیں اس کے قریب سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔

پاری چونک گئی پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا بولی۔

آئی ایم سوری ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔ مجھے تمہیں بتانا یاد نہ رہا، جب میں مومی کو سلا کے آرہی تھی نا تو نیک کا فون آگیا اس نے مجھے بتایا آج شب برات ہے۔ تو میں نے سوچا اندر جانے سے پہلے تھوڑے سے نوافل پڑھ لوں۔۔۔۔۔۔۔

پاری اب تم اپنی نفرت کو پردوں میں نہیں چھپا سکتیں تم نے جان بوجھ کے نفل پڑھنے شروع کر دیئے تا کہ میں تمہیں بلا ہی نہ سکوں۔۔۔۔۔۔۔ حالانکہ تم آکر مجھ سے اجازت بھی لے سکتی تھیں یا مجھے انتظار کرنے کو بھی کہہ سکتی تھیں۔

یہی فرق ہوتا ہے سوچ کا ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔ اگر تم مسلمان ہوتے تو تمہیں یہ عجیب بات نہ لگتی تم اسے نارمل ہی سمجھتے اور۔۔۔۔۔۔

بکواس بند کرو پاری۔۔۔۔۔۔۔ آخر تمہارے منہ سے نکل ہی گیا نا؟ کہ میں چونکہ مسلمان نہیں ہوں اس لیے تم مجھ سے دور رہتی ہو۔۔۔۔۔۔۔ دیکھا ہوا ہے میں نے تم جیسے منافق لوگوں کو۔۔۔۔۔۔۔ تمہارے ہاں منافقت کے سوا ہے کیا۔

ڈیوڈ تم خواہ مخواہ بات کو بڑھانا چاہتے ہو۔۔۔۔۔۔۔ آخر اب آہی گئی ہوں میں نے آنا تو تھا۔۔۔۔۔۔۔

کیونکہ تمہاری نظر میں، میں گدھا ہوں، اُلو کا پٹھا ہوں، اور میں تمہارا ہم مذہب نہیں ہوں اس لیے مجھے انتظار کرنا چاہیے تھا، پڑا رہنا چاہیے تھا۔۔۔۔۔۔۔ جب تمہارا دل چاہا تم آگئیں۔۔۔۔۔۔۔ میں تمہاری بھیک کا محتاج ہوں نا؟۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ آج اس گھر میں ہماری پہلی رات ہے۔۔۔۔۔۔۔ اسے لڑائی میں ضائع نہ کرو۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 58

پاری بولی۔
اچھا تم اسے جس طرح چاہو ضائع کرلو۔ ساری رات جہاں چاہے گزارلو۔۔۔۔۔۔ میں کچھ نہ کہوں۔۔۔۔۔
میں نے کیا کیا ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو اپنی عبات کرنا میرا حق ہے۔
اور شوہر کے حقوق کو پس پشت ڈالنا بھی شاید تمہارا مذہبی فریضہ ہے۔
ڈیوڈ میرے مذہب کو بیچ میں نہ لایا کرو میرا ذاتی معاملہ ہے۔۔۔۔۔۔۔
تمہارا ذاتی معاملہ ہمرای نجی زندگی کو چاہے کھوکھلا کر کے رکھ دے۔۔۔۔۔۔۔ تباہ کر کے رکھ دے۔۔۔۔۔۔
اب تک ڈیوڈ تم میں اتنی برداشت پیدا ہو جانی چاہیے تھی۔
تم کیوں نہ وہ بات چھوڑ دیتیں جو ہمارے درمیان فاصلہ پیدا کر رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ میں نے تمہارے ساتھ شادی ضرور کی ہے مگر اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتی۔ اور اب اس عمر میں تو اس کے لیے کچھ بھی قربان کر سکتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔
ٹھیک ہے۔۔۔۔۔۔۔ پھر تم اس کمرے میں رہو میں نیچے جا رہا ہوں۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ نے غصے میں آ کے اپنی چیزیں اکٹھا کرنا شروع کر دیں۔
ڈیوڈ میں اپنی غلطی مانتی ہوں پاری بولی۔۔۔۔۔۔ اب آ جو گئی ہوں۔
میں وہ پہلے والا آدمی نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔ میں نے بہت انتظار کیا ہے کہ تمہارا رویہ بدل جائے اور تم مجھے اپنا شوہر سمجھنے لگ جاؤ۔۔۔۔۔۔ لیکن سب لاحاصل ہے۔۔۔۔۔۔
وہ سامان اٹھا کے باہر کو چلا۔۔۔۔۔۔۔
پاری راستے میں آ گئی۔ ایسے نہ جاؤ ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ کو غصہ آ گیا اسے ایک طرف دھکا دے کر باہر نکل گیا۔۔۔۔۔۔۔ جاتے جاتے بولا۔۔۔۔۔۔
اب جب کبھی تمہارا بیوی بننے کو دل چاہا تو نیچے میرے کمرے میں آ جانا۔ میں تمہارے کمرے میں آؤں گا۔۔۔۔۔۔۔
پاری باقی کی رات اسی الاؤنج میں بیٹھی روتی رہی اور سوچتی رہی۔۔۔۔۔۔۔ کہ خواہش کیا ہے اور خواہش کی تکمیل کیا ہے۔۔۔۔۔۔ کتنے جتن سے گھر بنایا۔ کتنی تمنا سے اسے سجایا۔ کیا نہیں ہے اس گھر میں، اس کی تکمیل میں اس کی ہڈیوں کا گودا اور رگوں کا لہو شامل ہے۔ مگر یہ محل گھر نہیں بن سکا۔۔۔۔۔۔ دلوں کی دوریاں نہیں دور ہو سکیں۔ وہ ایک دوسرے کے بن کے ایک دوسرے کے نہیں ہو سکے۔۔۔۔۔۔ یوں زندگی پتھر اور کنکریٹ کے درمیان بھی گزر جاتی ہے۔۔۔۔۔۔
بارہ سال ہو گئے تھے شیشے اور کنکریٹ میں رہتے ہوئے۔۔۔۔۔۔ جب پاری کافی دن تک ڈیوڈ کے کمرے میں نہیں گئی۔ تو اس نے اپنی راتیں باہر گزارنا شروع کر دیں اس نے پاری سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ایک نارمل زندگی گزارنے والا مرد ہے۔ وہ اسے آسودگی عطا نہیں کرے گی تو اسے کسی اور کی آغوش میں سہارا لینا پڑے گا اب پاری اچھی طرح جان گئی تھی کہ ڈیوڈ نے اپنی جمع پونجی سے ایک فلیٹ خرید رکھا ہے۔ اس کے ایک پورشن میں روزی رہتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ گو اس نے روزی سے شادی نہیں کی۔۔۔۔۔۔۔ مگر چھٹی کی دو راتیں وہ اس کے ساتھ گزارتا تھا۔۔۔۔۔۔ پاری اسے کس برتے پر واپس بلاتی۔ پاری کے اندر بھی تو ایک گرہ پڑ گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔
اسے لگتا جیسے اس کا جسم مر چکا ہے بس اس کی روح زندہ ہے اور اس کی روح کو اس کے آدرش نے زندہ رکھا ہوا تھا نہ جانے کون سی غیرت نفسی اس کے اندر بچی رہ گئی تھی، کہ وہ احتجاج نہ کر سکی، رو نہ سکی، شور نہ کر سکی۔
یہ بات اس کے ملنے جلنے والے بھی جان گئے تھے البتہ اس نے یہ بات بڑے سلیقے سے مومی سے چھپائی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ مومی اپنے پاپا سے بہت محبت کرتی ہے، انہیں آئیڈیالائز کرتی ہے اس لیے نہیں چاہتی تھی کہ اس کی نظر میں اس کے پاپا کا بت ٹوٹے۔۔۔۔۔۔ اس لیے اس نے ایک بات بنا چھوڑی تھی کہ تمہارے پاپا کی ملازمت ایسی ہے کہ انہیں دو راتیں باہر گزارنا پڑتی ہیں، یہی بات اس نے ڈیوڈ کو بھی سمجھا دی تھی ڈیوڈ بھی مومی کے ہزارہا سوالات کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اس عذرداری کو قبول کر رکھا تھا۔۔۔۔۔۔
البتہ مومی تو اتر سے اپنے باپ کی غیر حاضری پر احتجاج کرنے لگی تھی۔۔۔۔۔۔ اور پاری کو ڈر لگتا تھا کہ بے وقت بھانڈا پھوٹ کر سارے معاملے کو بدصورت نہ بنا دے، چاہتی تھی کسی دن آرام سے بیٹی کو سمجھا دے آخر اب وہ جوان ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔ مگر اسے کوئی موقع مناسب نہیں لگ رہا تھا۔
آج پھر وہ لاؤنج میں بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اپنی بیٹی کو کس طرح بتائے کہ اس نے یہ سنیسا س کیوں لیا۔
کیوں اپنی ذات سے بے نیاز ہو گئی۔۔۔۔۔۔۔ کیوں اپنے حلیے کی پروا نہ کی۔۔۔۔۔۔ کیوں اپنے اوپر صدیوں

کی تھکن طاری کر لی۔۔۔۔۔۔؟

وہ اپنے آپ کو خود سزا دینا چاہتی تھی خود صولی پر لٹکانا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔۔مر نہ سکتی تھی کہ جان تو اپنی بیٹی میں اٹکی تھی۔۔۔۔۔۔۔پھر اس نے آدرش کی ڈگر پر قدم رکھ دیا۔اپنے آپ کو انسانیت کے لیے وقف کر دیا اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے نام لگا دی۔۔۔۔۔۔۔

جب چل پڑی تو پھر راستے ویران ہونا تھے۔

آدرش تو تن من کی قربانی مانگتے ہیں جس میں زمین میں شدوق کا پودا اگتا ہے اسی زمین میں کبھی خوشی کا پھول نہیں کھلتا۔۔۔۔۔۔۔وہاں دھوپ بھی شوق کی ہوتی ہے اور چھاؤں بھی شوق ہی کی ہوتی ہے۔۔۔۔۔

ایک ڈگر دوسری ڈگر کو کاٹتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ کیا کرتی۔۔۔۔۔۔؟ سارے زمانے سے تو لڑ سکتی تھی، اپنی ذات سے نہیں لڑ سکتی تھی۔۔۔۔۔۔۔

اس کے کلیجے سے ایک آہ نکلی۔۔۔۔۔۔۔۔

''ماں! میں نے تیرا دل دکھایا تھا میرا دل کبھی سکھی نہیں رہے گا!''

جب اس پر پچھتاووں کا حملہ ہوتا تو اسے کیا کیا نہ یاد آتا۔۔۔۔۔۔اپنا بچپن، بچپن کی سہیلیاں اپنی ماں باپ ،اپنی اکلوتی بہن عزیز و اقارب حتیٰ کہ ہمسائے تک یاد آتے۔۔۔۔۔۔

اب تو یادوں کی اس کہکشاں میں اقبال بھائی اور سونو بھابھی بھی شامل ہو چکی تھے۔پانچ سال پہلے اقبال بھائی کی ہارٹ سرجری ہوئی تھی۔باقی عمر سکون سے گزارنے کے لیے وہ سونو بھابھی کو لے کر وطن واپس چلے گئے تھے۔لڑو یعنی عمران سنگھ پائیلٹ بن گیا تھا۔سونو بھابھی نے جانے سے پہلے اس کی شادی اپنی بھانجی سے کر دی تھی۔اسے تھائی ائیر میں ملازمت مل گئی تھی۔اور وہ مستقلاً تھائی لینڈ میں رہائش پذیر ہو گیا تھا۔البتہ لاٹو چھوٹا والا جس کا نام عمران سنگھ تھا۔والدین کے لیے ہمیشہ مسئلہ بنا رہا۔بڑی مشکلہ سے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا۔مگر ایک جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتا تھا۔والدین فارمیسی سٹور اسے دے گئے تھے۔مگر ان کے جانے کے بعد اس نے ایک امریکن سیلز گرل سے شادی کر لی تھی۔اور فارمیسی بیچ کر نیویارک چلا گیا تھا۔کچھ عرصہ تک ان لوگوں کے فون اور کارڈ آتے رہے۔۔۔۔۔پھر دنوں طرف خاکوشی چھا گئی۔۔۔۔

ایسا ہی ہے یہ زندگی کا دوراہا۔۔۔۔۔۔۔لوگ ملتے ہیں بچھڑنے کے لیے۔۔۔۔۔۔۔ایک گھر آباد ہوتا ہے۔بکھر جانے کے لیے۔نہ ماں باپ سدا سلامت رہتے ہیں۔نہ اولاد ان کی چھایا میں رہنا پسند کرتی ہے۔جب خواب دیکھنے کی عمر آتی ہے ان کے راستے جدا ہو جاتے ہیں ایک کبھی نہ ختم ہونے والا چکر چل رہا ہے۔۔۔۔۔۔

پھر بھی ساری دنیا اولاد کے پیچھے دیوانی ہے۔۔۔۔۔۔۔پھر بھی اولاد ہی اس دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے۔

اور اس سے بڑی سچائی یہ ہے۔۔۔۔۔۔۔کہ ماں باپ کی قدر بھی ان کے مرنے کے بعد ہی آتی ہے۔

آج تو غلام رسول نے اتنی خوبصورتی سے گھر سجایا تھا کہ اس پر ڈنر کا نہیں شادی کا گمان ہو رہا تھا پچھلے دو دنوں سے مومی اور غلام رسول بازار کے چکر کاٹ رہے تھے۔جھنڈیاں، غبارے، روشنیاں اور سنہری تارخرید تے پھر رہ تھے۔پہلے کاغذوں پر ڈیزائن بنائے جاتے پھر انہیں ہر جگہ ہر کمرے میں لٹکایا جاتا۔۔۔۔۔۔گھر کے باہر انہوں نے روشنیوں سے ویل کم لکھ دیا تھا۔

مومی زور زور سے چیختی۔۔۔۔۔۔ماموں انکل۔۔۔۔۔۔تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے،غبارے کے ساتھ کوا لٹکا دیا ہے،اتارو۔۔۔۔۔۔۔اتارو۔۔۔۔۔۔

غلام رسول ویسے تو اسے چھوٹی باجی ہی کہتا تھا مگر جب وہ اسے تنگ کرتی تو وہ بھی اسے چھڑانے کے لیے کہتا۔۔۔۔۔۔

مومی میری۔۔۔۔۔۔۔آپ سارا کام برباد کر دیتی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔

دودن سے گھر میں چیخ و پکار ہو رہی تھی، وہ چلاتی۔۔۔۔۔۔۔۔

ماموں انکل۔۔۔۔۔۔۔۔ماموں انکل۔۔۔۔۔۔۔۔ادھر آؤ۔۔۔۔۔۔

وہ کہتا مومی میری۔۔۔۔۔۔۔چھوٹی باجی۔۔۔۔۔۔۔یہ دیکھو یہ رسی پھر ڈھلک گئی۔

پاری باہر نکل کر کہتی تم لوگ اتنا چلاتے کیوں ہو۔۔۔۔۔۔۔ایک دعوت کیا ہو رہی ہے طوفان آ رہا ہے۔

بس باجی جی۔۔۔۔۔۔۔آپ چپ کر کے بیٹھ جائیں گھبرائیں نا؟ خوشی کے کاموں میں چیخنا چلانا پڑتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ماموں انکل ہے نا؟۔۔۔۔۔۔

پاری میں ہمت نہیں تھی کہ خود اٹھ کے کام کرے۔۔۔۔۔۔۔بس دور سے ہدایت دے کر چلی جاتی تھی۔۔۔۔۔

وہی ہوا جو بھی مہمان آتا گھر کی سج دھج دیکھ کر حیران ہو جاتا، کئی تو صاف کہہ دیتے۔۔۔۔۔۔۔یہ پاس ہونے کی پارٹی ہے یا میری کی شادی ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔بالکل شادی والا رونق میلا ہے۔

اس موقع پر نیک نے پھر مومی کے لیے ایک پاکستانی لہنگا سوٹ بھیجا تھا۔
پاری نے اسے نورتن کا ایک طلائی سیٹ لے کر دیا تھا۔ جسے پہن کر وہ واقعی دولہن لگ رہی تھی۔ اس کی سہیلیاں بھی اسے چھیڑ رہی تھیں کہ تیرا دولہا کہاں ہے۔۔۔۔۔۔؟
اتنے میں ڈیوڈ دو مہمانوں کو ساتھ لے کر نوجوانوں کے لائنج میں آ گیا۔ بیس منٹ والے ہال میں سب بڑے جمع ہو رہے تھے۔ اوپر لائنج میں مومی کے سارے دوست اکٹھے ہو رہے تھے غلام رسول تحفے تھام تھام کے بڑی میز پر رکھ رہا تھا۔
ڈیوڈ نے پاری کو بہت پہلے بتا دیا تھا کہ اس کا ایک نیا دوست اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ آئے گا پاری سے تعارف کروانے کے بعد وہ اوپر آ گیا۔۔۔۔۔۔اس نے میری کو آواز دی۔۔۔۔۔۔
میری۔۔۔۔۔۔جی پاپا وہ بولی۔
ادھر آؤ۔۔۔۔۔۔وہ بڑی تمکنت سے چلتی ہوئی آ گئی۔
بیٹی ان سے ملو۔۔۔۔۔۔یہ میری عزیز دوست ہیں مسٹر جوزف اور یہ ان کا بیٹا ہے ولیم۔۔۔۔۔
میری ہاتھ ملا کے ان سے ملی۔۔۔۔۔۔تھوڑی سی باتیں کرنے کے بعد ڈیوڈ اور جوزف تو نیچے چلے گئے میری ولیم کو لے کر اپنے دوستوں میں آ گئی۔۔۔۔۔۔وہاں ہر ایک کا تعارف ہوا۔ اور سب بے تکلفی سے گھل مل گئے
آج پاری نے بطور خاص ایک خوبصورت پرنٹڈ ساڑھی پہنی تھی اور تھوڑا سا میک اپ کر کے لپ اسٹک بھی لگائی تھی
اف مما۔۔۔۔۔۔مومی بے اختیار اس سے آ کر لپٹ گئی تھی کتنی پیاری لگ رہی ہو۔۔۔۔۔ڈیشنگ۔۔۔۔۔
ڈیشنگ۔۔۔۔۔۔
مما روز ایسے رہا کرو نا۔۔۔۔۔۔۔۔
روز تمہاری پارٹی تو نہیں ہوتی نا؟
سب مہمان عورتیں آج پاری کی تعریف کر رہی تھیں۔ وہ مسکرا کر ہر ایک سے مل رہی تھی۔۔۔۔۔۔بہت سے لوگ اس پر رشک کر رہے تھے۔ اسے خوش قسمت کہہ رہے تھے جس کا ایک شاہانا گھر تھا، جان نثار کرنے والا شوہر تھا ایک خوبصورت بیٹھی تھی اور اپنے پیسے کی وجہ سے پورے کینڈا میں جانی جاتی تھی، پہچانی جاتی تھی اور جو اپنے گھر میں ہمیشہ خسروانہ پارٹیاں دیا کرتی تھی۔
ان کے حلقہ احباب میں ہر قسم کے لوگ تھے ڈیوڈ بھی بہت دوست نواز آدمی تھا۔ اور اسے بھی دوستیاں کرنے کی عادت تھی یہاں تو دوستی میں کوئی رکاوٹ نہ تھی کئی ملکوں کے باشندے یہاں آ گئے تھے۔ یہاں آ کر سب ایک قومیت میں ڈھل گئے تھے مثلاً یہاں ہندوستانی اور پاکستانی بالکل دوستوں کی طرح رہتے تھے سرحد کے آر پار کسی اختلاف پر بات نہ کرتے تھے ان کے حلقہ احباب میں سکھ بھی تھے۔ دوسرے مسلمان ملکوں کے لوگ بھی تھے کینڈین بھی تھے ان کے گھر کا فنکشن ہمیشہ گنگا جمنی قسم کا ہوتا تھا۔۔۔۔۔
ایک بات پر وہ ضرور غور کرتی تھی کہ ڈیوڈ زیادہ تر ان لوگوں سے دوستی کرتا تھا جو میاں بیوی مختلف مذاہب سے ہوتے تھے یہاں لڑکیں اکثر دوسرے مذاہب کے لڑکوں سے شادیاں رچا لیتی تھیں۔ پتہ نہیں ڈیوڈ انہیں کہاں سے پکڑ کے لے آتا تھا۔ ان کے حلقہ احباب میں ایک خاتون تھی۔ ذرینہ سلطانہ۔۔۔۔اس کے والدین بہت پہلے کینڈا آ گئے، یہیں پلی پڑھی۔۔۔۔۔۔پھر ماں باپ سے بغاوت کر کے اس نے اٹلی کے ایک لڑکے سے شادی کر لی تھی۔ ایک سال بعد اس سے طلاق لے کر۔۔۔۔۔۔ایک سکھ لڑکے کے ساتھ رہنے لگی تھی۔۔۔۔۔اس کے ساتھ نہ بنی تو پھر جمیکا کے باشندے کے ساتھ رہنے لگی۔ آج کل وہ ایک چینی کیساتھ دیکھی جا رہی تھی ویسے وہ بڑی اسمارٹ تھی ایک لمحہ کے لیے سگریٹ منہ سے نہ ہٹاتی تھی یوں بھی بلا نوش تھی مرد اسے پسند بھی کرتے تھے اور باتیں بھی بنایا کرتے تھے وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتی تھی۔
ایک ہندو عورت مالا تھی جس نے ایک پاکستانی کرکٹر سے شادی کر رکھی تھی۔
ایک کورین عورت تھی۔ جس نے ایک سکھ کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ ایک بہت ہی خوبصورت سکھ عورت تھی جس نے مصری مسلمان سے شادی کی ہوئی تھی۔ ان سب کے بچے بھی تھے۔ یہاں اس سوسائٹی میں کچھ بھی معیوب نہیں تھا۔ یہاں شوہر اور بیوی دونوں یا ملت کے لیے نہ تو زنجیر تھی اور نہ صولی تھی، کہ آدمی اس کے ساتھ لٹکا رہے اس ملک میں قوانین سخت تھے اور سختی سے ان پر عمل درآمد کرایا جاتا تھا مگر شہریوں کے حقوق وافر تھے۔ ہر فرد اپنی نجی زندگی مرضی کے مطابق گزارنے کی پوری آزادی تھی۔ ہر کوئی شادی کرنے میں آزاد تھا۔۔۔۔۔اور اس طوق کو گلے سے اتار پھینکنے میں بھی آزاد تھا۔
پاری اور ڈیوڈ سب مہمانوں کو ریسیو کر رہے تھے ایک کونے میں بار بنی ہوئی تھی۔ سب اپنی اپنی پسند کا مشروب وہاں سے اٹھا رہے تھے۔ بڑی دلکش موسیقی بج رہی تھی۔ اور بہت دلکش ماحول بنتا جا رہا تھا اوپر والے لائنج میں

نوجوان طبقہ رقص وموسیقی کی محفل سجائے ہوئے تھا۔
غلام رسول نے دونوں لابیوں میں لذیز اور اشتہا انگیز کھانا سجا دیا تھا۔۔۔۔۔۔
سب نے ٹوٹ کر کھانا کھایا کھانے کے بعد مہمانوں نے شوقیہ گانے والوں کی محفل بھی سجائی۔مختلف ملکوں کے ڈانس بھی کیے گئے۔اس محفل میں بڑے چھوٹے سب شامل ہو گئے۔۔۔۔۔۔غلام رسول مہمانوں کو کافی قہوہ اور چائے بنا بنا کر دینے لگا بعض اوقات پاری اٹھ کے اس کا ہاتھ بٹانے لگتی تو وہ کہتا۔
باجی جی۔۔۔۔۔۔آپ جا کر بیٹھ جائیں آپ میزبان ہیں، جائیں انجوائے کریں آج آپ اتنے دنوں کے بعد خوش نظر آرہی ہیں۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 59

ہاں غلام رسول میں آج بہت خوش ہوں، پاری کہتی۔میری بیٹی کی پہلی خوشی ہے نا؟

پتہ نہیں میں اس کی شادی دیکھ سکوں گی یا۔۔۔۔۔۔۔۔

ارے۔۔۔۔۔۔۔غلام رسول نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، باجی جی کیسی بے شگونی کی باتیں کر رہی ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو چھوٹی باجی کے بچے بھی دکھائے گا۔۔۔۔۔۔۔

پتہ نہیں غلام رسول۔۔۔۔۔۔

وہ دیکھیں ایک باجی جی آپ کو ڈھونڈتی ہوئی ادھر آ رہی ہیں۔

آؤ ذرینہ۔۔۔۔۔۔۔۔پاری اس کی طرف بڑھی۔۔۔۔۔۔

میں ذرا نائلٹ جانا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔۔پاری اس کے ساتھ چلتی ہوئی نائلٹ تک گئی پھر ایک چکر اوپر لگا کر آ گئی۔۔۔۔۔۔

ذرینہ اپنے چہرے پر پفنگ کر رہی تھی پاری کو دیکھ کر بولی۔

ہائے پاری آج تم کتنی سندر لگ رہی ہو اور خوش بھی لگ رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔

میں خوش ہوں شاید اسی لیے اچھی بھی لگ رہی ہوں۔۔۔۔۔۔

وہ دونوں سب سے ہٹ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

ذرینہ ایک بات تو بتاؤ پاری بولی۔ہاں اگر برا نہ مانو تو۔۔۔۔۔۔

نہیں نہیں جو چاہو پوچھو۔۔۔۔۔۔۔میں تمہاری بات کا برا نہیں مانتی۔

ذرینہ خدا کے لیے اسے طنز نہ سمجھنا۔۔۔۔۔۔۔۔میں ویسے اپنی تسلی کے لیے پوچھنا چاہتی ہوں۔

جب تم نے غیر مذہب کے آدمی سے شادی کر لی تھی تو کیا محسوس کرتی تھیں؟

ذرینہ نے سگریٹ کا ایک کش لیا اور مسکرا کر بولی۔

شروع شروع میں تو بہت مست رہتی تھی، بہت اچھا لگتا تھا ترقی پسندانہ لگتا تھا منفرد اور انوکھا بھی لگتا تھا تجربہ ہی تھا نا؟۔۔۔۔۔۔مگر رفتہ رفتہ کچھ کچھ سرکنے لگا تھا۔۔۔۔۔۔۔اصل میں ہر قوم کی ایک تہذیب ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔اور تربیت ہوتی ہے۔وہ صدیوں کا نچوڑ ہوتی یہ ابتدا میں دنوں کے لیے دونوں کا رویہ قابل کشش ہوتا ہے۔پھر جب محبت کا ملمع اترتا ہے۔۔۔۔۔۔تو دونوں روایتی بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی قوم کے بارے میں سنی سنائی باتیں اختلاف کا باعث بننے لگتی ہیں۔

پاری حیران سی اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟۔۔۔۔۔۔۔قومی تہذیب انسان کے اندر سے نہیں نکلتی۔۔۔۔۔۔میں نے تو کئی مذہب کے مردوں کے ساتھ رہ کر دیکھا ہے۔۔۔۔۔۔آخر وہ اپنے ہی تمدن میں لوٹ آتے ہیں۔۔۔۔۔۔اور ایک بڑی انوکھی بات کا تجربہ ہوا ہے مجھے وہ ہنس کر کش لے کر بولی۔

وہ کیا پاری نے کہا؟ یہ لوگ۔۔۔۔۔۔کوئی بھی ہوں دل سے مسلمان کو قبول نہیں کرتے۔یا تو انہیں مسلمانوں کے سامنے احساس کمتری ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔یا احساس برتری ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔یہ لوگ مسلمان قوم کو من حیث القوم پسماندہ، وامادہ اور درماندہ قوم سمجھتے ہیں۔چاہے وہ کتنے ہی روشن خیال اور موڈ سکوڈ مسلمان کیوں نہ ہوں۔یہ اندر سے کھنچے رہتے ہیں۔ویسے ان سب کی آرزو ہوتی ہے کہ مسلمان لڑکیوں کو ہتھائیں ان سے شادیاں کریں۔مگر دل میں کوئی بغض یا کوئی خوف سا رکھتے ہیں ممکن ہے یہ غلط ہو۔صرف میرا ہی تجزیہ ہو۔

مگر مسلمان لڑکے تو عام طور پر یورپین اور امریکن لڑکیوں سے شادیاں کر لیتے ہیں چاہے انہیں پاکستان واپس لے جائیں ان کی تو نبھ جاتی ہے۔۔۔۔۔۔

پاری نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔

ہاں تم ٹھیک کہتی ہو، حالانکہ مسلمانوں پر تنگ نظری اور تنگدلی کے کئی الزامات لگتے ہیں اس کے باوجود مسلمان وسیع القلب اور لبرل ہوتے ہیں وہ بات بات میں طعنہ نہیں دیتے۔جب بچے پیدا ہو جاتے ہیں تو یہ بیوی کے غلام ہو جاتے ہیں جس کو بیوی بنا لیتے ہیں اس کی عزت کرتے ہیں۔

تمہارا تجزیہ کتنا درست ہے ذرینہ۔۔۔۔۔۔۔۔پاری بولی۔

ایک اور بات بتاؤں پاری۔۔۔۔۔۔۔اگرچہ میں لوگوں کے سامنے اس کا اعتراف نہیں کرتی مگر تمہارے سامنے کہہ سکتی ہوں مسلمان عورت کو کسی بھی دوسرے مذہب کے مرد سے شادی نہیں کرنی چاہیے چاہ اس کے عشق میں ڈوب کیوں نہ جائے۔۔۔۔۔۔۔

کیوں۔۔۔۔۔۔پاری کا چہرہ بجھ گیا۔

میں نہیں جانتی کیوں۔۔۔۔۔۔۔؟ مگر یہ میرا تجربہ ہے یہ جو کلہ ہوتا ہے نا؟
کلہ۔۔۔۔۔۔۔۔یہ اندر سے نکلتا نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔جوانی کا تھوڑا سا موسم بغاوت میں گزر سکتا ہے مگر کلہ روح کو بے چین رکھتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔
پاری۔۔۔۔۔۔۔ذری۔۔۔۔۔۔۔۔تمہیں بیٹھی کیا کھسر پھسر کر رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔
آنٹی کو لنگڑاتی ہوئی اس طرف آ رہی تھی۔پاری جلدی سے کھڑی ہوگئی۔۔۔۔۔۔۔کیا بات ہے دونوں کوئی نوٹس کمپیئر کر رہی ہو۔آنٹی نے طنزاً کہا۔
آنٹی بوڑھی ہوگئیں تھیں۔ایک پاؤں سے لنگڑانے لگی تھیں ان کی باتوں میں فرق نہیں آیا تھا انکل راج کو فالج ہوگی تھا وہ بستر پر رہتے تھے۔ان کی بڑی بیٹی پریانیکا ایک امریکن کے ساتھ بھاگ گئی تھی دو سال بعد پھر آ گئی۔۔۔۔۔ یہاں آ کر ایک سکھ سے شادی کر لی پھر اس سے بھی طلاق لے لی تھی۔اب کہیں علیحدہ فلیٹ لے کر رہتی ہے۔۔ اور چھوٹی بیٹی اپرنا عرصہ ہوا گھر سے نکل گئی تھی۔اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ الگ اپارٹمنٹ لے کر رہتی تھی، ماں باپ کو نہیں ملتی تھی۔آنٹی نے مٹھائی کی دوکان بیچ دی تھی اب صرف وہ ملازمت کرتی تھیں۔۔۔۔
جب بھی ڈیوڈ ملتی تھی ں، ہمیشہ کہتی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ڈیوی اگر تم پریانیکا سے شادی کر لیتے تو وہ کبھی تباہ نہ ہوتی۔۔۔۔۔۔۔۔اب بھی کبھی خیال آ جائے تو۔۔۔۔۔۔۔
آنٹی یہ کیا کہہ رہی ہیں پریانیکا تو مجھ سے اتنی چھوٹی ہے ڈیوڈ ہمیشہ کہتا اور پھر آپ پاری کے سامنے تو ایسے نہ کہا کریں۔۔۔۔۔۔۔
پاری تمہیں کیا سمجھتی ہے۔۔۔۔۔۔؟ تم تو پاگل ہو۔۔۔۔۔۔اس نے تو کبھی تمہیں اپنا شوہر نہیں سمجھا کتنی حقارت سے دیکھتی ہے تمہیں۔۔۔۔۔۔۔
اصل میں پاری اور ڈیوڈ کے درمیان غلط فہمیاں آنٹی ہی نے پیدا کی تھیں۔وہ شروع دن سے پاری سے چڑتی تھیں۔۔۔۔۔پھر جس رفتار سے اس نے ترقی کی تھی اور خوبصورتی سے جس مقام پر پہنچ گئی تھی وہ آنٹی کو بہت کھلتا تھا۔۔۔۔۔۔۔جب بھی ملتی جب بھی آتیں نفاق کا کوئی چھچھوندر ضرور چھوڑ جاتی تھیں۔آج کی اتنی رنگ بھری محفل دیکھ کر اندر سے تو جل ہی گئی تھیں۔۔۔۔۔۔۔
پھر پاری کے پاس آ کر بولیں۔۔۔۔۔۔۔بھئی کچھ اناؤنس کرنا ہے تو کرو ورنہ ہم لوگ جائیں۔
اچھا۔۔۔۔۔۔۔آنٹی ناک چڑھا کر بولیں کوئی کہہ رہا تھا تم اپنی بیٹی کی منگنی کا اعلان کرنے والے ہو۔
آنٹی جی۔۔۔۔۔ابھی تو ہماری بیٹی چھوٹی ہے پھر منگنی کے اعلان نہیں ہوا کرتے جب کرنا ہو کر دیتے ہیں۔۔
اچھا پھر وہ لڑکا کون ہے جس کے ساتھ میری ناچ رہی ہے۔
پاری نے نظر اٹھا کر دیکھا۔۔۔۔۔۔۔وہ غالباً ولیم تھا۔
یہ ولیم ہے پاری بولی، ڈیوڈ کے ایک دوست کا بیٹا ہے یہ لوگ آ پہلی دفعہ آئے ہیں۔
اچھا۔۔۔۔۔۔۔یوں لگ رہا ہے جیسے وہ میری کا پرانا دوست ہے اچھا خیر پرانا ہوتے کیا دیر نہیں لگتی ہے۔میرا خیال ہ میری اسے پسند کرتی ہے اسی کے ساتھ منگنی کر دو۔
پاری کو ان کا یہ مشورہ اور یہ انداز بہت ہی برا لگا۔
وہ زیادہ ان کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی وہ وہاں سے کھسک گئی۔
اب پارٹی اپنے عروج پر آ رہی تھی پہلے تو سارے عمر جوڑوں نے ڈانس کیا ضعیف لوگوں کو بھی فلور پر کھڑا کیا گیا اس کے بعد نوجوانوں کی باری آئی رات کو دو بجے تک یہ حلہ گلہ ہوتا رہا۔۔۔۔۔۔۔پھر ایک ایک کر کے مہمان رخصت ہوئے۔غلام رسول بھاگ بھاگ کر چیزیں سمیٹ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔
پاری بھی ایک عرصہ بعد اس طرح خوش ہوئی تھی۔ایک طویل عرصے بعد اس نے یہ خوشی دیکھی تھی موج نے اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر اسے پیار کیا اور کہا۔
ماما تھینک یو ویری مچ آج کی شاندار پارٹی کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گی میری فرینڈ بہت امپرس ہو کر گئی ہیں۔
اور پاپا۔۔۔۔۔۔۔دوڑ کر اس نے باپ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔۔۔۔۔۔۔
تھینکس پاپا۔۔۔۔۔۔۔اس چھٹی کی رات آپ ٹور پر نہیں گئے اور یہ ڈنر ایک بھرپور پارٹی میں بدل گیا۔۔۔
میری تم خوش ہو بس یہی ہماری تمنا ہے ڈیوڈ نے کہا۔۔۔۔۔۔۔
جانی، ایک طویل عرصے بعد ہم نے ایسی خوشی دیکھی ہے آج تو یوں لگتا ہے کہ بیس بائیس برس کی تھکن اتر گئی ہے۔ پاپا ہر سال ایسی پارٹی کیا کریں گے، ہے نا پاپا۔۔۔۔۔۔۔۔
یہاں ڈارلنگ۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ نے کہا۔۔۔۔۔۔۔تم بھی ہمیشہ ایسے ہی شاندار نمبر لے کر فرسٹ آتی رہنا۔تم نے آج ہمارا سر فخر سے اونچا کر دیا میری!

مومی نے گریجوایشن کرتے ہی ساؤتھ ایشیا ریسرچ سنٹر اور سٹڈی سرکل میں داخلہ لے لیا تھا۔ وہ جنوبی ایشیا کے ملکوں پر ریسرچ کرنا چاہتی تھی وہ ان کی سائیکی جاننا چاہتی تھی ڈیوڈ نے بہت کہا کہ وہ فائن آرٹس جیسے کسی مضمون میں ایم۔اے کر لے۔اپنے آپ کو تردد میں نہ ڈالے۔زندگی میں آسانیاں پیدا کرے۔

دراصل ڈیوڈ نہیں چاہتا تھا کہ میری اپنی ماں والی شوق اور لگن کی راہ اختیار کرے،مگر میری مانی ہی نہیں وہ کہنے لگی میں جاننا چاہتی ہوں ان ملکوں کو تیسری دنیا کیوں کہا جاتا ہے۔یہ اتنے پسماندہ کیوں ہیں۔سارے زمینی وسائل ہونے کے باوجود یہ ملک بڑی طاقتوں کے مقروض کیوں ہوتے ہیں۔ترقی حاصل کرنے کی بجائے آپس میں کیوں لڑتے رہتے ہیں۔یہاں سیاسی استحکام کیوں نہیں ہے،آئے دن کینیڈا اور امریکہ کے ٹیلی ویژن پر ان کی زبوں حالی کی فلمیں کیوں دکھائی جاتی ہیں۔۔۔۔وہ ایم۔اے کر کے ان ملکوں میں جانا چاہتی تھی۔خصوصیت سے وہاں کی عورتوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھی۔

گذشتہ سال اس نے داخلہ لے لیا تھا۔یہ اس کا دوسرے سال تھا اس نے اپنے ڈیڈی کو بتایا تھا کہ ہر سال ان کی کلاس کے طلباء اور طالبات کو سکالشپ دے کر ان ملکوں میں ریسرچ کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔جب اس کی بارے آئے گی وہ پاکستان اور بنگلہ دیش جانا پسند کرے گی۔

ڈیوڈ نے صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ اکیس برس کی نہیں ہو جاتی اسے تنہا سفر کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی پچھلے سال جب اس نے اپنی بیسوی سالگرہ منائی تھی تو پاری اور ڈیوڈ نے اسے اپنی علیحدہ کار لے دی تھی۔اب وہ یونیورسٹی میں اپنی کار پر ہی جاتی تھی۔آج اس وقت وہ ائیر پورٹ پر کھڑی ماں کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔

پاری پچھلے تین ہفتوں سے کیلی فورنیا گئی ہوئی تھی۔وہاں اس نے دو چار آپریشن کرنے تھے اور مختلف ہسپتالوں میں بچوں کی بیماریوں پر لیکچر بھی دینا تھے۔یوں ہو ہر رات سونے سے پہلے انٹرنیٹ پر مومی سے بات کر لیتی تھی۔

پاری جب ائیر پورٹ سے نکل کر باہر آئی تو مومی نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کمزور اور بیمار لگ رہی تھی مومی آگے بڑھ کے ماں کو ملی سامان پکڑ کے موٹر میں رکھا۔پاری آگے بیٹھ گئی۔اس نے موٹر اسٹارٹ کی اور پوچھا۔

ماما۔۔۔۔۔آپ مجھے کچھ کمزور لگ اور بیمار لگ رہی ہیں،کیا وہاں کام زیادہ کیا دل نہیں لگا؟

میں وہاں بیمار ہو گئی تھی مومی۔۔۔۔۔بلکہ کچھ دن ہسپتال میں بھی داخل ہونا پڑا۔مگر آپ نے مجھے تو نہیں بتایا۔۔۔۔۔۔ہر رات معمول کے مطابق بات کرتی رہیں۔

کیا بتاتی تمہیں۔۔۔۔۔خواہ مخواہ پریشان کرتی۔تم نے ہدایات دے دے کر میری جان عذاب میں کر دینی تھی او رپھر تمہیں معلوم ہے میں تو پہلے ہی ڈاکٹروں کے نرغے میں تھیں۔طبیعت خراب ہوتے ہی مجھے پکڑ کے بستر پر لٹا دیا۔وہ وہ ٹیسٹ ہوئے۔۔۔۔۔۔ایسی ایسی آؤ بھگت ہوئی کہ کیا بتاؤں۔۔۔۔۔میں انہیں کہتی رہی،مجھے گھر بھیج دو۔۔۔۔۔مگر جب تک میں ٹھیک نہیں ہوئی۔۔۔۔۔۔۔انہوں نے مجھے آنے نہیں دیا۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے آپ ٹھیک ہو گئیں ماما۔۔۔۔۔اب آپ ایک مہینہ گھر پر آرام کریں۔

آرام تو کروں گی مگر ایک مہینہ بہت زیادہ ہے مومی۔۔۔۔۔۔

او ماما۔۔۔۔۔۔۔مومی بڑے جوش میں بولی آپ کو مبارک ہو آپ کو اگلے سال نوبل پرائز مل رہا ہے۔۔۔۔

پاری مسکرائی۔۔۔۔۔ہمارے لیے کتنے فخر اور اعزاز کی بات ہے میں نے تو خبر ملتے ہی ساری یونیورسٹی میں شور مچا دیا تھا۔

اچھا خبر مل گئی تم لوگوں کو۔۔۔۔۔۔

وجی۔۔۔۔۔ہم نے کیلی فورنیا ٹی۔وی پر آپ کا انٹرویو بھی سنا تھا ماما یو آر گریٹ۔آئی ایم پراؤڈ آف یو۔۔۔

یہ تو ہم نے ٹی۔وی پر سنا کے آپ اب تک دس ہزار بچوں کے کامیاب آپریشن کر چکی ہیں۔ونڈرفل۔۔۔۔۔۔

بیٹا میں نے یہ کام تشہیر کے لیے نہیں کیا تھا ایک مشینری سپرٹ کے ساتھ کیا تھا۔

پر ماما کمال ہے۔۔۔۔۔۔آپ نے ٹی۔وی پر کتنی اچھی باتیں کیں،میں اور پاپا سن کر بہت خوش ہو رہے تھے۔

پاپا نے سنا تھا انٹرویو۔۔۔۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 60

ہاں ماما۔۔پاپا ہی نے تو مجھے آ کر بتایا تھا کہ آج رات تمہاری ماما ٹی۔وی پر آ رہی ہیں، آپ نے تو بتانا پسند ہی نہیں۔
اب اپنے منہ سے میں خود کیا کہتی۔۔۔۔۔۔
ہم آپ کے کچھ نہیں لگتے ماما۔۔۔۔۔۔ہم ہی تو خوش ہونے والے ہیں۔اور پاپا کو بھی پتہ نہ لگتا اگر ان کی وہ روزی نہ انہیں بتاتی۔۔۔۔۔۔یہ کہہ کر مومی ایک دم چپ ہو گئی۔
مومی یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔؟ پاری نے فکرمندی سے پوچھا۔
مومی تھوڑی دیر اسی انداز میں کار چلاتی رہی۔۔۔۔۔۔پھر بولی۔
ماما۔۔۔۔۔۔مجھے سب پتہ چل گیا ہے، افسوس تم مجھے ابھی تک بچی سمجھتی ہو۔۔۔۔۔۔۔اسی لیے تم ساری زندگی مجھے یہی کہتی رہیں کہ جمعے کی رات سے لے کر اتوار کی شام تک تمہارے پاپا کاروباری ٹور پر جاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ماما جب سے مجھے اپنی کار مل گئی ہے، میں بھی شہر میں گھومتی ہوں، میں نے پاپا کو کئی بار روزی کے ساتھ بازاروں میں گھومتے ہوئے دیکھا تھا۔۔۔۔۔۔میں نے روزی کا نمبر ٹریس آؤٹ کر لی۔آپ کے پیچھے ایک روز پاپا کو وہاں فون کر دیا۔۔۔۔۔۔
کار میں تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی۔۔۔۔۔۔
مومی نے پھر بولنا شروع کر دیا۔۔۔۔۔۔پاپا تو خیر تھوڑے سے شرمندہ ہوئے۔۔۔۔۔۔۔اور اسی روز مجھے بتایا کہ آپ کا انٹرویو آنے والا ہے اور وہ گھر میں میرے ساتھ بیٹھ کر دیکھیں گے۔
پھر ایک دن میں نے روزی کو فون کر دیا۔
اومومی۔۔۔۔۔۔تم حد کرتی ہو۔بالآخر پاری بولی۔
مجھے معلوم ہے اب آپ کیا کہیں گی۔مگر میں روزی سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اتنے سالوں سے اس نے میری ماں کی زندگی کیوں برباد کر رکھی ہے اور اس کے حق پر کیوں ڈاکہ ڈالا ہوا ہے کیا اسے میرے پاپا کے علاوہ کوئی اور مرد نہیں ملا تھا۔۔۔۔۔۔
پاری کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
وہ بولی۔۔۔۔۔۔میں نے بھی تمہاری ماں جیسی عظیم عورت دنیا میں نہیں دیکھی اس کو معلوم ہے اس کا شوہر میرے ساتھ راتیں گزارتا ہے مگر وہ چپ رہتی ہے ایک لحاظ سے اس نے تمہارے پاپا کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ میرے پاس آ جایا کرے۔بہتر ہو گا تم اپنی ماں سے بھی پوچھو۔۔۔۔۔۔وہ تمہارے پاپا سے لاپرواہ کیوں تھی۔
کیوں اس سے اجتناب برتتی رہی۔۔۔۔۔۔یا سب کچھ جانتے ہوئے اسے کیوں کھلی چھٹی دے دی ۔۔۔۔۔۔اگر تمہارا پاپا واپس چلا جاتا تو میں یقیناً دوسرا مرد ڈھونڈ لیتی۔۔۔۔۔۔
ماما۔۔۔۔۔۔یہ کہنے کے بعد معلوم ہے اس کمینی عورت نے کیا کہا۔۔۔۔۔۔
پاری چپ رہی۔۔۔۔۔۔
بولی۔۔جب تمہاری عظیم ماں ان باتوں کا جواب دے دے۔۔تو مجھے ضرور بتانا۔میں نے ایسی مٹی ہوئی عورت پہلی بار دیکھی ہے۔۔۔جبکہ وہ خوبصورت بھی ہے اور ٹیلینٹڈ بھی۔۔۔۔؟
ماں، بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا؟۔۔۔۔۔۔بولو نا؟۔۔۔۔۔۔۔۔
پاری نے ساڑھی کے پلو کے ساتھ آنسو صاف کئے اور بولی۔تم بھی کیا بے وقت قصہ لے بیٹھی ہو مومی۔۔۔۔۔۔
یہ بے وقت نہیں ہے ماں میں اندر سے کھول رہی ہوں ابھی میں نے پاپا سے کچھ نہیں کہا۔مگر وہ میری خوشامد میں لگے رہتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ میں اندر سے ناراض ہوں۔
بیٹا اب اپنے پاپا سے کچھ نہ کہنا۔۔۔۔۔۔اب وقت گزر گیا ہے۔۔۔۔۔۔
میرا مطلب ہے مشکل وقت گزر گیا ہے۔۔۔۔۔۔گزری ہوئی باتوں پر افسوس نہیں کرنا چاہیے۔۔۔۔۔۔اصل بات یہ ہے مومی۔۔۔۔۔۔ایسی شادیاں نبھتی نہیں ہیں۔ویسے تو ہر ازدواجی زندگی میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہوتی ہے ۔۔۔۔۔۔اختلاف اور رنجش اور رنجشیں بھی ہوتی ہیں مگر بیٹی جہاں دو مختلف مذاہب ہوں وہاں بات چلتی نہیں۔جوانی کے جوش میں دونوں فیصلہ کر لیتے ہیں۔
مگر بعد میں دونوں بکھرنے لگتے ہیں۔
ماما۔۔۔۔۔۔تم نے پاپا کو مسلمان کر لیا تھا۔
شادی کے بعد ممکن نہیں تھا۔۔۔۔۔۔
تو تم کرسچن ہو جاتیں مومی نے کہا۔

تم کیا جانو۔۔۔۔۔۔کلمہ اندر غل مچائے رکھتا ہے جس کسی نے بھی یہ کلمہ پڑھ لیا ہے وہ کوئی دوسرا مذہب اختیار نہیں کر سکتا میرے اندر سے ایک لمحے کے لیے بھی کلمہ نہیں نکلا۔۔۔۔۔۔کیا بتاؤں تجھے کیا ہوتا رہا ہے میرے اندر۔۔۔۔۔۔اندر کی آوازوں سے بچنے کے لیے میں اپنے پیشے میں ڈوب گئی۔۔۔۔۔تمہارے پاپا اور بچے چاہتے تھے مگر ایسی شادیوں میں بچے مشکل میں پھنس جاتے ہیں ایک بچے کو تو سنبھالا جا سکتا ہے زیادہ کے ساتھ کئی مسائل پیدا ہو جاتے یہیں خاص طور سے اگر بیٹا ہو۔۔۔۔۔۔بس یہیں سے تمہارے پاپا کا میرے ساتھ اختلاف شروع ہوا تھا۔۔۔۔۔۔

ماں۔۔۔۔۔۔تم دونوں علیحدگی اختیار کر کے پھر اپنی زندگی شروع کر لیتے۔۔۔۔۔۔۔

نہیں میری بچی۔۔۔۔۔۔میں تمہیں تقسیم نہیں کر سکتی تھی۔تمہاری خاطر اس زندگی سے سمجھوتا کیے رکھا۔اب ایک گھر میں رہتے ہوئے تمہاری دو شخصیتیں بن رہی ہیں۔تمہارا باپ تمہیں میری کہتا ہے۔میں تمہیں مومی کہتی ہوں عجیب نہیں لگتا۔۔۔۔۔نہیں ماما۔۔۔۔۔۔شروع میں لگتا تھا جب وہ میری سمجھ میں آ گئی تو اب بلکہ اچھا لگتا ہے لیکن تم فکر نہ کرو دوہری شخصیت نہیں ہے۔یونیورسٹی میں، میں صرف ''مریم پارسا'' ہوں۔

مومی اپنے گھر کے اندر داخل ہوئی۔

مومی بیٹا! اب اپنے پاپا کے سامنے کوئی بات نہ کرنا۔

ویلکم ہوم۔۔۔۔۔۔ہماری ہیروئن آ گئی۔۔۔۔۔۔

پاری ہنستی ہوئی اتری۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ بولا۔۔۔۔۔۔تم نے شہر میں ہمارا نام اونچا کر دیا پاری۔۔۔۔۔۔میں تو دفتر میں مبارکباد وصول کر کر کے تھک گیا ہوں۔

وہ تینوں صدر دروازے سے اندر داخل ہوئے سامنے میز پر ایک بہت بڑا بقچہ پڑا تھا ڈیوڈ نے اٹھا کے کہا ۔۔۔۔۔۔یہ تمہاری نذر ہے پاری۔۔۔۔۔

پاری بقچے پکڑ کے ہنسنے لگی۔عجیب سلوک ہو رہا ہے آج میرے ساتھ۔۔۔۔۔۔میرے گھر والوں کو کیا ہو گیا ہے۔

ماما بہت کم خوش نصیب ہوتے ہیں جن کی قدر گھر والے بھی کرتے ہیں۔

ٹھہری جی ٹھہریں۔۔۔۔۔غلام رسول دوڑتا آیا۔

اس کے ہاتھ میں گلاب کے پھول کا لمبا ہار تھا۔

یہ ہار کہاں سے لائے غلام رسول ڈیوڈ نے پوچھا۔

کہاں سے لانا تھا جی۔۔۔۔۔۔جس دن سے باجی جی کے ایوارڈ کی خبر سنی ہے اپنے گارڈن کے پھول جمع کر رہا تھا صبح بیٹھ کے ہار پرویا ہے جی۔۔۔۔۔۔

غلام رسول نے آگے ہو کر ہار پاری کے گلے میں ڈال دیا۔

ہمارے ہاں تو جی ہار گلے میں ڈال کر مبارکباد دیتے ہیں۔ہم نے پاکستانی طریقے سے ہی مبارکباد دینا تھی۔

پاری ہار اتارنے لگی تو اس نے کہا۔۔۔۔۔۔

باجی ابھی نہ اتاریں میں ایک تصویر بنا لوں پہلے۔۔۔۔۔۔

مومی بولی میں اپنے کیمرے سے تصویر بناؤں گی سب بیٹھ جائیں گے۔

سب نے باری باری پاری کے ساتھ بیٹھ کر تصویریں بنوائیں۔

پاری تھکے ہوئے انداز میں بولی۔لگتا ہے میرے کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے گھر والے پھول پہنانے لگے ہیں۔

باجی جی۔۔۔۔۔۔منہ سے اچھی بات نکالیں۔غلام رسول کھڑا ہو گیا۔میں نے آپ کا منہ میٹھا کرنے کے لیے رس ملائی بنائی ہے لاتا ہوں وہ دوڑ کر کچن میں چلا گیا پاری نے ہار اتار کے میز پر رکھ دیا۔

ماما۔۔۔۔۔ایک بات کان کھول کے سن لیں۔ایوارڈ کی تقریب میں، میں اور پاپا آپ کے ساتھ جائیں گے ۔۔۔۔۔۔پھر میں ٹی۔وی کو اپنے تاثرات دوں گی اور لوگوں کو بتاؤں گی کہ میری ماما کیا چیز ہیں۔۔۔۔۔۔

کیا خبر تمہیں ایوارڈ لینے جانا پڑے۔۔۔۔۔۔یہ کہہ کر پاری اپنے کمرے میں چلی گئی۔۔۔۔۔مومی اور ڈیوڈ معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

ماما نے کیا کہا ہے پاپا۔۔۔۔۔۔؟

شاید وہ بہت تھکی ہوئی ہے۔جاؤ کمرے میں جا کر اس کی ہیلپ کرو۔ڈیوڈ نے کہا۔

ماما۔۔۔۔۔۔ماما۔۔۔۔۔۔شور مچاتی مومی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔۔۔۔۔۔اور ماموں انکل ماما کہا ہے؟ اس نے چیخ کر پوچھا۔۔۔۔۔

اپنی سٹڈی میں ہیں جی۔۔۔۔۔پاری کمپیوٹر کے آگے بیٹھی اپائنٹمنٹس دیکھ رہی تھی۔پاری نے اپنے اور مومی کے

کمرے کے درمیان ایک چھوٹی سی سٹڈی بنائی ہوئی تھی۔مومی ہانپتی اور بھاگتی ہوئی اندر پہنچ گئی۔۔۔۔۔۔۔
یہاں چھپی بیٹھی ہیں اور میں ساری دنیا میں آپ ڈھونڈ رہی ہوں۔۔۔۔۔۔
ہاں میری ماں۔۔۔۔۔۔ پاری نے ہنس کر۔۔۔۔۔۔۔۔ اتنی سمٹ گئی تیری دنیا کہ اس کمرے میں آ گئی
۔۔۔۔۔۔۔بول۔کیا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔۔
مومی آ کر پاری سے لپٹ گئی۔۔۔۔۔۔۔ماما تم کبھی کبھی مجھے ماں کیوں کہتی ہو۔۔۔۔۔۔۔بتاؤ نا؟
تمہیں پتہ نہیں ہے پاری بولی۔ایک وقت آتا ہے جب بیٹی ماں بن جاتی ہے اور ماں بیٹی بن جاتی ہے۔۔۔۔۔۔
یہ کیسے ممکن ہے ماما۔۔۔۔آپ کبھی کبھی۔۔۔۔۔۔۔نہ سمجھ میں آنے والی باتیں کرتی ہیں؟۔۔۔۔۔۔
سنو!ماں کی سب سے بڑی رازدار اور غمگسار بیٹی ہوتی ہے اور بیٹی کی سب سے بھروسے اور سہارے کی جگہ ماں ہوتی ہے۔ماں بیٹی کا رشتہ ایسے ہے جیسے خالق تخلیق کا رشتہ۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں مومی تو نہ ہوتی تو شاید میں مر جاتی۔۔۔۔۔۔
ماما۔۔۔۔۔کچھ عرصے سے تم بڑی مایوسی کی باتیں کرنے لگی ہو،میں نے منع کیا تھا نا؟
اچھا سنو!میں تمہیں ماں اس لیے کہتی ہوں کہ تمہاری شکل بالکل میری امی پر ہے۔
اس کا مطلب ہے آپ کی امی بہت خوبصورت تھیں۔۔۔۔۔۔۔
شیطان۔۔۔۔گدھی۔۔۔۔شریر۔۔۔۔۔۔۔پاری نے ایک چپت ماری۔اپنے مطلب کی بات بڑی سمجھ میں آجاتی ہے۔۔۔۔۔ایک اور بات بھی ہے مومی۔۔۔۔۔۔جس رات تم پیدا ہوئیں اس رات میری امی فوت ہوگئیں مجھے ایسے لگا جیسے تم نے میری ماں کی جگہ لی ہے۔۔۔۔۔اسی لیے میں کبھی کبھی تمہیں دلار سے ماں بھی کہتی ہوں۔
او کے ماں۔۔۔۔۔او کے۔۔۔۔۔اوہو،اب میں کیا کروں گی۔۔۔۔۔۔
او کے بیٹے او کے۔۔۔۔۔۔پھر دونوں قہقہے لگا کر ہنسنے لگیں۔اسی وقت ڈیوڈ اندر داخل ہوا تھا اور سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آ رہا تھا۔ماں بیٹی کی ہنسی کی آواز سنی تو وہیں دروازے میں رک گیا۔مومی اور پاری کی اس طرف پیٹھ تھی۔اس لیے انہیں ڈیوڈ کی آمد کا پتہ ہی نہیں چلا۔۔۔۔۔۔۔
مومی بولی۔۔۔۔۔۔ماما،میں تو آپ کو خوش خبری سنانے کے لیے آئی تھی۔پتہ ہے یہ میرا فائنل ائیر ہے نا؟مجھے ریسرچ کرنے کے لیے پاکستان بھیجا جا رہا ہے تین ماہ کے لیے۔سکالرشپ بھی ملے گا۔
تم نے پاپا سے پوچھا۔۔۔۔۔پاپا کو تو میں نے یونیورسٹی سے فون کر دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اب میں اکیس سال کی ہونے والی ہوں۔
پھر انہوں نے کیا کہا۔۔۔۔۔۔پاری نے پوچھا۔۔۔۔۔۔
انہوں نے پاکستان جانے کی اجازت تو دے دی ہے مگر ساتھ میں ایک اور بات بھی کہہ دی ہے۔
کیا بات کہہ دی ہے۔۔۔۔۔۔؟
ماما۔۔۔۔۔۔وہ ولیم ہے نا؟۔۔۔۔۔۔پاپا کہتے ہیں اس کے بارے میں اپنا فیصلہ بتاتی جاؤں۔
کیسا فیصلہ۔۔۔۔۔پاری بولی۔
ماما وہ پچھلے دو سال سے مجھے مل رہا ہے وہ میرا اچھا دوست ہے جب آپ ٹور پر جاتی ہیں وہ میرا بڑا خیال رکھتا ہے اس کے ممی پاپا بھی بہت اچھے ہیں۔
مگر۔۔۔۔۔۔
مگر کیا۔۔۔۔۔۔؟پاری نے پوچھا۔
مگر میں اس کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔
کوئی خاص وجہ۔۔۔۔۔۔
بس ماما۔۔۔۔۔پاپا نے پہلے بھی مجھے کہا تھا میں اسے اس نظر سے دے دیکھوں؟
(پاری کو دکھ ہوا کہ ڈیوڈ نے اس بات میں اسے شامل نہیں کیا)

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 61

میں نے اس کے ساتھ خوب گھوم پھر کر دیکھا ہے وہ بڑا عام سا لڑکا ہے ۔وہ امپریس نہیں کرتا فیس نیٹ نہیں کرتا ۔
مومی ضروری نہیں کہ جو امپریس نہ کرتے ہوں وہ اچھے شوہر نہ بن سکتے ہوں ۔تم اسے ابھی اور دیکھو۔۔۔۔۔۔
اور کیا دیکھوں ماما۔۔۔۔۔ دو سال ہو گئے اس سے ملتے ہوئے ۔اسے دنیا کا کچھ پتہ نہیں ۔اس کے اندر سپارک نہیں ۔وہ ایک بندھی ٹکی زندگی کا قائل ہے ۔اپنے گھر سے باہر اسے کچھ پتہ نہیں ۔اس کا کوئی آدرش نہیں ۔اس کی کوئی خاص خواہش نہیں وہ میرے ساتھ شادی بھی اس لیے کرے گا کہ اس کے والدین کی یہ تمنا ہے ۔
یہ تو عجیب باتیں نہیں ہیں ۔شادی کے لیے سیدھے سادھے مرد ہی اچھے ہوتے ہیں ۔
نہیں ماما۔۔۔۔۔ اب تم دوست بن کے نہیں۔۔۔۔۔ ماں بن کے بات کر رہی ہو ۔تمہیں پتہ ہے کہ اگر دل نہ مل سکیں تو شادی بے کار ہو جاتی ہے ۔
پھر بھی مومی۔۔۔۔ اتنی جلدی انکار کرنے کی ضرورت نہیں ۔ابھی اور سوچ لو تمہارے پاپا کی یہ خواہش ہے ۔۔
اور آپ۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ ماما۔۔۔۔۔ آپ میرے بارے میں کوئی آرزو نہیں رکھتیں۔۔۔۔۔۔
مجھے صرف تمہاری خوشی درکار ہے مومی۔۔۔۔۔ پاری کھڑی ہو گئی۔۔۔۔۔۔ میں ذرا کمپیوٹر میں اپنے اگلے ہفتے کے پروگرام دیکھنے بیٹھی تھی ۔تم نے مجھے باتوں میں لگا لیا ہے ۔
ماما کبھی تو سنجیدگی سے میری بات بھی سنا کرو ،مومی نے کہا۔۔۔۔۔۔
جونہی پاری کھڑی ہوئی اسے دروازے میں ڈیوڈ نظر آیا ۔ارے۔۔۔۔۔ ڈیوڈ کب آئے تم۔۔۔۔۔ وہاں کیوں کھڑے ہو۔۔۔۔۔ پاری بولی ۔
کب سے کھڑا ہوں ۔اور ماں بیٹی کی باتیں سن رہا ہوں وہ اندر آ گیا ۔
پاپا چھپ کے باتیں سننا بہت برا ہوتا ہے پتہ ہے آپ کو۔۔۔۔۔۔ مومی بھی کھڑی ہو گئی ۔
مگر کبھی کبھی چھپ کے سننے سے بڑا مزا آتا ہے ۔
میں کھانا رکھواتی ہوں ، یہ کہہ کر پاری باہر نکل گئی ۔
ہاں تو پاپا آپ نے ساری باتیں سن لیں ہیں ۔مومی بولی ۔
ساری تو نہیں آخری باتیں سنی ہیں ۔
پھر تو آپ جان گئے ہوں گے پاپا میں ولیم سے شادی نہیں کروں گی ۔
کیوں نہیں کرو گی تمہارا ہم عمر ہے اسمارٹ ہے ،تعلیم یافتہ ہے۔۔۔۔۔۔ اچھی پوسٹ پر ہے اور تمہارا ہم مذہب ہے ۔
بس پاپا۔۔۔۔۔۔ یہاں پہ آپ غلطی کر رہے ہیں ۔میری نظر میں اس کی یہ خوبیاں نہیں ہیں ۔آپ زبردستی کریں گے تو میں اس سے شادی کر لوں گی اور ماما کی طرح کی زندگی گزار لوں گی ۔
نہیں میری۔۔۔۔۔ میں تم پر زبردستی کبھی نہیں کروں گا اچھا تا ؤ ولیم کے بارے میں تمہاری ماما نے تو تمہارے کان نہیں بھرے۔۔۔۔۔۔
پاپا۔۔۔۔۔ مومی نے غصے سے اس کو گھورا۔کتنی دیر سے تو آپ دروازے میں کھڑے سن رہے تھے ۔ماما بے چاری کو تو آپ کے اس پروپوزل کا پتہ ہی آج لگا ہے ۔ڈیوڈ نے ان کی سب باتیں اپنے کانوں سے سن لی تھیں ۔ مگر پھر بھی تصدیق کرنے کے لیے اس نے یہ کہہ دیا تھا۔
ماما تو اب بھی کہہ رہی ہیں کہ میں سوچنے میں تھوڑا اور وقت لے لوں۔۔۔۔۔
تو جلدی کیا ہے؟ ڈیوڈ نے کہا ابھی تم نے پاکستان جانا ہے اپنا تھیسس مکمل کر لو۔
مگر آپ نے جو اسے امید دلا دی ہے ۔وہ بھی روز کہتا ہے پاکستان جانے سے پہلے ہماری منگنی ہو جانی چاہیے پاپا میں اس قسم کا دباؤ پسند نہیں کرتی ۔
میں اسے سمجھا دوں گا میری۔۔۔۔۔ آؤ کھانا کھائیں ۔تمہاری ماں کہہ گئی ہے وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے ، باتیں کرتے ہوئے سیڑھیاں اترنے لگے ۔
پاپا۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے میں کسی مسلمان لڑکے سے شادی کروں گی ۔
ڈیوڈ چونک گیا بولا یہ تمہاری ماما نے کہا ہے ۔
نہیں پاپا۔۔۔۔۔ میں کوئی چھوٹی بچی ہوں اب اکیس برس کی ہو رہی ہوں ۔ہماری کلاس میں مختلف ملکوں کے مسلمان لڑکے بھی پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ بہت مختلف نظر آتے ہیں ۔ان کا Behaviour سب لڑکوں سے مختلف ہوتا ہے جونہی انہیں پتہ چلتا ہے میں مسلمان ہوں وہ فوراً میرا احترام کرنے لگتے ہیں بلکہ میری حفاظت کرنے لگتے ہیں ۔مجھے ان کی یہ عادت بڑی اچھی لگتی ہے ۔

میری تمہیں معلوم ہے نا تمہارے داخلے کے پیپروں میں تمہارا مذہب کرسچن لکھا ہوا ہے۔
میں جانتی ہوں پاپا۔۔۔۔۔مگر آپ شاید نہیں جانتے کہ میں اندر سے مسلمان ہو چکی ہوں؟
کیسے میری۔۔۔۔۔۔؟
انٹرنیٹ پر اسلام کے بارے میں لیکچر سن سن کے۔۔۔۔۔۔وہیں سے میں نے ترجمے کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھا ہے۔میرا دل اسلام کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتا ہے!دونوں ڈائننگ روم میں پہنچ گئے۔
میری کی باتیں سن کر ڈیوڈ دم بخود ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔اس نے اسے پاکستان جانے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ اور اب اسے روکنے کا کوئی جواز بھی نہیں مل رہا تھا۔
مومی کرسی پر بیٹھ گئی۔کھانا شروع کرنے سے پہلے بولی۔ماما نے تو اپنی زندگی دوسرے کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ کبھی انہیں فرصت نہیں ملی مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتائیں انٹرنیٹ پر ایک مصری مولانا آتے ہیں مجھے ان کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں ویسے پاپا آپ دونوں کو تعجب نہیں ہونا چاہیے آدھی مسلمان تو میں پیدائشی تھی باقی اب ہو گئی ہوں۔
مومی ایک مہینے سے اپنی تیاری میں مگن تھی اور آج اس کا پاکستان جانے کا دن آ گیا تھا۔اس نے بڑے چاؤ سے سب کے لیے تحفے خریدے تھے۔
پاری نے پچھلے ماہ جب نیک کو بتایا تھا کہ مومی پاکستان آ رہی ہے نیک بہت خوش ہوئی تھی۔بلکہ اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ غالباً انہی دنوں اس کے بڑے بیٹے جہاں زیب کی شادی بھی ہو گی۔مومی یہ سن کر خوش ہوئی تھی کہ اسے ایک پاکستانی شادی میں شرکت کا موقع ملے گا۔
نیک کا بڑا بیٹا جہاں زیب پاکستان آرمی میں کیپٹن تھا۔جس کا نکاح اس نے اپنے جیٹھ کی بیٹی سے کر دیا تھا۔چھوٹا بیٹا شاہ زیب ڈاکٹر بن گیا تھا۔اور اس نے بھی آرمی کمیشن لے لیا تھا۔نیک نے کئی بار باتوں باتوں میں پاری سے کہا تھا کہ وہ اس کی بیٹی کا رشتہ شاہ زیب سے کرنا چاہتی ہے۔وہ ہمیشہ کہتی تھی۔
پاری، امی ابو کے بعد ہم دونوں بہنیں ہی رہ گئی ہیں۔ہمیں پرانی باتیں بھول جانی چاہئیں۔ایک دوسرے کے قریب آ جانا چاہیے،ورنہ ہمارے بچے تنہا رہ جائیں گے اسی لیے وہ ہر عید اور بقرعید پر مومی کے لیے خوبصورت اور بیش قیمت ڈریسز بنوا کر بھیجا کرتی تھی۔جنہیں مومی بہت پسند کرتی تھی اور شوق سے پہنتی تھی پھر فون پر گھنٹوں شکریے بھی ادا کرتی تھی۔
لیکن پاری ہمیشہ نیک سے کہا کرتی کہ جب تک بچے ایسے فیصلہ خود نہ کریں۔ہمیں نہیں طے کرنے چاہئیں وہ ہمیشہ اپنی مثال دیا کرتی کہ اس نے والدین کی طے شدہ نسبت سے بغاوت کی۔اس لیے اب اسے ازخود کوئی فیصلہ کرتے ہوئے ڈر لگتا۔پھر وہ سمجھتی تھی ڈیوڈ اس رشتے کی ضرور مخالفت کرے گا۔وہ مصلحتاً اس بات کو زبان پر ہی نہ لاتی تھی۔اب جو نیک نے سنا کہ مومی پاکستان آ رہی ہے اور سیدھی اس کے گھر آئے گی تو وہ بہت خوش ہوئی اس نے بتایا شادی کے دنوں میں شاہ زیب بھی آئے گا۔دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لیں گے۔۔۔۔۔۔۔اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہو گا۔
پاری اٹھتے بیٹھے اسے ہدایت دیتی۔۔۔۔۔ایک دن مومی تنگ آ گئی۔
بولی ماں میں پاکستان جا رہی ہوں یا سزا کاٹنے کالے پانی جا رہی ہوں ہر وقت مجھے ڈراتی رہتی ہو۔
ڈراتی نہیں ہوں بیٹی،صرف تمہیں ذہنی طور پر تیار کرتی رہتی ہوں کہیں تم وہاں جا کر گھبرا نہ جاؤ۔۔۔۔۔۔۔
میں گھبرائی تو واپس آ جاؤں گی۔وہ مجھے زنجیریں تو نہیں ڈال دیں گے۔۔۔۔۔۔اور ماں تمہیں وہاں سے آئے بائیس برس ہو گئے ہیں پاکستان کے لوگ بھی اب بہت بدل گئے ہوں گے۔پتہ نہیں تمہیں کیوں سمجھ میں نہیں آتی یہ بات۔۔۔۔۔
پاری کا اداس چہرہ دیکھ کر ایک دن غلام رسول نے کہا۔
باجی جی!ابھی تو چھوٹی باجی صرف چند مہینوں کے لیے پردیس جا رہی ہیں۔اور آپ اتنی اداس ہیں اگر ان کی شادی ہو گئی تو آپ کی کریں گی۔
بس غلام رسول ماں کا دل ایسا ہی ہوتا ہے وہ کہتیں۔
باجی جی۔۔۔۔۔۔اب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوٹی باجی کی شادی نیک باجی کے بیٹے سے طے کر دیں جی۔۔۔۔۔
یہ کیا کہہ رہے ہو غلام رسول۔۔۔۔۔۔؟
باجی جی دو سال پہلے آپ کی چیزیں انہیں دینے گیا تھا تو ان کے دونوں بیٹے دیکھے تھے بہت خوبصورت، اونچے لمبے، اور تمیز دار تھے جی۔۔۔۔۔۔۔مجھے بھی آ کر ملے تھے۔نیک باجی نے انہیں بتایا کہ مومی کا ماموں آیا ہے۔تو

وہ مجھے ماموں جی کہنے لگے تھے۔
غلام رسول شاید میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا ان کے بڑے بیٹے جہاں زیب کی نسبت تو چچا کے گھر طے ہوگئی ہے۔
جی چھوٹے صاحب بھی بہت اچھے ہیں جی۔۔۔۔۔۔
اچھا اب تم اپنا منہ بند رکھو۔۔۔۔۔۔بچوں کے فیصلے اس طرح نہیں کیے جاتے۔
ایسے ہی ڈیوڈ سن لیں گے تو برا مانیں گے۔
پاری نے دل پر پتھر رکھ کر مومی کو پاکستان بھیج دیا تھا ڈیوڈ نے بہت کہا کہ تم بھی اس کے ساتھ چلی جاؤ۔اور نہیں تو دو ہفتے وہاں رہ آؤ۔مگر پاری نے انکار کر دیا۔اس نے کہا ماں باپ کے بعد وہاں جانے کا حوصلہ نہیں رہا۔جاتے وقت پاری نے ہر ایک کے لیے اور نئی دولہن کے لیے بے شمار تحائف بھی لے کر دیئے تھے۔اور پھر اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے اس نے مومی کو ایک نیلا لفافہ دیا تھا۔اور رازدارانہ لہجے میں کہا تھا۔وہاں میرا ایک رشتے دار تمہیں ملے گا اس کا نام ہے غزالی یہ لفافہ اسکی امانت ہے جاتے ہی اسے مت دے دینا۔جب اس کے ساتھ اچھی طرح بے تکلفی ہو جائے تب اسے دینا۔اس میں ڈالر ہیں اسے سنبھال کر رکھنا۔۔۔۔۔۔۔
مومی نے وہ نیلا بند لفافا بہت احتیاط سے اپنے سوٹ کیس کی ایک تہہ میں رکھ دیا تھا۔جب تک پاکستان پہنچ کر مومی کا فون نہیں آ گیا،پری بے چین رہی نہ اس نے کھانا کھایا اور نہ ہی آرام کیا۔۔۔۔۔۔
''مومی۔۔۔۔۔نے ہنستے ہوئے کہا،ماں: میں پہنچ گئی ہوں نیک خالہ بالکل آپ کی طرح ہیں آپ کا دوسرے روپ ہیں ایک دو دن آرام کر کے روزانہ انٹرنیٹ پر آپ سے ملاقات کیا کروں گی ابھی میرا کمپیوٹر بند ہے۔''
یوں تو پاری نے زندگی کی ہر سختی جھیل لی تھی۔مگر جب سے مومی پاکستان گئی تھی یوں لگتا تھا پاری اندر سے ٹوٹ گئی ہے جیسے ہار گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔جیسے تھک گئی ہے۔کبھی کبھی اسے ایسے لگتا جیسے وہ زندگی بھر مومی سے نہ مل سکتے گی۔مومی گویا اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔اس کی پہنچ سے نکل گئی۔فوراً اسے اپنے والدین کا خیال آ جاتا اور وہ لرز جاتی کہ جب وہ ان کی پہنچ سے نکل گئی ہوگی تو کس کس طرح وہ نہ تڑپے ہوں گے۔۔۔۔۔۔وہ پچھتاووں کی ایک ٹھنڈی جھیل میں اتر جاتی جہاں چاروں طرف غبار ہی غبار ہوتا اور کسی طرف سے بھی نکلنے کا راستہ نہ ملتا ۔۔۔۔۔۔۔اسے کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا وہ یادوں کی شام میں گھر گئی ہ شام بڑی بوجھل ہوتی ہے اداس ہوتی ہے اور گریزاں بھی ہوتی ہے۔
اس مرتبہ اس نے عجلت میں ایک اور کام بھی کر ڈالا تھا جس کے بارے میں اس نے ڈیوڈ کو بالکل نہیں بتایا تھا مومی کو ساتھ لے کر اپنے وکیل کے پاس گئی اور اپنے گھر کی رجسٹری مومی کے نام کر دی تھی۔نہ صرف یہی بلکہ اپنے ذاتی اکاؤنٹ میں مومی کا نام شامل کر دیا تھا اور بینک میں اپنا لاکر بھی مومی کے نام کر دیا تھا۔مومی دستخط کرنے کے دوران برابر احتجاج کرتی رہی اور کہتی رہی۔
ماما آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں۔۔۔۔۔؟تو وہ جواب دیتی۔
مومی یہ سب کچھ میں نے تیرے لیے بنایا تھا اب تو اکیس برس کی ہوگئی ہے میں چاہتی ہوں تمہیں ان سب چیزوں کا شعور آئے اور تم ان کے انتظامات خود سنبھالنے کے قابل ہو جاؤ۔
پر ماما۔۔۔۔۔ابھی تو تم سنبھالو نا؟ابھی تو مجھے بہت پڑھنا ہے۔
اس سے کیا ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔تم شادی سے پہلے ان چیزوں کو اپنی ملکیت میں لے لو۔
واواہ۔۔۔۔۔تاکہ کوئی بھی بندہ ان کے لالچ میں مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے۔
مومی تم اتنی نادان نہیں ہو کہ اپنا ساتھی منتخب کرنے میں غلطی کرو۔۔۔۔۔۔
ماں۔۔۔۔۔۔مومی تھوڑی دیر چپ رہ کر بولتی۔
ماں میں نے سنا ہے جو غلطیاں مائیں کرتی ہیں انہیں بیٹیاں ضرور دہراتی ہیں۔پاری کانپ گئی،خدا نہ کرے کبھی ایسی بات بھی منہ پر نہ لانا۔۔۔۔۔۔تمہارے پاپا اور میرا معاملہ کچھ اور تھا۔۔۔۔۔۔وہ کوئی اور بات تھی ۔۔۔۔۔۔۔اللہ نہ کرے کے ہمارے حالات کی پرچھائیں بھی تم پر پڑے۔
ماں کو اداس دیکھ کر مومی زیادہ بحث نہیں کرتی تھی۔۔۔۔۔وہ جانتی تھی اس کے دور جانے سے ماں پہلے ہی پریشان ہے مگر وہ کیا کرتی۔۔۔۔۔۔اپنی ڈگری کے حصول کے لیے اسے ساؤتھ ایشیا کے کسی ملک پر تھیسس لکھنا تھا اس کے لیے اس نے پاکستان کا انتخاب کیا تھا پاکستان کو دیکھنے کی اسے لگن ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔۔اور اب وہ اس موقع کو ضائع نہ کرنا چاہتی تھی۔
آج جب پاری اپنی ای میل چیک کرنے کے لیے کمپیوٹر کے آگے آ کے بیٹھی تو مومی ادھر لائن پر آ گئی۔۔۔۔۔۔
ماما۔۔۔۔۔۔سن رہی ہو۔۔۔۔۔۔
پاری فوراً لائن پر آ گئی،اور بولی میں سن رہی ہوں۔

ماما: پتہ ہے ائیر پورٹ پر میرے ساتھ کیا ہوا۔ انہوں نے میرا ایک تھیلا گم کر دیا جس میں میرا کمپیوٹر اور ضروری کاغذات تھے ۔۔۔۔۔۔۔ میں نے ائیر پورٹ پر خوب شور مچایا اور صاف کہہ دیا کہ جب تک میرا تھیلا نہیں ملے گا میں ائیر پورٹ سے باہر نہیں جاؤں گی ۔۔۔۔۔۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو صبر کر کے چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک طرف بٹھا دیا اور عملہ اندر باہر بھاگنے لگا دو گھنٹے کی محنت کے بعد میرا تھیلا مل گیا ۔۔۔۔۔۔۔ معلوم ہے کیا ہوا تھا دو فلائٹوں کا سامان ایک ہی کیرج پر آ رہا تھا میرا تھیلا غلطی سے دوسرے جانب اتر گیا۔ ابھی مسافر گئے نہیں تھے اس لیے چھان بین کرنے سے تھیلا مل گیا ۔۔۔۔۔۔۔ جب تک میں لاہور ائیر پورٹ سے باہر نکلی ۔۔۔۔۔۔ سب مسافر جا چکے تھے ۔۔۔۔۔ باہر بالکل سناٹا تھا میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا ۔۔۔۔۔۔۔ پتہ نہیں مجھے کون لینے آیا ہوگا ۔۔۔۔ خدا جانے واپس ہی چلا گیا ہو ۔۔۔۔ کون تھا ۔۔۔۔۔۔۔ اسے کیسے ڈھونڈوں ۔۔۔۔۔ جونہی باہر نکلی ۔۔۔۔۔۔ ٹیکسی ڈرائیور نے میرا گھیراؤ کر لیا ۔۔۔۔ کوئی ادھر سے ۔۔۔۔۔ شور تھا کہ تو بتو ۔۔۔۔۔۔ یوں لگتا تھا یہ سب مجھے اغوا کرنے کی نیت سے آئے ہیں۔ اور اغوا کر کے ہی جائیں گے ۔۔۔۔۔

ماں! تم نے چلتے وقت مجھے بتایا نہیں تھا کہ تمہارے شہر میں ٹیکسی ڈرائیور مسافروں کا یہ حشر کرتے ہیں۔

ہو سکتا ہے ۔۔۔۔۔ تم نے سمجھ لیا ہو کہ اب یہ لوگ بھی تعلیم یافتہ یا تہذیب یافتہ ہو گئے ہوں گے۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 62

ماں مجھے ایک دم سے یاد آ گیا تھا کہ یہ تیسری دنیا کے باشندے ہیں، ان پر صرف انگریزی زبان میں حکمرانی کی جا سکتی ہے۔۔۔۔۔سو میں نے کڑک دار آواز میں ان سے کو انگیریزی میں ڈانٹنا شروع کر دیا، میری جھڑکیاں سن کر سب آہستہ آہستہ پرے ہونے لگے۔۔۔۔۔یوں لگ رہا تھا جیسے میں کسی راج دھانی کی پرنسز ہوں، اور وہ میرے درباری ہیں۔۔۔۔۔۔دل ہی دل میں، میں ڈر بھی رہی تھی۔۔۔۔۔کہ اگر مجھے لینے کے لیے کوئی بھی نہ آیا ہوا۔۔۔۔۔تو یہ ٹیکسی ڈرائیور بھی گنوا بیٹھوں گی۔پر دل کو تسلی تھی کہ نیک خالہ کا فون نمبر ہے اب جا کے فون کرتی ہوں۔۔۔۔۔جونہی میں نے ٹیلی فون بوتھ کی طرف اپنے ٹرالی موڑی۔۔۔۔۔ستون کے ساتھ ایک سٹیچو کھڑا تھا اس نے اپنے اردگرد کالی شال لپیٹی ہوئی تھی۔اس سر کے بالوں میں سفیدی تھی۔اس کا چہرہ بڑا روشن تھا۔ وہ مسلسل مجھے دیکھ رہا تھا اس میں جنبش نہیں ہوئی۔۔۔۔۔بس ہو مجھے کو پلک جھپکے بغیر دیکھے جاتا۔۔۔۔۔مجھے اسکے اس انداز پر غصہ آیا۔میں ٹرالی گھسیٹ کے اس کے قریب لے گئی وہ پھر بھی ٹس سے مس نہیں ہوا۔۔۔۔۔ میں نے اس کی آنکھوں میں گھورا وہ پھر بھی اسی انداز میں دیکھتا رہا۔۔۔۔۔میں نے انگلی سے اسے چھوا اور پوچھا۔۔۔۔۔انسان ہو کے پتھر ہو۔۔۔۔۔؟وہ کھلکھلا کے ہنس پڑا اور بولا۔۔۔۔۔ہو بہو پاری۔۔۔۔ اس پر میں چونک گئی کچھ شرمسار بھی ہوئی۔۔۔۔۔اس نے میری ٹرالی پکڑ لی اور کار پارک کی طرف چلا۔۔۔۔۔میں دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔یوں لگ رہا تھا۔پاری نے دوسرا جنم لیا ہے تمہیں ان لوگوں سے لڑتے ہوئے دیکھنے میں بہت مزا آ رہا تھا۔میں چپ ہی رہی۔یوں مجھے پتہ لگ گیا تھا کہ یہ آپ لوگوں کا کوئی رشتہ دار ہو گا جو اتنی اپنائیت سے پاری کا نام لے رہا ہے۔اس نے اگلا دروازہ کھولا۔۔۔۔۔میں بیٹھ گئی۔۔۔۔۔اس نے کار اسٹارٹ کی۔۔۔۔۔پچھلی رات کے اندھیرے اجالے میں کار لاہور کی سڑکوں پر دوڑنے لگی۔مجھے وہ سڑکیں بہت کشادہ اور بہت خوبصورت لگیں ہر چوراہے پر بتی لگی تھی۔۔۔۔۔سارا شہر سو رہا تھا۔۔۔۔۔مگر عمارتیں جاگ رہی تھیں۔لاہور مجھے بہت ترقی یافتہ لگا۔میں نے پاکستان کے بارے میں کچھ اور ہی سنا ہوا تھا۔اس طرح غور وغوض اور دلچسپی سے باہر دیکھتا پا کر وہ بولا۔یہ شہر دن کے وقت زیادہ خوبصورت لگتا ہے میں تمہیں دکھاؤں گا۔میں نے پلٹ کر کہا۔۔۔۔۔ابھی جو آپ نے شان بے نیازی دکھائی ہے میرے لیے وہ ہی بہت ہے۔۔۔۔۔وہ پھر بس یہی کہتا۔۔۔۔۔بالکل پاری ہو پاری۔۔۔۔۔وہی ہنسی وہی سٹائل۔۔۔۔۔آخر میں مجھے غصہ آنے لگا تو وہ اپنا تعارف کراتا تھا اور نہ میرے بارے میں کچھ پوچھتا تھا۔۔۔۔۔پھر ایک دم میں نے کہا۔۔۔۔۔پاری کے دیوانے آگے بھی کچھ بول۔۔۔۔۔؟ اس نے ایک دم گاڑی روکی۔میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔اور بولا۔۔۔۔۔میں غزالی ہوں۔۔۔۔۔؟تھوڑی دیر تک میں اسے کے کندھے سے لگی رہی پھر اس نے میرا سر چھوڑ دیا اور موٹر چلانے لگا۔میں بھی کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔موٹر میں خاموشی چھائی رہی۔۔۔۔۔باقی راستہ خاموشی میں کٹا۔۔۔۔۔میں کبھی کبھی مڑ کر اس کو دیکھ لیتی۔۔۔۔۔ماں۔۔۔۔۔اس کی آنکھوں سے آنسو اس طرح نکل رہے تھے جیسے تسبیح ٹوٹ جاتی ہے اور اس کے دانے گرنے لگتے ہیں۔۔۔۔۔ماں وہ عجیب آدمی تھا۔۔۔۔۔خیر ۔۔۔۔۔گھر جا کر اس نے سارا پروگرام سن لیا اور کہنے لگا۔میں تمہیں سارا پاکستان دکھاؤں گا تمہارے ساتھ بہتر سٹاف لگا دوں گا اور تم جلد اپنے تھیسس مکمل کرو گی۔مومی مجھے اپنے پروگرام کے بارے میں بتاتی رہنا۔

یہ کہہ کر مومی نے اپنی لائن آف کر دی اور پاری کئی گھنٹے گم صم بیٹھی رہی۔

شام ڈوب رہی تھی اور باہر تھوڑی برفباری شروع ہو رہی تھی۔ڈیوڈ گیراج میں گاڑی پارک کر کے اندر آیا تو اس نے آتش دان کے پاس بیٹھا ہوئی پاری کو دیکھا کمرے کی بتی بند تھی۔مگر آتش دان کی روشنی پاری کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔پاری اس وقت وہاں بیٹھی صدیوں کی مریض لگ رہی تھی۔۔۔۔۔اس کے چہرے کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔۔۔۔۔بال عجیب گھدرے اور مٹیالے سفید لگ رہے تھے۔۔۔۔۔دور سے سے ایسے لگ رہا تھا جیسے بالوں کی مریض بڑھیا وہاں بیٹھی ہے۔

ڈیوڈ گھبرا کے آگے آ گیا۔اور اس نے جلدی سے کمرے کی بتی جلا دی۔

پاری تم اندھیرے میں بیٹھی ہو۔۔۔۔۔

یہ کہہ کر وہ پاری کے قریب آ کر ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

میں تو کب سے اندھیرے میں ہو پاری نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

تمہیں کیا ہوا ہے پاری۔۔۔۔۔تم مریضہ لگ رہی ہو ڈیوڈ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا کر کہا۔

میں بیضوں میں رہ رہ کر شاید میری شکل مریضانہ سی ہو گئی ہے پاری بولی۔

میری بات کو مذاق میں نہ لو پاری۔۔۔۔۔تم مجھے بیمار لگ رہی ہو۔

نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔۔میں بالکل ٹھیک ہوں بڑی خوبی سے اپنا روٹین کا کام کر رہی ہوں۔
کیا تم بیٹے کے لیے اداس ہو گئی ہو؟
یہ جھوٹ نہیں ہے پاری نے کہا۔
پاری ابھی میری کو گئی صرف دو مہینے ہوئے ہیں، اور تم اتنی کمزور ہو گئی ہو، اب جب اس کی شادی ہو جائے گی تو کیا کرو گی۔
پتہ نہیں تب تک میں رہوں گی یا نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔
کیسی باتیں کر رہی ہو، ڈیوڈ نے اٹھ کے سارے کمرے کی بتیاں جلا دیں۔
کمرہ چکا چوند ہو گیا اس نے غلام رسول کو آواز دے کر کہا۔۔۔۔۔۔۔۔
بھیا ذرا گرم چائے تو لانا ہم دنوں کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ پھر پاری کے پاس بیٹھ گیا بولا۔۔۔۔۔۔۔۔
پاری تمہارا رنگ بھی زرد لگ رہا ہے تم مجھے بہت کمزور لگ رہی ہو۔
اصل میں ڈیوڈ ایک عرصہ سے تم نے مجھے غور سے نہیں دیکھا۔ اب دو چار دن سے دیکھنے لگے ہو تو ہر روز تمہیں کوئی نہ کوئی فرق لگتا ہے اگر تمہیں ہمیشہ مجھے غور سے دیکھنے کی فرصت ہوتی تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ اس عمر میں دنوں کے حساب سے فرق پڑتا ہے۔
غلام رسول چائے کی دو پیالیاں لے آیا۔ تپائی ان کے سامنے رکھ کے اس پر پیالیاں رکھ دیں، اور خود چلا گیا۔۔۔
ڈیوڈ نے پاری کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور بولا۔
آئی ایم سوری پاری۔۔۔۔۔آئی ایم ویری سوری۔۔۔۔۔۔میرا خیال ہے ہم دونوں اپنی اپنی انا کی دلدل میں پھنس گئے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔میں بھی تم سے بے پرواہ ہو گیا تھا۔
تم نے میری سزا بھی اپنے آپ کو دینا شروع کر دی۔۔۔۔۔۔۔۔کیوں پاری۔۔۔۔۔۔؟
تم چائے پیو۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے ہاتھ چھڑائے اور پیالی اس کی طرف بڑھائی۔
اب تو وقت گزر گیا ہے ڈیوڈ، پاری بولی۔۔۔۔۔۔۔۔ایک زمانہ تھا، جب لگتا تھا کہ وقت ایک جگہ پر ساکت ہو گی ہے، نہ جانے کیسے گزرے گا۔ کب گزرے گا۔۔۔۔۔۔ مجھے تو لگتا تھا کہ وقت کبھی گزرے گا ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔
ہاں۔۔۔۔۔۔۔۔البتہ کام کرنے سے وقت گزرنے لگتا ہے۔
ڈیوڈ چائے پیتا رہا پھر پیالی رکھ کے بولا۔
پاری یوں لگتا ہے ہم دونوں نے ایک دوسرے کو معاف نہیں کیا۔۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا، کہ میں نے اپنے آپ کو معاف نہیں کیا۔۔۔۔۔ پتہ نہیں کیوں۔۔۔۔۔۔بس یہی خیال رہا کہ مجھے تم سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اپنے ماں باپ کا دل نہیں دکھانا چاہیے تھا۔۔۔۔۔۔ یہ شادی ہی غلط تھی۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ تم اس کرب کو نہیں سمجھ سکتے۔
دنیا میں بہت سے لوگ ایسی فیشن ایبل باتیں کرتے ہیں، کہ مذہب کا انسانی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا اور یہ کہ محبت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ یہ سب وقتی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ لوگ جو دہریہ ہو جاتے ہیں۔ مرتے وقت وہ بھی اعتراف کرتے ہیں، کہ یہ ان کی بھول تھی، اگر مذہب کی کوئی وقعت نہ ہوتی تو صدیوں سے دنیا میں مذہب رائج نہ ہوتے۔۔۔۔۔۔ میں تمہاری باتوں کے سحر میں آ گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔مگر بعد ازاں ازدواجی زندگی میں ہم ٹکرانے لگے تھے۔ میرے اندر سے میرے ماں نہیں نکلی تھی اذان نہیں نکلی تھی، عید اور شب برات نہیں نکلی تھی، خانہ کعبہ کا تصور نہیں نکلتا تھا، میں نے کوشش کر کے دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان مرد سے میری شادی ہو جاتی۔
تو وہاں بھی کسی وجہ سے شادی ناکام ہو سکتی تھی، مگر ہم دونوں۔۔۔۔۔۔اپنے اپنے مذہب کی وجہ سے ایک دوسرے سے دور ہوئے۔۔۔۔۔۔
یہ غلط ہے ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔کہ محبت اور مذہب دو جداجذبے ہیں۔ محبت تو دراصل یہ ہے کہ جس سے تم محبت کرتے ہو اس کے مذہب میں داخل ہو جاؤ ورنہ زندگی بھر محبت اور مذہب جدا ہی رہتے ہیں۔
تم نے مجھ سے کہا تھا میں تمہارے مذہب میں داخل ہو جاؤں۔۔۔۔۔۔۔۔؟ ڈیوڈ نے پوچھا۔
ڈیوڈ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے کہو۔۔۔۔۔۔۔۔میں اگر ایسا کہتی تو کیا اس وقت تم مان لیتے؟
نہیں، ڈیوڈ نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔میں تم سے ایسی توقع نہیں رکھتا۔۔۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ بولا۔
ایک بات ہے، ڈیوڈ، میں نے تمہارے ساتھ کوئی بد دیانتی نہیں کی۔۔۔۔۔۔۔۔نہ تمہارے مال کے ساتھ خیانت کی۔۔۔۔۔۔۔۔نہ کبھی میرے ذہن میں کسی دوسرے کے ساتھ شادی کرنے کا خیال آیا۔۔۔۔۔۔۔۔پاری نے کہا۔

ایک بار تم نے علیحدگی کی بات کی تھی پاری تو میں سمجھا شاید۔۔۔۔۔۔۔
نہیں پاری بولی۔۔۔۔۔۔وہ میں نے تمہارے لیے کہی تھی۔۔۔۔۔۔تمہیں آزادی دینا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔
اور میں بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ تم مجھے چھوڑ کر کسی اور سے شادی کر لو۔
میں اس طبیعت کی نہیں تھی، ہر وقت مومی کی زندگی میرے پیش نظر رہتی تھی۔
میں اپنے کام سے جُت گئی۔۔۔۔۔۔زندگی گزر گئی۔۔۔۔۔۔۔ورنہ شاید منجمد ہو جاتی۔
پاری۔۔۔۔۔۔کاش تم نے یہ ساری باتیں پہلے کہی ہوتیں؟
اب چھوڑو۔۔۔۔۔۔ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔
کیوں پاری۔۔۔۔۔۔میں تلافی کروں گا۔۔۔۔۔۔۔
کیا گزرا وقت آجائے گا۔۔۔۔۔۔۔
کوئی بات نہیں، پھر سے شروع کریں گے، میں اپنا سامان لے آؤں گا پاری پچھلے دس برسوں سے میں روزی کے ساتھ رہ رہا ہوں، تم نے جانتے ہوئے بھی مجھے کچھ نہیں کہا۔۔۔۔۔تمہیں پتہ ہے میری نے جاتے وقت مجھے کیا تلقین کی تھی کہ پاپا اب تم میری ماں کے پاس آجاؤ۔۔۔۔۔۔اور باقی وقت اس کے ساتھ گزارو۔۔۔۔۔۔۔
پاری۔۔۔۔۔۔ہنسی۔۔۔۔۔۔میرا تو وقت رہا نہیں ڈیوڈ۔۔۔۔۔۔۔تم کیوں اپنا وقت برباد کرتے ہو۔
نہیں پاری۔۔ہم پھر سے شروع کریں گے، اپنی بیٹی کی شادی کے بعد ہم دوبارہ اپنی زندگی شروع کریں گے۔
ڈیوڈ میں مومی کے پاکستان جانے کے حق میں نہیں تھی، مگر تم نے اسے بھیج دیا۔
ہماری بیٹی سمجھ دار ہے ڈیوڈ بولا۔
ڈیوڈ سب ماں باپ یہی کہتے ہیں، کہ ہماری بیٹی بہت سمجھ دار ہے مگر بچے بچے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔پتہ نہیں کیوں جب سے مومی گئی ہے۔ مجھے دھڑکا سا لگا رہتا ہے، کہ جانے کیا خبر آجائے۔۔۔۔۔۔؟
تمہیں وہم ہو گیا ہے، کچھ اپنی زندگی کا ردعمل بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔تم نے سنا نہیں تھا ہماری بیٹی نے صاف کہہ دیا ہے کہ میں کسی مسلمان مرد سے شادی کروں گی۔ پاری چپ رہی۔
پہلے شاید میں یہ سمجھنے کا اہل نہیں تھا میری کی شادی اپنی برادری میں کرنا چاہتا تھا اب تمہاری باتیں سنی ہیں تو سمجھ میں یہ بات آئی ہے، کہ ہر لڑکی کے اندر اسکی ماں بیٹھی ہوتی ہے تمہاری ماں تمہارے اندر سے نہیں نکلی۔۔۔۔۔۔۔
تو میری کی ماں اس کے اندر سے کیسے نکلے گی؟
ڈیوڈ تم پاکستان جاؤ اور مومی کو لے آؤ۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ ہنسنے لگا میں نے تم سے کہا تھا، اس کے ساتھ جاؤ تم تو جا نہیں سکیں۔۔۔۔۔۔۔
اب میں نہیں جا سکتی۔۔۔۔۔پاری نے کہا۔
دیکھو دو مہینے تو گزر گئے ہیں، اسکا تھیسس تقریباً مکمل ہو گی ہے اب اس کی ڈسٹرب کرنا ٹھیک نہیں ہے۔۔۔۔
بس مجھے دھڑکا لگا رہتا ہے پاری نے کہا۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ تھوڑی دیر چپ بیٹھا رہا پھر بولا۔۔۔۔۔۔۔
پاری ایک عجیب بات میرے ذہن میں آتی ہے۔۔۔۔۔۔۔
پاری صرف اس کی صورت دیکھتی رہی۔۔۔۔۔۔۔
تم نے کبھی اس طرح سوچا ہے، اگر نیک اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے میری کو مانگ لے۔
پاری نے حیران ہو کر ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔۔۔
ہاں۔۔ہاں۔۔۔۔۔اگر میری کسی مسلمان سے شادی کرنا چاہتی ہے تو وہ تمہاری بہن کا بیٹا کیوں نہ ہو۔۔۔۔
پاری سر جھکا کر رونے لگی۔۔۔۔۔۔۔
تمہارا کیا خیال ہے۔۔۔۔۔۔۔نیک کو یہ رشتہ منظور ہو گا۔ بھئی نیک سے میں خود بات کر لوں گا۔
پاری چپ چاپ روتی رہی۔۔۔۔۔۔۔پھر بولی۔
اپنی بیٹی کو فیصلہ کرنے کا حق دو، وہ ان لوگوں کے درمیان رہ رہی ہے، اس کی رائے کا انتظار کرو۔۔۔۔۔۔۔
بیٹھے بیٹھے پاری ایک دم سر اٹھا کر بولی۔
ڈیوڈ اگر میں مر گئی تو میری آخری رسومات کیسے کرو گے۔۔۔۔۔۔۔؟
یہ کیا کہہ رہی ہو پاری ڈیوڈ گھبرا گیا، بات میری کی شادی کی ہو رہی تھی اور تم اپنی آخری رسومات کا ذکر لے آئی ہو۔
بہر حال یہ بات کبھی نہ کبھی تو کرنی ہی تھی۔۔۔۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com

قسط نمبر 63

ابھی نہیں پاری۔۔۔ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے تم اداس ہوگئی ہو، ہم دونوں مل کے اپنی بیٹی کی شادی کریں گے۔۔
ڈیوڈ میری بات سنو، میری آخری رسومات مسلمانوں کی طرح کرنا اور جب کبھی ایسا وقت آئے مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔
غلام رسول ادھر آؤ۔۔۔۔۔۔۔
ڈیوڈ گھبرا کے کھڑا ہوگیا۔۔۔۔۔۔۔
آج تمہاری باجی جی بہکی بہکی باتیں کررہی ہے، ذرا ٹی۔وی لگاؤ۔۔۔۔۔۔۔
ماحول ٹھیک کرو، میں شاور لے کے آتا ہوں، پھر کھانا کھائیں گے۔
آج رات پاری اپنی ای میل چیک کرنے کے لیے کمپیوٹر کے آگے بیٹھی۔۔۔آج وہ بہت اداس تھی مومی سے بات کرنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔۔نیک کے گھر میں جہانزیب کی شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں تھیں۔۔۔۔۔۔۔
پاری نے لائن آن کی۔۔۔۔۔۔دوسری طرف مومی نے کھڑکی کھول دی۔۔۔۔۔۔باتیں کرنے لگی۔ ماں۔۔۔۔۔۔۔میرے تھیسس مکمل ہوگئے ہیں۔غزالی صاحب نے مجھے ایک مہینے میں پاکستان کا ہر پسماندہ علاقہ دکھا دیا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی، کہ ہر صوبے میں پسماندگی کا ایک ہی معیار ہے۔ ہر صوبے میں غریب اور غریب تر زیادہ ہیں۔ پنجاب بڑا صوبہ ہے، تو پنجاب میں غریبوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ چاروں صوبوں میں امیر، امیر تر ہو رہا ہے۔غریب بدتر ہوتا جارہا ہے۔۔۔۔۔۔۔چاروں صوبوں میں امیروں کا طرز زندگی الگ اور غریبوں کا طرز زندگی الگ ہے۔چاروں صوبوں کے حکمران طبقہ کا وطیرہ ایک ہی ہے۔۔۔۔۔۔یعنی غریبوں کو دبانا اور اپنا اُلو سیدھا کرنا، پھر بھی حیرت ہے، کہ یہاں صوبائی تعصب پایا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔
ماں شادی کی تیاریاں شروع ہوگئی ہیں۔ جہاں زیب اور شاہ زیب دونوں بہت اچھے لگے۔شاید میرے سگے بھائی ہوتے تو بالکل ایسے ہوتے۔ ہر وقت میرا خیال رکھتے ہیں۔بازار لے کر جاتے ہیں۔۔۔۔۔چھوٹی سے چھوٹی فرمائش بھی پوری کردیتے ہیں۔ نیک خالہ نے میرے لیے اتنے خوبصورت کپڑے بنوائے ہیں۔ ہر وقت آپ کو یاد کرتی ہیں بات بات میں کہتی ہیں، پاری ہوتی تو کتنا مزا آتا۔کاش پاری آجاتی۔
ایک اور بندہ بھی ہے جو ہر وقت پاری پاری کرتی رہتا ہے۔ جسے سوتے جاگتے ہوئے میں پاری کی طرح لگتی ہوں۔ماں میں نے اتنا شاندار شخص اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔۔۔۔۔۔وہ ہر بات کا مکمل ہو مجمل جواب دیتا ہے، اس کے پاس ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے، اس کے اندر اتنا ہی سکون اور ٹھہراؤ ہے، جو صرف سمندروں میں ہوتا ہے۔۔۔۔۔ظاہر ہے کہ گہرائی بھی سمندروں والی ہوگی۔ ماں رفتہ رفتہ وہ آدمی میرے حواس پر چھاتا چلا گیا۔۔۔۔۔۔ایک بار میں نے پوچھا۔۔۔۔۔۔پاری کو کس حد تک جانتے ہو۔وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گیا۔۔۔۔۔ماں وہاں تمہارے بچپن اور جوانی کی تصویریں لگی تھیں، تمہارا کمرہ ویسا ہی تھا جیسے تم چھوڑ کے گئی تھیں۔۔۔۔۔وہ تمہارے کمرے میں رہتا تھا۔ میں نے تمہاری اک اک تصویر کو غور سے دیکھا۔۔۔۔۔۔اس کا تصور نہیں تھا، ماں۔۔۔۔۔۔۔میں تو ہو بہو تمہاری تصویر ہوں۔۔۔۔۔۔۔خود میں تمہاری تصویریں دیکھ کر حیران ہوتی رہی۔۔۔۔۔۔ماں وہ پچھلے بائیس برس سے پاری کے ساتھ رہ رہا تھا، پاری کے کپڑے اس طرح الماریوں میں لٹکے تھے۔ میں نے وہ کپڑے پہن کر دیکھے مجھے بالکل فٹ آئے۔ میں نے تمہاری ہر شے اس کمرے میں بیٹھ کر استعمال کی۔۔۔۔۔۔وہ مجھے دیکھ کر مسکراتا رہا۔ماں مجھے تجھ سے بے حد حسد ہوا۔۔۔۔۔۔۔نہ جانے کیسے مجھے تیری جگہ لینے کا جنون ہوا۔۔۔۔۔۔ماں میں نے بے اختیار اسے تجھ سے چھین لینا چاہا۔
ماں وہ چھیالیس برس کا ہے اور میں اکیس برس کی ہوں بہت فرق ہے۔۔۔۔۔۔۔مگر فاصلہ نہیں۔۔۔۔۔۔تم کبھی آکر دیکھو اس کا چہرہ زندگی سے لبریز ہے جیسے پیالہ بھر کے چھلکتا نہیں۔۔۔۔۔۔اس کے قریب میں ابھی تک آنچ ہے جیسے اس نے پہلو میں کوئی کوئلہ دبا رکھا ہو۔ میں نے ایک دن پوچھا پھر یہ بال سفید کیسے ہوئے؟ بولا کسی کے انتظار میں۔۔۔۔۔۔؟ میں نے پوچھا۔۔۔۔۔۔انتظار بارآور ہوا؟ بولا معجز کے منتظر ہوں۔۔۔
ماں میں معجزے کی طرح اس کی زندگی میں شامل ہونا چاہتی ہوں، مجھے نصیحت نہ کرنا نصیحت بے کار ہوگی۔شاید تو نے مجھے اس کے لیے پیدا کیا تھا۔۔۔۔۔۔۔شاید میں اس کے لیے پاکستان آئی تھی۔۔۔۔۔میرے سارے خوابوں کا مرکز وہ بن گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ماما۔۔۔۔۔۔پاپا سے کہہ دو، میں غزالی سے شادی کروں گی۔۔۔۔۔۔۔اگر وہ راضی نہیں تو چپ ہی رہیں، اولاد اس ملک کی ہو یا اُس ملک کی۔۔۔۔۔۔اپنی مرضی کرنے میں آزاد ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔
ماما۔۔۔۔۔ماما۔۔۔۔۔۔بولو نا؟ چپ کیوں ہو۔
۔۔۔۔۔۔۔رو رہی ہوں مومی۔۔۔۔۔۔

کیوں رو رہی ہو ماں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میرے ماں میری مومی میں رو رہی ہوں ۔

ماما دعا دو نا ؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔

مومی ۔۔۔۔۔۔۔تم نے وہ نیلا لفافہ غزالی کو دے دیا تھا ۔

سوری ماں ۔۔۔۔۔۔۔

یاد نہیں رہا ۔۔۔۔۔۔۔

ابھی جاؤ اور لفافہ غزالی کو دے دو ۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اپنے پاپا سے فون پر خود بات کرو ۔۔۔۔۔۔۔۔ جلدی بات کر لو ۔

مومی نے کمپیوٹر بند کیا اور نیک سے اپنا بیگ مانگا ۔ اس نے لاہور آتے ہی اپنے سارے زیورات اور قیمتی کاغذات ایک بیگ میں بند کر کے نیک خالہ کے لاکر میں رکھوا دیئے تھے کیونکہ اسے تو مسلسل سفر میں رہنا تھا اپنا بیگ لے کر اس نے اس میں سے نیلا لفافہ نکالا اور سیدھی غزالی کے کمرے میں چلی گئی ۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ کچھ پڑھ رہے تھے ۔۔۔۔۔۔۔

قریب جا کے بولی ۔۔۔۔۔۔۔

آئی ایم سوری غزالی ۔ ماں نے آپ کے لیے ایک لفافہ دیا تھا اتنے دن مجھے آپ کو دینا یاد نہ رہا ۔۔۔۔۔ آج انہوں نے یاد دلایا ۔۔۔۔۔۔۔۔ تو لے آئی ہوں ۔

تو ۔۔۔۔۔۔۔۔ بالآخر ۔۔۔۔۔۔۔۔ انہوں نے لفافا پکڑ لیا اور بولے ۔۔۔۔۔۔

بالآخر پاری نے میرے لیے کوئی پیغام بھیج ہی دیا ۔۔۔۔۔۔۔۔

غزالی نے لفافہ چاک کیا سو سو ڈالر کے دس نوٹ تھے انہوں نے گنے اور قہقہہ لگا کے ہنسے ۔۔۔۔۔۔۔ نوٹوں کے ساتھ ایک نیلا پرچہ بھی تھا ۔ انہوں نے پڑھا اوپر لکھا تھا ۔۔۔۔۔۔۔

''غزالی ، ان نوٹوں نے زندگی بھر مجھے سہارا دیا ، اب آپ کا قرضہ بمع سود ادا کر رہی ہوں ۔۔۔۔۔۔''

رقعہ پڑھ کے غزالی نے مومی کو مسکرا کے دیکھا اور بس اتنا کہا ۔۔۔۔۔۔۔۔

اپنی ماں سے کہنا سود میں نے قبول کیا ۔۔۔۔۔۔۔

صبح کا وقت تھا برف کی چادر صبح پھاڑ کے صبح نو طلوع ہو رہی تھی پاری رات بھر کروٹیں بدلتی رہی تھی ۔ مومی کے ارادے نے اسے بے قرار کر دیا تھا ۔۔۔۔۔ صبح صبح اٹھ کے وہ لاؤنج میں اپنی مخصوص جگہ پر آ کر بیٹھ گئی تھی ، غلام رسول اس کے آگے چائے رکھ گیا تھا ۔۔۔۔۔۔۔

پاری کو یوں لگا جیسے پاری کے دل میں درد ہو رہا ہے آج کل نہ جانے کہاں کہاں درد ہوتے تھے ۔ وہ اپنی تعبیریں کرتی تھی ۔۔۔۔۔۔۔۔

UrduPoint.com

میں ہوں لفظ درد جس پہلو سے اٹھے درد ہے

شیشے کے اس پار برف کے گرتے پھول دیکھ کر خود اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی ۔ مومی ۔۔۔۔۔ میری بچی تجھے کیا معلوم میں نے تیرے ساتھ کیا ظلم کیا ہے ۔ میں نے تجھے غزالی کی یادوں سے سینچا ہے ۔ جن دنوں تو میری کوکھ میں پرورش پا رہی تھی ، میں بہت دکھی رہا کرتی تھی ۔ نیلا لفافہ مجھے سہارا دیتا تھا اور پھر ایک خیال سبز سائے کی طرح مجھ پر حاوی رہتا تھا ۔۔۔۔۔ اور جب بھی تجھے گود میں لے کر میں اپنا دودھ پلاتی تھی ۔ ماں باپ شدت سے یاد آتے تھے ، اور اس یاد کا آخری مرکز غزالی بن جاتا تھا ، گو اس کے ساتھ میں نے کوئی خوبصورت وقت نہیں گزارا تھا ۔ اس کی یاد کے محض ہیولے تھے ، جو بن جاتے تھے ، مٹ جاتے تھے ۔۔۔۔۔۔ اس نے کبھی نہیں کہا تھا ، کہ تم نے میرا دل توڑا ہے اللہ تجھے اس کی سزا دے ، اس نے مجھے دعا دی تھی ، پر نہ جانے کیوں اس کی دعا میرے دل سے چمٹی رہی ۔۔۔۔۔ اور دل بھی بے سکون رہا ۔۔۔۔۔۔۔۔

مومی میری جان : میں نے نفسیات کی کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ حمل کے دوران ماں جس قسم کے خیالات اپنے ذہن میں رکھتی ہے ، اس کا عکس بچے کی شخصیت میں نظر آنے لگتا ہے اسی لیے لوگ کہتے ہیں ، حاملہ عورت کو اپنے سامنے خوبصورت تصویریں لٹکانی چاہئیں ۔ خوبصورت مناظر دیکھنے چاہئیں ، اور خوبصورت خیال دل میں لانے چاہئیں ۔۔۔۔۔۔۔۔

میری جان ! میں ڈاکٹر ہو کر ایک نیا تجربہ کرنا چاہتی تھی ۔۔۔۔۔۔ میں غزالی کی خاموش محبت کے بارے میں دن رات سوچا کرتی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ میں ایک خاموش محبت کو اپنے خون اور دودھ کے ذریعے تیرے رگ و ریشے میں اتارنا چاہتی تھی ۔۔۔۔۔۔ میں ایک تجربہ کرنا چاہتی تھی ۔۔۔۔۔۔ انتقال محبت کا تجربہ ۔۔۔۔۔۔۔ کوئی دن ایسا نہیں گیا ، جب میں نے اپنے دودھ کے ساتھ تمہیں غزالی کا احساس نہیں پلایا ۔۔۔۔۔۔ پھر جب تو نے میرے

جنون کو سچ کر دکھایا، تو میں ڈر کیوں گئی ۔۔۔۔۔۔۔ گھبرا کیوں گئی ۔۔۔۔۔۔۔ فکر مند کیوں ہو گئی ۔۔۔۔۔۔۔
میری بچی میں تیری گنہ گار ہوں ۔ اس آرزو کو میں نے تیرے اندر بویا ۔۔۔۔۔۔ اس پودے کو اپنا لہو دیا ۔۔۔۔۔۔ میں نے تجھے پاری بنایا ۔۔۔۔۔۔ مجھے معاف کر دینا میری بچی ۔۔۔۔۔۔ دنیا میں اسے ہوتا نہیں ۔۔۔۔۔ مگر معجزے کبھی کبھار ہو جاتے ہیں ۔ کیا اس کے بعد مجھے جینے کا حق ہے؟
اتنے میں ڈیوڈ ناشتہ کر کے اوپر اس کے پاس آ گیا ۔ اس کی صورت دیکھ کر بولا ۔۔۔۔۔۔
پھر روئی تھیں ۔۔۔۔۔۔
پاری نے جلدی سے آنکھیں صاف کر لیں ۔
تمہاری مومی سے بات ہوئی ہے ڈیوڈ ۔۔۔۔۔۔۔
ہاں ۔۔۔۔۔ کل رات اس نے مجھ سے مفصل بات کی ہے، اور سب کچھ مجھے بتا دیا ہے ۔
ڈیوڈ کیا ہو گا ۔۔۔۔۔۔ پاری خوفزدہ انداز میں بولی لگتا ہے کچھ غلط ہو گیا ہے، اسے پاکستان نہیں بھیجنا تھا ۔
پاری اب تم اپنے آپ کو اور ہلکان نہ کرو ۔ جب ہمارے والدین نے ہمارا فیصلہ سنا تھا تو ان کی بھی یہی حالت ہوئی تھی ۔ شکر کرو وہ ہمیں شادی سے پہلے بتا رہی ہے، ہمیں تو شاید شادی سے پہلے بتانے کی جرات ہی نہیں ہوئی تھی ۔
یہ فرق ہے ہم اور آج کل کی نسل میں ۔۔۔۔۔۔
تم پاکستان چلے جاؤ ڈیوڈ ۔۔۔۔۔۔۔ پاری نے روتے ہوئے کہا ۔
دونوں ہی چلتے ہیں پاری ۔۔۔۔۔۔۔ یہی موقع ہے، ہم دونوں کو وہاں ہونا چاہیے اور جو بات تقدیر میں لکھی جا چکی ہے، اسے خوش اسلوبی سے سرانجام دے کر آئیں ۔
ڈیوڈ مجھ میں جانے کی ہمت نہیں ہے، میں نہیں جاؤں گی ڈیوڈ!
میں تمہیں لے کے جاؤں گا پاری ۔۔۔۔۔۔۔ اور تم میرے ساتھ ضرور جاؤ گی ۔ آج میں اسے فون کر دوں گا، اور غزالی سے بھی کہہ دوں گا، کہ وہ ہمارا انتظار ضرور کریں ۔
اچھا اب میں چلتا ہوں، پاری آج جمعہ ہے ۔ میں اپنا سارا سامان گھر لے آؤں گا آج سے میں یہیں تمہارے پاس رہوں گا، میں نے روزلین سے قطع تعلق کر لیا ہے، بلکہ اسے اپنے گھر سے بیدخل کر کے اپنا فلیٹ کرائے پر دیا ہے ۔
میں بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھتا ہوں، شاید میں اپنی بیٹی کو وہ پیار اور توجہ نہیں دے سکا جس کی وہ خواہش مند تھی ۔
باجی جی ۔۔۔۔۔۔۔ آج یہیں بیٹھی رہیں گی ہسپتال جائیں گی کہ نہیں ۔۔۔۔۔۔ غلام رسول سوپ کا پیالہ لے آیا ۔
پاری نے پکڑ لیا، بولی غلام رسول آج مجھے شام کو ہسپتال جانا ہے ابھی تیار ہوتی ہوں تم چولہا بند کر کے یہاں آ جاؤ میں تم سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتی ہوں ۔
وہ آہستہ آہستہ سوپ پیتی رہی ۔
غلام رسول فارغ ہو کر آ گیا، اور اس کے قدموں میں بیٹھ گیا ۔
وہ ہمیشہ کہتی تھی اوپر میرے برابر بیٹھو ۔
مگر وہ ہمیشہ کہتا آپ میری محسن ہیں، میں آپ کے برابر نہیں بیٹھ سکتا، میری تو اولاد بھی آپ کے برابر نہیں بیٹھے گی ۔
غلام رسول ۔۔۔۔۔۔
پاری نے ایک عزم کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور گویا ہوئی ۔ آج میں تم سے بہت اہم بات کروں گی، ایسی باتیں جو کوئی بہن صرف اپنے بھائی سے ہی کر سکتی ہے، پھر تمہیں یقین آ جائے گا، کہ اس گھر میں تم میرا کتنا بڑا سہارا ہو ۔
یہ سنتے ہی غلام رسول کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ اس نے سر جھکا لیا، پاری نے کہنا شروع کیا ۔۔۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں ۔
(C)-www.UrduPoint.com

آخری قسط

غلام رسول میں بڑے ہی دین دار گھرانے میں پیدا ہوئی تھی۔میرے دادا امام مسجد بھی تھے، عالم دین بھی تھے، کیونکہ کبھی کبھی وہ مسجد میں امامت کر لیا کرتے تھے۔میرے ابا جی نے مجھے اعلیٰ تعلیم دلوائی۔مگر میں ترقی پسند بنتے بنتے باغی بن گئی، اور میں نے ایک عیسائی لڑکے سے شادی کر لی۔۔۔۔۔۔میرا خیال تھا ان باتوں سے زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔۔۔مگر یہی باتیں زندگی کا سنگین مسئلہ بن جاتی ہیں۔اب تم دیکھ رہے ہو، اس گھر میں ہر آسائش اور ہر سہولت ہے۔مگر پھر بھی یہ گھر خالی خالی سا لگتا ہے۔۔۔۔۔۔میں نے زندگی کی گاڑی کو کھینچا ہے، صرف گزارا ہے، بسر نہیں کیا۔۔۔۔۔۔۔ہم دونوں میاں بیوی دو متوازی راستوں پر چلتے رہے۔۔۔۔۔۔ایک بچی ہمارے درمیان رہی۔۔۔۔۔۔۔تم سب دیکھ ہی رہے ہو۔غلام رسول نے سر ہلایا۔۔۔۔۔۔میرے بھائی اپنے خدا کے احکام کو نہ ماننے کا دکھ ہمیشہ میرے اندر رہا۔۔۔۔۔یہ وہ پھوڑا تھا جو پکتا رہا۔۔۔۔۔۔۔اگرچہ میرا مہربان خدا میری مدد کرتا رہا۔۔۔۔۔۔۔مگر میں اس دکھ کو نہ بھول پائی۔جو میں نے ایک ماں باپ یا برادری کو دیا تھا۔میرے اندر لاج نے غل مچائے رکھا، مگر نہ میں جا سکتی تھی، نہ چھوڑ سکتی تھی، اولاد بڑی ظالم چیز ہے۔۔۔۔۔۔۔میں نے جو کچھ بھی کیا، اپنی بیٹی کی زندگی کے لیے کیا۔میرے چھوٹے بھیا، ایک بات جس کا علم میرے گھر والوں کو نہیں ہے، وہ میں آج تمہیں بتاتی ہوں، پچھلے سال میں کیلی فورنیا جا کر بیمار ہو گئی تھی نا؟۔۔۔

جی ہاں غلام رسول نے پرنم آنکھوں سے کہا۔

تو وہاں میرے ٹیسٹ ہوئے تھے، وہیں مجھے پتہ لگا کہ مجھے کینسر ہو گیا ہے، پھیپھڑوں کا کینسر۔۔۔۔۔۔۔

باجی جی۔۔۔۔۔۔غلام رسول نے چیخ کر پاری کے پاؤں پکڑ لیے اور زور زور سے رونے لگا۔

دیکھو غلام رسول پہلے میری بات سن لو۔۔۔۔۔۔۔رونے کو تو عمر پڑی ہے۔موقع غنیمت دیکھ کر میں تم سے بات کر رہی ہوں۔صاحب آ گئے تو اتنی بات بھی نہ ہو سکے گی۔

جی۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔غلام رسول آنسو پونچھ کے سیدھا ہو گیا۔باجی جی تب سے آپ کمزور ہی ہوتی جا رہی ہیں۔

ہاں غلام رسول۔۔۔۔۔۔ڈاکٹروں نے مجھے بتا دیا تھا کہ میرے دونوں پھیپھڑے ختم ہو چکے ہیں مگر علاج سے تھوڑا وقت بڑھایا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔چونکہ میں ڈاکٹر ہوں اور صورتِ حال کو اچھی طرح سمجھتی ہوں اس لیے میں نے ڈیوڈ اور مومی کو بتائے بغیر اپنا علاج جاری رکھا۔۔۔۔۔۔۔ان کو بتانے کا فائدہ بھی نہیں تھا، دونوں فکر مند ہوتے۔۔۔۔میری ملازمت چھڑوا دیتے۔۔۔۔۔۔۔میرے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتے، جس کا فائدہ۔۔۔۔۔۔ہم تینوں میں سے کسی کو نہ ہوتا۔اب اچھا ہوا ہے کہ معمول کے مطابق ایک سال گزر گیا ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی تھی کہ وہ مجھے مومی کی شادی تک زندہ رکھے۔۔۔۔۔۔۔سو خدا نے سن لی۔۔۔۔۔۔۔

باجی جی۔۔۔۔۔۔۔کب ہے مومی باجی کی شادی۔۔۔۔۔۔۔کیا پاکستان میں ہو رہی ہے۔

ہاں غلام رسول۔۔۔۔۔۔اب میں تھک گئی ہوں، پہلے میری پوری بات سن لو۔گھر میں کسی کو میرے بیماری کا پتہ نہ لگے کیونکہ مجھے گھر والوں کی فکر مندی سے وحشت ہوتی ہے، وعدہ کرو میرے جیتے جی کسی کو نہ بتاؤ گے۔

نہیں بتاؤں گا باجی جی۔۔۔۔۔۔غلام رسول نے روتے ہوئے کہا۔

شام کو اپنے انجکشن لگوانے جاتی ہوں۔ہفتے میں ایک بار۔۔۔۔۔۔۔مگر گھر میں کسی کو بتاتی نہیں۔۔۔۔۔۔کہ کہاں جاتی ہوں اپنے ہی ہسپتال کا کہہ کے جاتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔تھوڑی دیر آرام کر کے واپس آ جاتی ہوں۔آج شام میں جاؤں گی۔۔۔۔۔۔۔علاج کے لیے بعض اوقات میری طبیعت بہت اکھڑ جاتی ہے تب میرے معالج مجھے دو چار گھنٹے وہیں لٹا لیتے ہیں۔طبیعت سنبھلتے ہی میں اپنے گھر آ جاتی ہوں، اگر میں ہسپتال میں داخل ہو جاؤں تو مومی اور ڈیوڈ کو میری بیماری کا پتہ چل جائے گا، میں انہیں یہ صدمہ نہیں پہنچانا چاہتی۔ڈیوڈ نے مجھے کہا تھا کہ آج وہ اپنا سامان لے کر گھر آ جائے گا، اس کو کھانا کھلا دینا اور بتا دینا کہ آج کوئی آپریشن ہے، مجھے رات بھر رہنا پڑ سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔پاری کھڑی ہو گئی بولی۔اب میں جلدی تھک جاتی ہوں تھوڑا سا آرام کر کے تیار ہو جاؤں گی۔

بے قراری سے بولا۔باجی جی آپ نے ایسا کیوں کیا باجی جی۔۔۔۔۔۔غلام رسول روتا ہوا اس کے پیچھے چلنے لگا۔

میں نے کیا کہا ہے غلام رسول۔۔۔۔۔۔میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔۔۔۔۔۔۔یہ تو تقدیروں کا کھیل ہے جو لکھا ہو وہ ہوتا رہتا ہے۔۔۔۔۔۔۔سنو غلام رسول۔۔۔۔۔۔۔پاری نے مڑ کر اسے دیکھا۔۔۔۔۔۔یہ دنیا جو دیکھنے میں بڑی دلکش نظر آتی ہے، کبھی نہ سمجھ میں آنے والا گورکھ دھندا ہے۔۔۔۔۔۔۔جس طرح مرضی شروعات کریں۔۔۔۔۔۔کتنے بھی کام کر لیں۔۔۔۔۔۔۔انجام کار آدمی اپنی ذات میں بالکل تنہا ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔اولاد پیدا کریں، دولت جمع کر لیں، دوست بنا لیں، بہترین ساتھی چن لیں۔آخر کار بندہ اکیلا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی ذات کا دکھ بھی کسی کو نہیں بتا سکتا اپنے دکھ کی صلیب اسے اپنی ہی کندھوں پر اٹھانی پڑتی

ہے، یہاں کوئی سہارا نہیں دیتا۔ دنیا میں کتنے بھی بہترین کام کرلیں، کامیابیاں حاصل کرلیں، شہرت کے منارے کو چھولیں پھر بھی بندہ تن تنہا کھڑا ہوتا ہے، اس دنیا کو چھوڑنے سے پہلے دل کی بات نہیں کہہ سکتا اور دل کی بات سننے کی کسی کو فرصت بھی نہیں ہوتی۔ افسوس کہ جانے سے پہلے ہی دنیا کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔وہ دل کی دل میں لے جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اس لیے تو ہر جانے والا روتا ہوا جاتا ہے۔۔۔۔۔

باجی جی آپ بڑی عجیب باتیں کررہی ہیں جی۔۔۔۔۔۔۔میں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔ وہ روتے ہوئے بولا۔۔

اب تم ڈرامہ نہ کرو غلام رسول۔۔۔۔۔۔۔۔تم سے بات کر کے میرا دل کچھ ہلکا ہوا ہے اور مجھے رو رو کر نہ دکھاؤ، اسی بات سے مجھے وحشت ہوتی ہے، کینسر کا مریض تو بیماری کو جھیل لیتا ہے مگر عزیز اقارب بیماری کا نام سنتے ہی اس کا ماتم کرنے لگ جاتے ہیں۔

نہیں باجی جی نہیں۔۔۔۔۔نہیں جی۔۔۔۔۔۔۔۔میں تو نہیں رہا۔ یہ کہتے ہوئے غلام رسول کچن میں چلا گیا۔

پاری نے تھوڑا سا آرام کیا۔ نہائی دھوئی۔ آج اس نے دانستہ سفید شلوار قمیض پہنی۔ اوپر گرم اوورکوٹ پہن لیا۔ سر پر سیاہ سکارف باندھ لیا کتنے عرصے بعد اس نے اپنا یہ لباس پہنا تھا۔ اپنے آپ کو آئینے میں آخری بار دیکھا اور باہر نکل آئی۔

غلام رسول اسے دیکھتے ہی اس کی کار گیراج سے نکال کے باہر لے آیا تھا۔

وہ آ کے سٹیئرنگ کے آگے بیٹھ گئی۔ کار اسٹارٹ کی۔ پھر مسکرا کر غلام رسول کی طرف دیکھا اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

پاری نے سر باہر نکالا اور شگفتگی سے بولی۔

چہرہ ٹھیک کرو غلام رسول۔۔۔۔۔۔ مجھے ہنس کر خدا حافظ کہو۔

وہ جبراً ہنس پڑا۔ اور بے اختیار ہاتھ ہلانے لگا۔

فکر نہ کرنا۔۔۔۔۔۔۔ پاری بولی۔ اگر دیر ہو جائے۔۔۔۔۔ اگر موسم خراب ہوا تو میں وہیں رک جاؤں گی۔۔۔۔۔۔۔پھر خود ہی آجاؤں گی۔۔۔۔۔۔۔سمجھ گئے۔۔۔جی۔۔۔غلام رسول نے تابعداری سے سر ہلایا۔

پاری نے ایکسی لیٹر پر پاؤں رکھا اور زن سے موٹر نکال لی گئی، کتنی دیر غلام رسول نے گیٹ بند نہیں کیا۔۔۔۔۔۔ پاری کی موٹر کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔۔۔۔۔۔

دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ دور جا کر موٹروں کی قطار میں گم ہوگئی۔

پتہ نہیں کیوں آج غلام رسول کا دل چاہ رہا تھا وہ گیٹ کھلا رہنے دے گیٹ بند نہ کرے جب تک کہ باجی جی واپس نہ آجائیں۔

پتہ نہیں کیا وقت ہوگا۔ نہ روشنی تھی نہ اندھیرا۔۔۔۔۔۔کسی نے بڑی زور سے دروازے پر دستک دی۔ غلام رسول ہڑبڑا کے اٹھ گیا اٹھتے ہی اس نے دیکھا وہ لاؤنج میں سویا ہوا تھا اور ہیٹر ابھی تک بل رہا تھا دستک دوبارہ ہوئی۔ وہ دروازے کی جانب دوڑا۔۔۔۔۔۔۔۔یقیناً باجی جی آئی ہوں گی مگر انہوں نے بیل کیوں نہیں دی شاید دی ہو۔۔۔۔۔۔رات دس بجے تک ڈیوڈ اس کا انتظار کرتا رہا تھا پھر جب غلام رسول نے تسلی کرادی کہ آج رات ان کے آپریشن ہیں، دیر سے آئیں گی، تو ڈیوڈ اپنے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔۔۔۔۔ کیونکہ دیر سویر آنا تو پاری کا معمول تھا۔

غلام رسول نے صدر دروازہ کھول دیا۔ باہر کوپ کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں ایک نمبر پلیٹ تھی، بولا۔

کیا میں اندر آسکتا ہوں؟

غلام رسول نے پیچھے ہٹ کر اس کو راستہ دے دیا مگر خود دروازے سے باہر نکل کر دور تک دیکھا پاری کی گاڑی کہیں نہیں تھی صرف ایک پولیس وین کھڑی ہوئی تھی۔

کھڑکھڑاہٹ کی آواز سن کر ڈیوڈ بھی باہر نکل آیا تھا۔ پولیس مین نے اسے گڈ مارننگ کہا اور پھر نہایت شائستہ لہجے میں بولا۔

کیا آپ اس نمبر پلیٹ کے بارے میں بتا سکتے ہیں کہ یہ کس کی کار کی ہے؟

ڈیوڈ نے اس کے ہاتھ سے نمبر پلیٹ پکڑ لی اور جلدی سے بولا۔

یہ تو میری بیوی کی گاڑی کی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

تو پھر میں آپ کو یہ بری خبر سنا رہا ہوں کہ آپ کی بیوی حادثے کا شکار ہوگئی ہے۔

کیسے۔۔۔۔۔۔۔۔کیوں۔۔۔۔۔۔۔؟ ڈیوڈ کا رنگ اڑ گیا۔

آپ میرے ساتھ چلیئے۔۔۔۔۔۔۔میں یہاں نہیں بتا سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔

ڈیوڈ نے جلدی سے اپنا اوورکوٹ پہنا اور باہر نکل آیا اس کے ساتھ ہی چیختا ہوا غلام رسول آ گیا۔

سر میں بھی جاؤں گا۔
سر میں بھی جاؤں گا۔
لپک کر وہ بھی پولیس وین پر بیٹھ گیا۔
پولیس مین انہیں ایک بالکل ہی ویران جزیرے میں لے آیا، وہاں برف کے پہاڑ بنے ہوئے تھے۔ پولیس مین نے ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔۔۔۔۔۔۔ کہنے لگا یہ آپ کی بیوی کی کار ہے ہمیں نہیں معلوم آپ کی بیوی یہاں پہنچیں کیسے کیونکہ یہ شہر کو جانے والا رستہ نہیں ہے کل سے برف باری ہو رہی ہے اور بار بار اعلان بھی ہو رہا تھا کہ اس راستے پر ٹریفک بند ہے پھر بھی آپ کی بیوی ادھر کیوں آئیں۔۔۔۔۔ جب میں اپنے چکر پورا کرتا ہوا یہاں آیا تو کار کے اگلے دروازے کھلے تھے اور غالباً پچھلے شیشے بھی کھلے تھے کار کے اندر باہر برف جم چکی تھی بلکہ برف ہی کی کار بنی ہوئی تھی اس وقت اندازہ ہو سکتا تھا کہ برف سے بنا ہوا کوئی آدمی اسٹیرنگ پر بیٹھا ہوگا۔۔۔۔۔ میں نے کوشش کر کے اس پلیٹ کو اکھیڑ لیا۔۔۔۔۔۔ اور رجسٹریشن آفس سے اس کے مالک کا نام پتہ لگا لیا۔۔۔۔۔۔ آپ کا فون ڈیڈ تھا اور دروازے کی گھنٹی سے کوئی جاگ نہیں رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ اس لیے میں نے دستک دے کر آپ سب کو تکلیف دی ہے۔۔۔۔۔
سر جی۔۔۔ سر جی۔۔۔ اس برف کو اکھیڑیں۔۔ غلام رسول برف میں دبی ہوئی کار کے اردگرد۔۔ آگے پیچھے بھاگنے لگا، رونے لگا چلانے لگا۔۔۔ اکھیڑیں جی۔۔۔ ورنہ میں خود اکھیڑوں گا، وہ اپنے ہاتھوں سے برف کھرچنے لگا۔۔ وہ دیکھیں جی میری باجی کا دوپٹہ نظر آ رہا ہے ہاں جی یہ میری باجی ہی ہیں۔ جی وہ کار میں دب گئی ہیں۔۔ جی وہ برف کے اندر زندہ سلامت ہیں۔۔ سر جی۔ اس نے صدمے میں ڈوبے سکتے کی حالت میں کھڑے ڈیوڈ کو جھنجھوڑا۔
ڈیوڈ کے سوچنے سمجھنے کی قوت ماؤف ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔
غلام رسول پولیس مین کے پاس گیا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بولا۔۔۔۔۔۔۔ اس کو باہر نکالو میری بہن اندر زندہ ہے، اسے جلدی نکالا۔۔۔۔۔۔۔ اس کا دم گھٹ جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔
آپ گھبرائیں نہیں۔۔۔۔۔۔۔ میں نے فون کر دیا ہے میرا عملہ برف کھرچنے کا سامان لے کر آتا ہی ہوگا۔۔۔ اپنے آپ کو سنبھالیں۔۔ جو عورت ساری رات برف میں دبی رہی ہے اس کا زندہ نکل آنا ممکن نہیں۔۔۔۔۔۔۔
یہ سن کر غلام رسول چیختا ہوا۔۔۔ برف سے بنی ہوئی کار کے اوپر لیٹ گیا۔۔ اور اس ڈھیر سے لپٹ کے۔۔ باجی جی۔ باجی جی۔۔ چیخنے لگا۔۔ مجھے معلوم ہوتا میں کبھی آپ کو گھر سے نہ نکلنے دیتا۔ یہ سب میرا قصور ہے۔۔ یہ میری غلطی سے ہوا۔۔۔ وہ تو بتا رہی تھیں کہ وہ کہاں جا رہی ہیں۔۔۔ باجی جی۔۔۔۔۔۔۔ باجی جی۔۔۔۔۔۔۔
برف کے ویرانے میں دور تک غلام رسول کی چیخیں گونج رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ اور ڈیوڈ کو سکتہ ہو گیا تھا۔
ٹھیک ایک مہینے کے بعد۔۔ اس برفانی وادی کے ایک کارنما ٹیلے کے پاس۔ مومی۔۔ غزالی۔۔۔ ڈیوڈ اور غلام رسول سر جھکائے کھڑے تھے۔۔۔۔۔۔ مومی اور غزالی ٹنوں کے حساب سے پاکستانی پھول لائے تھے جن میں گلاب، گینڈا، کارنیشن، موتیا، چنبیلی ہر قسم کے پھول تھے۔۔ انہوں نے کار کی شکل کے برفانی تودے پر پھولوں کی چادر بچھا دی تھی۔۔ اور چپ چاپ سر جھکائے کھڑے تھے۔۔ کچھ سننا چاہتے تھے۔۔۔۔ کچھ کہنا چاہتے تھے۔۔۔
چاروں طرف سناٹا بول رہا تھا۔۔۔ یہ چپ کی وادی ہے۔۔۔۔ اسرار کی چادر اوڑھے کسی دکھیاری جوگن کی مانند اپنا بن باس کاٹ رہی ہے۔۔۔ برف نے اس کے لب سی دیئے ہیں اور ٹھٹھری ہواؤں نے تہہ در تہہ اس پر برف بچھا دی ہے۔۔۔ اس وقت یہ وادی گم صم ہے اسے کسی کے قدموں کی چاپ سننے کی تمنا رہتی ہے۔ یہ وادی ہمیشہ راہ تکتی ہے ہمیشہ منتظر رہتی ہے ہمیشہ راہ گزر کو دیکھتی رہتی ہے کبھی کبھی یہ وادی کراہتی ہے۔ جیسے اس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہو۔ جیسے اس نے مسافر کو سر راہ لوٹ لیا ہو۔۔۔۔۔ جب برف اپنے سفید پاؤں فضا کی گود میں جماتی ہوئی آتی ہے دھیرے دھیرے۔۔۔ ہولے ہولے۔۔۔ تو ساری وادی کے پتے آنسوؤں کی مانند گرنے لگتے ہیں۔
کہاں سے آئے ہو۔۔۔۔۔۔
کس کے لیے آئے ہو۔۔۔۔۔۔۔
ہاں بیٹھ جاؤ۔۔۔۔۔۔۔
سنو یہ وادی کچھ کہہ رہی ہے۔
وادی کے دل سے آوازیں اٹھ رہی ہیں۔
یہ برف کا دھواں نہیں ہے۔
یہ وادی اجنبیوں کا دامن تھام کر ہمیشہ کچھ کہنے کی آرزو کرتی ہے۔
پوچھتی یہ اب کس کو کھوجنے آئے ہو کس کو دیکھنے آئے ہو۔

یہاں برف نے ایک دیوار سی کا بھید رکھا ہے اس لیے پگھلتی نہیں کسی کا بھرم رکھ چھوڑا ہے اس وادی نے۔۔۔۔۔۔
ہوائیں چلتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ان سے ڈرو نہیں۔۔۔۔۔۔
یہ وادی کے بین ہیں۔وادی کسی کو بلاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔
کسی سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔۔۔۔۔۔۔
برف کا دل کسی جانسوز کہاوت سے پگھلنا چاہتا ہے۔
سن سکو گے۔۔۔۔۔۔۔۔
سہہ سکو گے۔۔۔۔۔۔۔۔
ذرا رکو نا؟۔۔۔۔۔۔۔۔
ذرا سنو نا؟۔۔۔۔۔۔۔۔

©-جملہ حقوق بحق ادارہ اردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com